ترتیب و تحقیق

مولانا ڈاکٹر ضیاء اللہ جدون

تقریظ

شیخ الاسلام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب

مکتبہ عزیزیہ
سلام کتب مارکیٹ دکان نمبر 17 علامہ بنوری ٹاؤن کراچی
Cell: 0300-2343814

نام کتاب : صحابہ کرام پاکستان میں

تحقیق و ترتیب : مولانا ڈاکٹر ضیاء اللہ خان جدون (پی ایچ ڈی)

رابطہ نمبر : 0300-2343814

سن اشاعت : طبع اول 2017

طبع ثانی 2020

طبع ثالث 2022

کتاب ملنے کے پتے

سعدی کتب خانہ، گلشن اقبال کراچی
0333-2305791

دار النعیم، اردو بازار لاہور
0301-4441805

مکتبہ فریدیہ، حضرو اٹک
0314-5071884

فہرست کتاب

تقریظ

شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ

مکرم جناب ضیاء اللہ جدون صاحب!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کی تالیف "صحابہ کرامؓ پاکستان میں" موصول ہوئی۔ کتابیں بہت سی آتی رہتی ہیں۔ لیکن آپ کی کتاب کا نام ہی دیکھ کر ورق گردانی کی خواہش پیدا ہوئی۔ پھر ورق گردانی سے باقاعدہ مطالعہ کی خواہش پیدا ہوئی اور ایک بڑا حصہ دلچسپی سے پڑھا۔ تاریخ بندہ کا اختصاص نہیں ہے لیکن آپ کی کتاب سے تحقیق کا خصوصی اہتمام واضح ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائیں کہ بندہ نے آپ کی کتاب سے خوب استفادہ کیا۔ اللہ تعالیٰ آپ کی اس کوشش کو اپنی بارگاہ میں شرف قبول عطا فرمائے۔ آمین

والسلام بندہ

محمد تقی

14-9-1439ھ

انتساب

لوگوں کے مختلف شوق ہوتے ہیں، میرا بھی عجیب شوق ہے، مجھے پوری زندگی تین قیمتی چیزوں کی تلاش رہی ہے جنہیں اپنے گھر والوں سے لیکر اعزہ واقارب، یار دوستوں سمیت بڑے بڑے عہدیداروں، علماء، وکلاء، اسلامی سکالروں اور پروفیسروں کے قریب جاکر دیکھا لیکن سوائے افسوس کے کچھ نہ ملا۔ ظاہر ہے کہ یہ اس قدر بیش بہا اشیاء ہیں جو دنیا میں بہت نادرالوقوع ہیں تبھی تو ان کے حاملین دنیا کے مالدار ترین لوگ ہیں جو یقیناً انگلیوں پر گنے جاسکتے ہیں۔ وہ تین قیمتی ترین چیزیں احساس، اخلاص اور اخلاق ہیں۔ تیس سالہ سرتوڑ کوشش کے بعد یہ تینوں مجھے جس عظیم انسان کے ہاں ملیں، اسی بھائی کے نام یہ کتاب منسوب کرتا ہوں یعنی

روح اللہ یوسفزئی

کے نام.........

پیدا کہاں ایسے پراگندہ طبع لوگ
افسوس تم کو روح سے صحبت نہیں رہی

تعظیمی سلام

ان قابل ذکر ہستیوں کو دل کی اتھاہ گہرائیوں سے سلام پیش کرتا ہوں، جنہوں نے اپنے تن من دھن کی پرواہ نہ کرتے ہوئے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی عزت و ناموس کی ہر محاذ پر حفاظت کی۔ مصائب، جیلیں، ہتھکڑیاں، قید و بند حتیٰ کہ گولیاں انہیں دفاع صحابہ سے روکنے میں ناکام رہیں اور ان میں اکثر سعادت مند حضرات نے تو اس عظیم مشن کے لیے اپنی جانوں کا نذرانہ تک پیش کر کے حق ادا کر دیا۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سب ناقابل فراموش حضرات کی اس عظیم قربانی کو اپنے در میں قبول فرمائے۔ آمین

جن کے تقویٰ اور طہارت کی قسم کھائے جہاں
جن کے ایماں کی گواہی دیں زمیں و آسماں
خدا یاد آئے جن کو دیکھ کے وہ نور کے پتلے
اِک دئے سے دوسرا پھر تیسرا ہے ضوفشاں

تعارف مصنف

ازانجینئر حافظ باز محمد صوابوی

کتاب ہٰذا کے محقق و مدون ڈاکٹر مولانا ضیاء اللہ خان جدون صاحب حقانی مبارک باد کے مستحق ہیں جنہوں نے اتنا بڑا تاریخی کارنامہ سرانجام دیا ہے۔ یقیناً تاریخ کو ایسی ہی ایک تحقیقی کتاب کی ضرورت تھی جس سے پاکستان کی اسلامی تشخص پوری طرح عیاں ہوں۔ یہ محض ایک کتاب نہیں بلکہ ایک بہت بڑا علمی خزانہ ہے جس کی تدوین کے لیے جدون صاحب کو بڑی تگ و دو اور محنت شاقہ کرنی پڑی ہے۔ تحقیق کوئی منہ کا نوالہ نہیں بلکہ بقول کسی دانشور چیونٹوں کے منہ سے شکر کے دانے لے کر جمع کرنے کے مترادف ہے جو بلاشک و شبہ ایک دقت آمیز کام ہے۔ لہٰذا میں سلام پیش کرتا ہوں جدون صاحب کو جنہوں نے ایک ایسا کارنامہ سرانجام دیا ہے کہ تاریخ اسے کبھی بھلا نہ سکے گی۔

مجھے فخر ہے کہ جدون صاحب جیسے قابل اور لائق مصنف کے ساتھ حقیر کی دعا سلام ہے۔ گرچہ آپ کا پی۔ ایچ۔ ڈی مقالہ ''سامی مذاہب میں یروشلم کی ملکیت اور ایک عالمگیر خدائی خلافت کے استحقاق کا علمی جائزہ'' ہے، جس پر آپ نے کام کر کے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی ہے۔ تاہم چونکہ آپ ایک فطری لکھاری ہیں اس لیے علاوہ ازیں دیگر کئی تحقیقی کتب تصنیف کر چکے ہیں، حالانکہ ابھی عمر کے محض تینتیس بہاریں دیکھ چکے ہیں۔ آج سے تینتیس سال پیشتر ضلع صوابی میں علاقہ گدون کے ایک گاؤں بیسک میں پیدا ہوئے۔ میٹرک کا امتحان اپنے گاؤں سے پاس کرنے

کے بعد گورنمنٹ کالج کوٹھا سے ایف ایس سی پاس کر کے مدرسہ کا رُخ کیا اور آٹھ سال بعد دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک نوشہرہ سے 2009ء میں فراغت حاصل کی۔ آپ نے دارالعلوم میں امتیازی پوزیشن حاصل کی تھی۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ نے عصری تعلیم بھی جاری رکھی اور بی۔اے اور ایم۔اے کے امتحانات پشاور یونیورسٹی سے اچھے نمبرات سے پاس کیے ۔پھر جامعہ پشاور سے ایم فل کرنے کے بعد پی۔ایچ۔ڈی میں داخلہ لیا اور خود کو ''ڈاکٹر'' منوایا۔ آپ نے علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد سے بی۔ایڈ اور ایم۔ایڈ بھی فرسٹ ڈویژن میں پاس کیے ہیں۔

آپ کے قابل ذکر اساتذہ میں آپ کے والد جناب نوار خان جدون مرحوم، محترم شیرین بہادر جدون، محترم حامد علی خان مینوی، مولانا عبدالسلام جدون، پروفیسر ظاہر شاہ، پروفیسر جمیل، مولانا شفیع المنانؒ، مولانا عبدالہادی (مہتمم دارالعلوم قاسم العلوم گندف)، مولانا شیر زمان (امیر جمعیت علماء اسلام ضلع اٹک)، مولانا حضرت حسین (تلمیذ مولانا ایوب بنوریؒ)، مولانا روزی محمد (کالا ڈھاکہ)، مولانا عبدالواحد جدونؒ و مولانا عبدالرازق صاحب جدون (تلامذہِ مولانا رسول خان ہزارویؒ و مولانا ادریس کاندھلویؒ)، مولانا سمیع الحقؒ (مہتمم دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک)، ڈاکٹر شیر علی شاہ مدنیؒ (آپؒ سے بخاری وترمذی پڑھی تھی)، مولانا نصیب خان شہیدؒ، مولانا مفتی سیف اللہ ، مولانا عبدالحلیم دیروی ، مولانا مغفوراللہ ، مولانا انوارالحق ، مولانا محمد حسن لاہوری، پروفیسر ڈاکٹر ضیاء اللہ ازہری (تلمیذ مولانا یوسف بنوریؒ)، پروفیسر ڈاکٹر مشتاق احمد اور پروفیسر ڈاکٹر قبلہ آیاز شامل ہیں۔ علاوہ ازیں آپ نے مفتی محمد فرید زروبویؒ، مولانا سلیم اللہ خانؒ، ڈاکٹر عادل خان شہید، مفتی محمد رفیع عثمانی، قاضی حمید اللہ جانؒ اور کئی فضلائے دیوبند سے اجازت حدیث بھی لی ہے۔

قدرت نے آپ کو کئی قابل رشک صلاحیتوں سے نوازا ہے۔ آپ نہ صرف اسلامی سکالر ہیں بلکہ اردو اور پشتو کے ایک بہترین ادیب بھی ہیں۔ اس کے علاوہ عربی، فارسی، انگریزی پنجابی، ہندکو اور پھوٹوہاری زبانوں سے بخوبی واقف ہیں۔ اسلامی علوم کے علاوہ فلسفہ، سیاسیات، ادبیات اور تاریخ پر عقابی نظر رکھتے ہیں۔ آپ کی خوبی بلکہ خاصہ یہ ہے کہ آپ عقیدت کی بجائے حقیقت کے قائل ہیں۔ آپ بہترین خطاط بھی ہیں کیونکہ آپ دنیا کے عظیم ترین خطاط مرحوم نفیس الحسینیؒ کے شاگرد ہیں۔ انہوں نے از خود آپ کو بیعت سے بھی نوازا تھا۔ اور ان سب پر مستزاد یہ کہ آپ نہایت خلیق الطبع، شریف النفس، ملنسار، مخلص، مرنجاں مرنج اور حساس مزاج والے ایک صاحب دل انسان ہیں۔

آپ کی قریباً دس کتابیں زیور طباعت سے آراستہ ہو چکی ہیں۔ اور درجن بھر کتب منتظر طباعت ہیں، جبکہ کئی کتابیں ابھی زیر تالیف ہیں۔ دعا ہے کہ اللہ آپ کی یہ سعی بھی قبول فرمائے اور مزید دینی خدمت کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

؎ نہ بھولیں ہیں نہ بھولیں گے ضیاء اہل محبت
کچھ اہل دل و اہل نظر یاد رہیں گے

باز محمد، کرنل شیر کلے
صوابی

طبع دوم کے لیے چند الفاظ

2015ء کی بات ہے جب راقم اپنے پی ایچ ڈی مقالے کی تیاری میں مصروف تھا اور اس دوران راقم پشاور میں واقع تمام تر کتب خانوں اور لائبریریوں کو چھان مار رہا تھا کہ دریں اثناء ورسک روڈ پر واقع ایک ریسرچ لائبریری کو جانا ہوا۔ وہاں انگریزی کتابوں میں کیرن آرم سٹرانگ کی کتاب "یروشلم: ون سٹی تھری فیتھس" دیکھ رہا تھا کہ پیچھے بیٹھے ایک شخص نے آواز دی کہ کیا دیکھ رہے ہو؟ کتاب کی تلاش کرتے ہوئے جواب دیا کہ فلاں کتاب ڈھونڈ رہا ہوں۔ پھر پوچھا کیا کر رہے ہو؟ میں نے عرض کیا پی ایچ ڈی اسکالر ہوں۔ آگے سے مذکور شخص نے کہا کہ بڑے آئے ہو ریسرچ اسکالر، اور پھر بڑے پر شکوہ انداز میں کئی چبھنے والے جملے کہے۔ میں نے مڑ کر دیکھا تو سنی ان سنی کر کے پھر سے کتاب کی تلاش میں لگ گیا۔ لیکن وہ تھا کہ برابر کہتا چلا جا رہا تھا۔ میں سمجھ گیا کہ کوئی تو غلط فہمی ہے۔ دوسری طرف وہ کتاب بھی وہاں مل نہیں رہی تھی کیونکہ موجود نہ تھی۔ تب میں نے سامنے ایک کمرے پر لکھے بیاد قاضی عبدالحلیم اثر افغانی کے بارے میں پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ تو کہنے لگے کہ میں نہیں کہتا کہ جامد ریسرچر ہو تم لوگ۔ اتنے بڑے محقق کو بھی نہیں جانتے۔ عرض کیا نہیں جی اس کے پورے حالات کے بارے میں استفسار کر رہا ہوں۔ اور پھر جب ان کے حالات بتادیئے تو بیٹھنے کو کہا۔ جا کر بیٹھ گیا تو ایک کتاب مجھے تھما دی۔ دیکھا تو کسی صاحب نے "وادئ پشاور میں صحابہ کرام" کے نام سے لکھی تھی۔ کہنے لگے کہ حضرت صاحب ایک عالم نہیں بلکہ مفتی ہیں، پی ایچ ڈی ڈاکٹر ہیں اور اب ایک یونیورسٹی میں پروفیسر بھی ہیں۔ ان کی یہ کتاب آپ دیکھ لیں اور خود اندازہ لگا لیں کہ کیا اس میں کہیں پر بھی

آپ کو تحقیق نظر آرہی ہے؟ میں نے کتاب پر عبقری نظر دوڑائی تو واقعی وہ جو کہہ رہے تھے، درست کہہ رہے تھے۔ میں نے کہا کہ آپ ایک بندے پر کیسے سبھی اسکالرز کو قیاس کر رہے ہیں؟ کہنے لگے اگر بات اس شخص تک محدود ہوتی تو کوئی مسئلہ نہ ہوتا، افسوس اس پر نہیں کہ ہماری یونیورسٹیاں ہر کسی کو ڈگریاں دیتی ہیں خواہ وہ اس قابل ہو یا نہ ہو۔ تاہم افسوس مجھے اس بات پر ہے کہ اس پر شیخ الحدیث ڈاکٹر شیر علی شاہ مدنی اور ڈاکٹر ضیاء اللہ ازہری کے تقاریظ ثبت ہیں۔ تعجب ہے کہ ایسے قابل لوگ کیسے بلا تحقیق لکھی کتاب پر تعریف لکھ لیتے ہیں؟ چونکہ یہ دونوں حضرات راقم کے اساتذہ ہیں اس لیے راقم نے جواب دیا کہ اب ان دونوں ہستیوں کا ایک ادنی سا شاگرد اس موضوع پر تحقیق کی کوشش کرے گا اور پھر اس مقصد کے لیے بلوچستان، پنجاب اور سندھ کا سفر کیا۔ وہاں پر کئی دن رہ کر مکمل تحقیق کی اور سینکڑوں عربی، اردو، فارسی اور انگریزی کتابوں کو کھنگال کر جو نتیجہ اخذ کیا، وہ آپ کے سامنے ہے۔ کتاب دیکھ کر فصیح الدین صاحب بھی خوش ہوئے اور دیگر کئی حضرات نے بھی راقم کی حوصلہ افزائی کی حتی کہ شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی نے بندہ کو اپنے ہاتھوں خط لکھ کر بھیجا تو وہ میرے لیے باعث اطمینان تھا بلکہ باعث فخر تھا کہ دنیائے اسلام کی بڑی شخصیت نے اس کو پسند فرمایا تو یہی میرے لیے کافی ہے۔

باقی اس تحقیق کے ساتھ سبھی کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے کہ تحقیق تو کہتے ہی اس کو ہے کہ ایک کے بعد ایک مزید تدقیق کیا جائے تاکہ نئی باتیں سامنے آجائیں۔ اس لیے جس کسی کو اختلاف ہے تو وہ دلیل کے ساتھ اختلاف کرے۔ اللہ ہماری اس سعی کو قبول فرمائے۔ اور اس کاوش کو اپنے درگاہ میں شرف قبولیت سے نوازے۔ آمین

ضروری گزارش

خود نہ تھے جو راہ پر، اوروں کے ہادی بن گئے
کیا نظر تھی جس نے مردوں کو مسیحا کر دیا

خاتم الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے بے شمار معجزات میں سے ایک اہم اور قابل ذکر معجزہ آپ ﷺ کے پاک اصحاب رضوان اللہ علیہم اجمعین کی مقدس جماعت ہے۔ دنیا کی پوری تاریخ اس جماعت کی مثال پیش کرنے سے عاجز ہے۔ اس فقید المثال جماعت کا ایک ایک فرد دنیا جہاں کے گم راہ کے لیے نجم ہدایت ہے۔ یہ جنتی حضرات جہاں بھی گئے، نمونہ بن کر گئے۔ یہ جدھر کا بھی رُخ کرتے کامیابی و کامرانی ان کے قدم چومتی اور کیوں نہ ایسا ہوتا کہ جن کے ساتھ رب العالمین کی نصرت اور رحمۃ للعالمین کی صحبت شامل حال تھی۔

فتح مکہ کے بعد رسالت مآب ﷺ نے اپنے جان نثاروں کو دنیا کے مختلف ملکوں اور علاقوں میں اس عظیم مشن کو پھیلانے کے لیے دعوتِ اسلام کے خطوط دے کر روانہ فرمایا۔ دریں اثناء دوسرے علاقوں کی طرح ہندوستان اور بالخصوص موجودہ پاکستان جسے اس وقت سندھ کہا جاتا تھا، جس کی تفصیل آگے آئے گی انشاء اللہ، کے لوگ بھی یوں متعارف ہوئے کہ عرب وہند اور خاص کر عرب وسندھ کے باہمی تجارتی تعلقات پہلے ہی سے قائم تھے۔ اور چونکہ عرب میں بھی سندھی لوگ آباد تھے، ان کا بھی یہاں آنا جانا رہتا تھا اور سب سے اہم بات یہ کہ اسلام ایک عالمگیر مذہب تھا، لہٰذا یہاں پر اسلام کی خوشبو عہد رسالت ہی میں مہکنے لگی تھی، تاہم صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی مستقل آمد عہد فاروقی رضی اللہ عنہ میں شروع ہوئی اور یوں پاکستان کی پاک سرزمین، پاک

اصحاب کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی قدم بوسی سے محظوظ و مسعود ہوئی۔ ان میں کون، کب ،کیسے اور کہاں یہاں آیا اور انہوں نے یہاں کونسے علاقے فتح کیے اور ان میں کون کون کہاں اور کب کیسے شہید ہوا؟ یہی ہمارا اصل موضوع ہے۔

بحیثیت ایک مسلمان ہونے کے، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے دلی عقیدت کا ہونا ایک فطری امر ہے اور اللہ جانے کہ میری سرشت میں ان پاک ہستیوں کی محبت اور عقیدت بحمد للہ مقدار سے بڑھ کر کیوں ہے کہ جب سے شعور سنبھالا ہے، تب سے ان کے لیے کچھ کرنے کے لیے دل بے تاب رہتا تھا۔ سوچا، کہ کیوں نا قلم کے ذریعے ان کے کارہائے نمایاں دنیا کے سامنے لاؤں جو عشاق اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے روح و جان کے سکون کا سبب بنے اور دشمنان اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے دل و دماغ کی بے سکونی کا ذریعہ بن جائے اور یوں خریدارانِ یوسف میں اپنا نام بھی شامل ہو جائے۔ اس موضوع پر، گرچہ میرا بہت پہلے لکھنے کا خیال تھا، لیکن کچھ عوارض بیچ میں حائل تھے کچھ مصروفیات اجازت نہیں دے رہی تھیں اور کچھ اپنے اندر وہ صلاحیت نہیں دِکھ رہی تھی جو اس قسم کے اہم موضوعات پر لکھنے کے لیے درکار ہوتی ہے۔ لیکن پھر جب میں نے پشاور میں واقع مزار اصحاب بابا اور حضرت سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ پر ایک تحقیقی رسالہ لکھا، تو اسے بڑی پذیرائی ملی اور باذوق قارئین نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ بعد ازاں بعض احباب نے مذکور اس اہم ترین موضوع یعنی ''صحابہ کرامؓ پاکستان میں'' بھی پر کچھ لکھنے کا اصرار کیا۔ ان کا اصرار تھا کہ اگر اس اہم موضوع پر لکھا گیا تو ایک تو اس سے پاکستان کی قدر و منزلت بڑھ جائیگی کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی قدم بوسی سے اس پاک سرزمین کی عظمت دوبالا ہوئی اور دوسری بات یہ کہ یہاں وارد صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی سنہری تاریخ نئی نسل کے سامنے آجائے گی جس سے امید

ہے کہ نئی نسل کو بہت کچھ سیکھنے کو ملے گا۔ اللہ جزائے خیر دے ان علماء و شہداء کو جنہوں نے اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کر کے ان پاک ہستیوں کی عزت کی لاج رکھی۔ میری بھی دلی آرزو ہے کہ اللہ رب العزت ان مقدس ناموں پر میری جان قبول فرمالے۔

عنوان کی نزاکت اور اپنی بے بضاعتی کو دیکھ کر قدم اٹھانے سے دل کتراتا تھا لیکن پھر اللہ پر بھروسا کرتے ہوئے اس کے لیے خوب مطالعہ شروع کیا۔ جائزہ ادب لیا تو معلوم ہوا کہ اس موضوع کے متعلق علی مدائنی کی فتح نامہ، بلاذری کی فتوح البلدان، ابن خردازبہ، اصطخری اور بکری کی المسالک والممالک، مقدسی کی احسن التقاسیم، علامہ طبری کی تاریخ طبری، یعقوبی کی تاریخ یعقوبی، ابن اثیر کی الکامل فی التاریخ اور اسد الغابہ، ابو نعیم کی معرفۃ الصحابہ، علامہ ابن حجر عسقلانی کی تہذیب اور الاصابہ، ابن کثیر کی البدایہ والنہایہ، علامہ ذہبی کی تاریخ اسلام، مولانا غلام علی بلگرامی کی سبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان، علامہ محمد طاہر پٹنی کی مجمع بحارالانوار، بزرگ بن شہریار کی عجائب الہند، عبدالحلیم شرر، سید سلیمان ندوی، ابو ظفر ندوی اور اعجازالحق قدوسی کی تاریخ سندھ (چاروں حضرات نے "تاریخ سندھ" کے نام سے چار الگ الگ کتابیں لکھی ہیں)، سید سلیمان ندوی کی عرب وہند تعلقات، ڈاکٹر محمد اسحاق کی پاک وہند میں علم حدیث کا حصہ، ڈاکٹر عبدالرحمٰن براہوی کی بلوچستان میں صحابہ کرام اور بلوچستان میں عربوں کی فتوحات اور ان کی حکومتیں، قاضی اطہر مبارک پوری کی خلافت راشدہ اور ہندوستان، عرب وہند عہد نبوی میں اور العقد الثمین میں قابل مطالعہ مواد موجود ہیں۔ خصوصاً قاضی اطہر مبارک پوریؒ، ڈاکٹر محمد اسحاق اور ڈاکٹر عبدالرحمٰن براہوی نے اس باب میں بڑا کام کیا ہے، تاہم ان کی تحقیقی کتابیں گرچہ اس موضوع کے متعلقات میں سے ضرور

ہیں مگر یہ کتاب ان کی کتابوں سے اس لحاظ سے ذرا ہٹ کر ہے کہ ایک تو یہ کہ مذکور کتابیں استقصائی مراحل سے نہیں گزریں اور دوسری اہم بات یہ کہ انہوں نے ہندوستان یا پھر پورے برصغیر پر لکھا ہے جو آج کل 7 ملکوں میں منقسم ہے اور میرے پیشِ نظر صرف پاکستان ہے۔ دوسری بات یہ کہ انہوں نے یا تو واقعات کو تسلسل کیساتھ نہیں لکھا اور یا پھر واقعات کو بیان کرنے کے بجائے تراجم پر اکتفا کیا ہے اور تراجم بھی مکمل درج نہیں کئے ہیں جبکہ میں نے نہ صرف واقعات کو تسلسل کے ساتھ بیان کرنے کی اپنی پوری کوشش کی ہے بلکہ اس کے بعد مذکور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے تراجم بھی لکھے ہیں۔ یعنی اس کتاب کے تین ابواب ہیں۔ پہلے باب میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے دور کے پاکستان جسے سندھ کہا جاتا تھا، کا مکمل جغرافیائی، تجارتی، سیاسی اور مذہبی جائزہ لیا گیا ہے۔ دوسرے باب میں پہلے صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت مغیرہ بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کے ورود پاکستان سے لے کر آخری صحابی حضرت منذر بن جارود عبدی رضی اللہ عنہ تک کے واقعات درج ہیں ۔ تیسرے باب میں مذکور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے تراجم یعنی سوانح درج ہیں۔

سب سے پہلے بنیادی ماخذ تک رسائی کی ہے اور اس کے بعد ثانوی ماخذ سے کام لیا ہے مزید برآں راقم نے چند انکشافات بھی کیے ہیں۔ مثلاً، عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں پاکستان کو کیا کہتے تھے، یہاں کون آباد تھے، مذہبی و سیاسی صورتحال کیا تھی وغیرہ۔ اور یہ کہ پاکستان کے ایک حاکم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں ایک تحفہ بھیجا تھا، حاکم کا نام امیر عین الدین تھا۔ نیز حضرت سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں ایک تحقیقی مقالہ لکھا ہے جس میں ان کی تاریخ شہادت اور جائے شہادت کے بارے میں پوری تفصیل درج ہے۔ کہ آیا وہ پشاور میں دفن ہیں کہ خضدار میں یا کہیں اور ؟

اکثر عربی عبارات کا اردو ترجمہ خوف طوالت سے نہیں کیا گیا ہے۔ یہ اعتراف کرتے ہوئے میں کوئی جھجک محسوس نہیں کرتا، کہ میں کوئی پروفیشنل لکھاری ہوں اور نہ ہی اردو کا ادیب اریب، اس لئے میری تحریر میں شاید وہ شستگی اور روانگی نہ ملے گی جو قاری کو تسلسل کیساتھ کتاب پڑھنے پر مجبور کرتی ہے لیکن یہ امید ضرور کرتا ہوں کہ یہ جو میں نے محنت کر کے ایک تاریخی اور تحقیقی کتاب مرتب کی ہے، توقع ہے کہ ان شاء اللہ یہ علمی کتاب آپ کی معلومات میں ضرور اضافہ کرے گی۔ انسان ہونے کے ناطے فروگزاشتوں کا سرزد ہونا، ایک فطری امر ہے جس سے انکار نادانی کے سوا کچھ نہیں، اس واسطے کسی بھی غلطی کی نشاندہی ہو یا پھر مزید کوئی قابل تحریر مواد جو شامل کرنے سے رہ گئے ہوں، کی آگاہی کے لیے راقم آپ کا چشم براہ اور شکر گزار ہوگا۔ تاکہ آئندہ ایڈیشن میں ازالہ و اضافہ کیا جاسکے۔ دعا ہے کہ اللہ ہمیں ان مقدس ہستیوں کے نقش قدم چلنے کی توفیق عطا فرمائے کہ اسی میں ہماری کامیابی ہے۔

وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہو کر
اور تم خوار ہوئے تارک قرآں ہو کر

ضیاء اللہ، پشاور

20اپریل 2017

باب اول

پاکستان

عہد نبوی ﷺ اور دورِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین میں

پاکستان (سندھ)

جیسا کہ عرض ہوا کہ اس وقت موجودہ پاکستان کو "سندھ" کہا جاتا تھا۔ بلکہ پاکستان سمیت آج کے ایران، افغانستان اور ہندوستان کے بعض علاقوں کو "سندھ" کہا جاتا تھا جو رفتہ رفتہ گھٹ کر ایک صوبے کا نام رہ گیا۔ چونکہ جغرافیائی اعتبار سے اس وقت کے "سندھ" کا اس موضوع سے گہرا تعلق ہے اس لیے آگے بڑھنے سے پہلے سندھ کی وجہ تسمیہ اور مختصر تاریخ درج کرنا ضروری سمجھتا ہوں تاکہ سندھ کو سمجھنے میں دشواری نہ ہو، کیونکہ اس کتاب میں سندھ تکرار کیساتھ آئے گا۔ لہٰذا قاری کے ذہن میں اُس وقت کا سندھ ہونا چاہیے نہ کہ آج کا اور ساتھ میں یہ بات بھی ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ اہل عرب کبھی کبھار اسی سندھ کے لیے ہند اور ثغر ہند جیسے الفاظ بھی استعمال کرتے ہیں، اس لیے اگر ایسے الفاظ آجائے تو ملحوظ خاطر رہے کہ اس سے مراد موجودہ پاکستان ہی ہوگا کیونکہ سندھ، ہند، بلاد سند و ہند اور ثغر ہند تمام الفاظ سے مراد ان کا موجودہ پاکستان ہی ہے۔ عرب مؤرخین و مترجمین ان مذکور الفاظ کرتے ہوئے موجودہ پاکستان کے صوبہ بلوچستان، سندھ، پنجاب اور پختونخوا مراد لیتے ہیں۔ لیکن چونکہ اس وقت ایسی حد بندی مقرر نہیں تھی اس لیے وہ لوگ انہی الفاظ کا سہارا لیتے ہیں۔ تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ سندھ (موجودہ پاکستان) ہی وہ مقدس قطعہ ارضی ہے جس پر اللہ کی خصوصی نظر پڑی اور اسے اسلام کے ابتدائی ایام ہی میں احسان کرتے ہوئے اسلامی فتوحات سے سرفراز فرمایا۔ مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے سرزمین سندھ (موجودہ پاکستان) پر خصوصی احسان

فرمایا کہ اس خطہ عالم میں فتح اسلامی کیلئے اسے موطن اول ٹھہرایا[1]۔ تاریخ سے واقفیت رکھنے والے جانتے ہیں کہ پاکستان کا شمار ان ممالک میں کیا جاتا ہے کہ جہاں اسلام اولیں دور میں پہنچا۔ برصغیر میں افغانستان کے بعد اسی ملک میں سب سے پہلے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے قدم پڑے اور یہی ہمارے اعزاز کے لیے بہت بڑی بات ہے۔

سندھ کی وجہ تسمیہ

تاریخ کے مطالعہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آریہ قوم جب وسط ایشیاء سے موجودہ افغانستان سے ہوتے ہوئے اس وقت کے مشہور اور بڑے شہر ویہند (ہنڈ، صوابی) پہنچے تو یہاں انہوں نے ایک دریا دیکھا، جسے انہوں نے سندھو کہا کیونکہ سندھو انکی زبان میں دریا کو کہا جاتا تھا[2]۔ آج کل اس دریا کو دریائے سندھ، مہران اور اباسین کے ناموں سے پہچانا جاتا ہے۔ پھر وہ یہاں سے ہوتے ہوئے فتوحات کے ذریعے آگے بڑھے اور وہ جہاں تک گئے، اس سارے ملک کا نام سندھ ہی رکھا۔ یہاں تک کہ وہ دریائے گنگا پر جا کر رُکے، پھر واپس آکر انہوں نے موجودہ صوبہ پختونخوا سمیت افغانستان کے علاقہ ہلمند تک کا سارا علاقہ بھی فتح کیا اور یوں وہاں تک کے اس پورے ملک کا نام انہوں نے سندھ ہی رکھا۔ پھر ایرانیوں نے "سندھ" کو اپنے لہجے میں "ہند" کر ڈالا اور یونانیوں نے "ھ" کو اس کے قریب المخرج حرف "ہمزہ" سے تبدیل کر کے "اند" کر دیا، رومن میں جا کر اند سے انڈیا ہو گیا اور جب انگریز یہاں آئے تو چونکہ

---

[1] عربی سے اردو ترجمہ از مقدمہ ابوالحسن علی ندوی بر کتاب الدکتور عبداللہ مبشر الطرازی، موسوعۃ التاریخ الاسلامیۃ لبلاد السند والبنجاب (باکستان الحالیۃ) فی عہد العرب، عالم المعرفۃ جدہ السعودیۃ، 1403ھ/1983ء، ص5

[2] اردو دائرہ معارف اسلامیہ، دانش گاہ پنجاب لاہور، 11/ 329، طبع ثانی 2006ء

انگریزی زبان میں چونکہ "د" نہیں ہے اس لیے یہ انڈیا بن گیا [1]۔ اکثر مؤرخین کا خیال ہے کہ سندھ اور ہند حضرت نوح علیہ السلام کے پوتوں کے نام ہیں [2]۔ جیسا کہ ہندوستان کے مشہور مؤرخ محمد قاسم فرشتہ نے وضاحت کے ساتھ لکھا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے حام کے چھ بیٹے تھے جن میں ہند اور سند بھی تھے جنہوں نے ہندوستان اور سندھ کے ممالک آباد کیے [3]۔ لگتا ہے کہ دراصل یہ حضرت نوح علیہ السلام کے پوتوں کے نام تھے مگر وقت گزرنے کے ساتھ اور مختلف لغتوں سے گزر کر یہ بامعنیٰ الفاظ بن گئے۔ جیسا کہ عجم کے بارے میں بعض حضرات کا خیال ہے کہ یہ بھی حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے اور اس کی اولاد جہاں پھلی پھولی، آج ان تمام ممالک کو "عجم" کہا جاتا ہے [4]۔ جس کے معنیٰ اب "گونگے" یعنی عربی نہ جاننے والوں سے کیا جاتا ہے۔ گویا ابتداء میں یہ اسماء ہی تھے جو کہ رفتہ رفتہ زبانوں میں بامعنی الفاظ کی شکل اختیار کر گئے۔ سنسکرت زبان میں "سند" کے معنی "نہر" یا "دریا" کے ہیں [5] اور ظاہر ہے کہ یہی زبان یہاں کی قدیم زبان ہے جیسا کہ ایرانیوں نے سندھ کو ہند

---

[1] سید سلیمان ندوی (م 1953ء)، تاریخ سندھ، ص 4، دارالاشاعت کراچی، 1995ء

[2] اگرچہ اکثر مسلم مؤرخین اور جغرافیہ دان مثلاً بلاذری، ابن خرداذبہ، ابن عساکر، ابن کثیر، بکری اندلسی وغیرہ اس کے برعکس بتاتے ہیں کہ سندھ اور ہند حضرت نوح علیہ السلام کے پوتے تھے، لیکن جدید تحقیق کے مطابق محققین نے انگریزی کتاب "انڈیا امپائر" میں درج، مسٹر ہنٹر کے اس قول کو راجح لکھا ہے، جسے مؤرخ سندھ عبدالحلیم شرر اور مؤرخ اسلام علامہ سید سلیمان ندوی اور اردو دائرہ معارف اسلامیہ والوں نے بھی صواب لکھا ہے۔ (تاریخ سندھ از عبدالحلیم شرر ص 2، تاریخ سندھ از سید سلیمان ندوی ص 4، اردو دائرہ معارف اسلامیہ، دانش گاہ پنجاب لاہور، 11 / 329)

[3] محمد قاسم فرشتہ، تاریخ فرشتہ (اردو مترجم، عبدالحئی خواجہ)، المیزان لاہور، 2008ء، ص 32

[4] ایضاً، ص 32

[5] Lamb rick, Sind A General Introduction, London 1880, P.13

بنانے کے ایک عرصہ بعد جب دیکھا کہ مغربی بلاد ہند کے لوگ اپنے وطن کو سندھ کہتے ہیں تو غلطی سے یہ سمجھ گئے کہ "ہند" اس ملک کا نام ہے جسے آریہ لوگ "آریہ ورت" کہتے ہیں، کیونکہ آریہ قوم نے اسے اپنے قبضے میں لانے کے بعد اسے یہ نام دیا تھا۔ ان کی پیروی میں یہی غلطی عربوں سے بھی ہوئی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عرب مغالطہ میں رہے، کبھی ہند کو سندھ اور کبھی سندھ کو ہند کہتے تھے۔ حالانکہ یہ دو الگ ملک تھے جیسا کہ قدیم جغرافیہ نویسیوں نے لکھا ہے، ان کے بقول سندھ اور ہند دو الگ الگ مقامات تھے لیکن بسا اوقات وہ دونوں پر ہند کا اطلاق کرتے تھے [1]۔ بعد میں صرف مغربی اضلاعِ ہند (یعنی موجودہ پاکستان) سندھ رہ گئے اور باقی سارے ملک (ہندوستان) کو ہند کہا جانے لگا اور اس پر لطف یہ ہوا کہ آریہ ورت کے رہنے والوں نے بھی اس بگڑے ہوئے نام "ہند" کو تسلیم کرلیا اور اسی کی طرف نسبت کر کے اپنے آپ کو "ہندو" کہنے لگے۔ اب اس کے بعد ایرانیوں کو ایک دوسرے تصرف کا موقع ملا اور وہ یہ کہ انہوں نے آریہ ورت کو اپنے اس نئے نام کی نسبت تبدیل کر کے "ہندوستان" بنا دیا [2]۔ چینی سیاح ہوشن تسانگ جو 7 ہجری میں یہاں آیا تھا اور 26 ہجری تک یہاں رہا، اس نے اپنے سفر نامے میں لکھا ہے کہ یہ ملک قدیم زمانے میں "ہین تو" کے نام سے مشہور تھا، لیکن اسکے نام کا صحیح تلفظ "انٹو" ہے۔ سندھو سے اندو اور انٹو بنا قابل فہم ہے۔ چینی سیاح ہوشن تسانگ کے بقول گویا عہد رسالت ﷺ میں اس ملک کو "انٹو" کہا جاتا تھا۔ انٹو سے انڈو اور اس سے انڈس بنا بھی قرین قیاس

---

[1] قاضی اطہر مبارک پوری، خلافت راشدہ اور ہندوستان، اسلامک پبلشنگ ہاؤس لاہور، ص 101، س ط ن

[2] عبدالحلیم شرر، تاریخ سندھ، ص 4، دلگداز پریس لکھنؤ، 1907ء

ہے تاہم انڈس یا اندس لفظ کا استعمال عرب میں غیر مانوس ہے بنسبت انگریزی کے [1]۔ مؤرخ سندھ جناب عبدالحلیم شرر فرماتے ہیں کہ مسلمان فاتحین کے آنے کے وقت اگرچہ مشرقی اضلاع ہند، ملک سندھ کے قبضے سے نکل چکے تھے تاہم راجہ سندھ سارے مغربی ہندوستان پر قابض تھا اور اس پورے علاقے کو "سندھ" ہی کہا جاتا تھا [2]۔

سندھ کا حدود اربعہ در عہد رسالت ﷺ

رسول اللہ ﷺ کے عہد زریں اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے دور میں ملک سندھ کے حدود اربعہ کے بارے میں مؤرخین نے جو کچھ لکھا ہے اس کا خلاصہ اور لب لباب یہ ہے کہ موجودہ پاکستان یعنی سندھ، بلوچستان، پنجاب، پختونخوا، قبائلی علاقہ جات سمیت، افغانستان کے علاقہ ہلمند، ایران کے صوبہ کرمان اور ہندوستان کے ریاست راجپوتانہ اور جیسلمیر تک کا سارا علاقہ "مُلک سندھ" کہلاتا تھا [3]۔ تاریخ معصومی (1010ھ) میں سندھ کی حدود یہ درج ہیں؛ حدود سندھ مشرق میں قنوج و کشمیر تک، مغرب میں مکران اور ساحل بحر عرب تک یعنی دیبل بندر تک جو آج کل لاہری (لاہوری یا لاڑی) بندر کے نام سے مشہور ہے جنوب کی سمت سورت بندر اور بندر دیو کی حدود تک اور شمال میں قندھار، سیستان، کوہ سلیمان، کردان اور کیکاکان کی حدود تک پھیلی ہوئی تھی [4]۔ محترم بشیر احمد خان نے اپنی کتاب "سندھ کا جغرافیہ" میں لکھا ہے کہ سندھ کے شمال کی طرف راجہ کشمیر کے ملک سے سرحد ملی تھی، جنوب مغرب

---

[1] Abbott, Sind A re-interpretation of the unhappy valley, London 1880, P. 23.

[2] ایضاً، ص6

[3] سید سلیمان ندوی، تاریخ سندھ، ص2

[4] میر محمد معصوم بکھری تاریخ معصومی، اردو مترجم اختر رضوی، سندھ ادبی بورڈ جام شورو، 2006ء، ص12

کی جانب کرمان کا صوبہ اس کا حد فاصل تھا، مغرب کے رُخ کوہستان کردان، جنوب میں بحر عرب اور مشرق میں ریگستان اور ہندوستان واقع تھا۔ ❶

شر رمرحوم فرماتے ہیں کہ سندھ کی اس زمانے کی وسعت کا اندازہ کرنا ہے تو دیکھیے کہ رائے چچ کے عہد میں اس ملک کی حدیں کہاں تک پھیلی ہوئی تھیں: شمال میں دریائے جہلم کے نکاس سے شروع ہوتا تھا اور کشمیر کے نشیبی اضلاع بھی اس میں شامل تھے، وہاں سے کوہستان کابل اس کی سرحد کو مضبوط کرتا ہوا افغانستان کے جنوبی و مشرقی کونے تک لے آیا تھا۔ موجودہ بلوچستان کی سرزمین شروع ہوتے ہی سندھ، مغرب میں دریائے ہلمند اس کی حد بندی کرتا تھا اور جنوب و مغرب میں ایران و سندھ کی سرحد اس مقام پر ملی تھی، جہاں ساحل کے سامنے مکران کا جزیرہ نور منشور واقع ہے ❷۔ جنوب کی طرف بحیرہ عرب لہریں لے رہا تھا۔ پھر اس کے جنوب مشرق میں خلیج ''کچھ'' تھا۔ بلکہ بعض بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ کچھ بھی سندھ کی قلمرو میں شامل تھا ❸۔ یہاں سے مشرقی سرحد شروع ہوتی تھی جو کسی گمراہ بادیہ کی طرح راجپوتانہ اور جیسلمیر کے ریگزار میں ایک غیر متمایز اور گمنامی کی حالت میں شمال کوہستان کے نیچے تک چلی گئی تھی۔ بلکہ قدیم جغرافیہ نویسیوں میں بعض کہتے ہیں کہ

---

❶ بشیر احمد خان، سندھ کا جغرافیہ، ص 9

❷ ابن خرداذبہ کا بیان ہے کہ نور منشور سے دیبل تک آٹھ دن کا راستہ ہے اور دیبل سے دریائے سندھ کے دہانے تک دو دن کی راہ ہے۔ جس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ دریائے سندھ کے دہانے سے مغرب کی طرف دس دن کی مسافت تک سندھ کی قلمرو تھی۔ (عبداللہ بن عبید اللہ المعروف بہ ابن خرداذبہ (م280ھ)، المسالک والممالک، 1/256)

❸ کچھ یا کچھی جسے اُس وقت بدھ، بدھ یا بدھیہ کہا جاتا تھا، ملک سندھ کا ایک بڑا علاقہ تھا، جہاں اکثر صحابہ کرام شہادت پا کر تا ابد سو گئے ہیں، اس کا مکمل تذکرہ آگے آرہا ہے۔

کشمیر بھی سندھ ہی میں داخل تھا۔ خلاصہ یہ کہ ان دنوں شمالی ہند کا سارا مغربی حصہ "سندھ" خیال کیا جاتا تھا۔ مذکورہ حدیں عرب فاتحوں کے عہد تک قائم تھیں۔ [1]

اس ملک کی وسعت کا اندازہ اس سے لگایئے کہ مشرق میں 280 میل، مغرب میں 250 میل، شمال میں 340 اور جنوب میں 260 میل پر محیط تھا [2]۔ اس لیے کہا گیا کہ موجودہ پاکستان کو اس وقت سندھ کہا جاتا تھا۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ میں بھی موجودہ پاکستان کو سندھ لکھا گیا ہے [3]۔ الغرض رسول اللہ ﷺ کے عہد زریں اور پاک اصحاب رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مقدس دور میں آج کے پاکستان کو سندھ کہا جاتا تھا۔ اب اس وقت اس ملک کی جغرافیائی تقسیم کیسی تھی؟

سندھ کی ملکی تقسیم

اس وقت ملک سندھ یعنی موجودہ پاکستان کے پانچ صوبے تھے۔

① برہمن آباد: اس صوبے میں یہ اضلاع شامل تھے؛ نیرون، دیبل، لوہانہ، لکھا، سمہ [4]۔

---

[1] عبدالحلیم شرر، تاریخ سندھ، ص6، دلگداز پریس لکھنؤ، 1907ء

[2] Cunningham , Ancient Geography of India , London 1897, P.748

[3] اردو دائرہ معارف اسلامیہ، دانش گاہ پنجاب لاہور، 23 / 173، طبع ثانی 2006ء

[4] سمہ خاندان نے سندھ میں ایک یادگار حکومت کی، انہوں نے موجودہ صوبہ پختونخوا پر بھی لازوال حکومت کی۔ مردان، صوابی، نوشہرہ اور چارسدہ کو اس وقت انہوں نے اپنے خاندانی نام سے موسوم کیا تھا، آج بھی ان علاقوں کو سمہ کہتے ہیں، چونکہ ان اضلاع میں پہاڑ نہیں ہیں اور اگر ہیں بھی تو بہت کم ہیں۔ پہاڑی سلسلے نہ ہونے کی وجہ سے اکثر زرخیز میدانی علاقوں پر مشتمل ہیں، اس لیے مرور زمانہ کے ساتھ یہ نام "سمہ" ان اضلاع کا مستقل نام پڑ گیا، سولہویں صدی عیسوی کے اوائل میں یوسفزئیوں کی آمد پر اس علاقے کو "علاقہ یوسفزئی" کہا جاتا تھا۔ لیکن اس نے اپنا پرانا نام کھویا نہیں بلکہ آج بھی ان اضلاع سے ☜

② سیوستان: اس کے اہم اضلاع یہ تھے؛ بودیہ، جھنکان، کوہستان روجیان یعنی کوہ پایہ، مکران۔

③ اسکلندہ: یہ صوبہ ان اضلاع پر مشتمل تھا؛ پابیا، تلواریہ، کندھارا، چچ پور [1] اور بدھیہ [2]۔

④ ملتان: اس کے ماتحت یہ اضلاع تھے؛ سکہ، بدھاپور، کرور (کروڑ پکا)، اشہار، کمبھ۔

للہ اوپر پہاڑی علاقوں کے لوگ مذکور چار اضلاع کے اس پورے خطے کو "سمہ" ہی کہتے ہیں۔ گویا اب یہ لفظ بغیر پہاڑ والے حصہ کیلئے استعمال ہوتا ہے۔ کیونکہ پشتو زبان میں اس "سمہ" کا متضاد لفظ "غر" یعنی پہاڑ ہے۔ تاہم مذکور بالا سمہ سے مراد موجودہ سندھ کا میدانی حصہ ہے کیونکہ نیرون اور دیبل سے پتہ چلتا ہے کہ اس صوبے میں پختونوں کا یہ علاقہ شامل نہیں تھا، بلکہ یہ سمہ نام بعد میں یہاں کے اس میدانی حصہ پر پڑ گیا تھا، اُس وقت پختونوں کے اِس علاقے کو کندھارا کہا جاتا تھا اور یہ اسکلندہ کا اہم حصہ تھا۔ جو بعد میں گندھارا سے مشہور ہوا، اس کا پایہ تخت آج کا ٹیکسلا تھا، اور اس کی اہمیت مذہبی لحاظ سے تھی کیونکہ شہباز گڑھی میں بدھ مت کے بانی گوتم بدھ رہ چکے تھے۔ اس لیے بعض حضرات نے اس کو بدھیہ بھی لکھا ہے۔ تاہم اس بدھیہ سے مراد بلوچستان کا کچھی علاقہ ہے جسے اس وقت بدھ یا بدھیہ کہا جاتا تھا۔
(تفصیل کے لیے راقم کی کتابیں تاریخ شہباز گڑھی اور تاریخ صوابی مطالعہ کیجئے گا)

❶ چچ پور جسے آج کل علاقہ چچ کہتے ہیں، یہ بھی راجہ چچ کا گویا دوسرا مسکن تھا، تبھی تو اسے اسی کے نام سے موسوم کیا گیا۔

❷ اس بدھیہ سے مراد بلوچستان کا کچھی گنداوا اور خضدار کا علاقہ ہے جسے اس وقت بدھ یا بدھیہ کہا جاتا تھا۔ اس پر تفصیلی بحث تیسرے باب میں حضرت سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ کے ضمن میں آئیگی کیونکہ یہاں ان کی شہادت ہوئی تھی۔ اور یہی پر ان کی تدفین بھی ہوئی تھی۔

⑤ الور (اروڑ)[1] : یہ سندھ کا پایہ تخت تھا؛ اس کے اضلاع، قیقان، کردان اور نیرباس پر راجہ کی نگرانی رہتی تھی۔[2]

ملحوظ خاطر رہے کہ بعض جغرافیہ نویسیوں اور مؤرخین نے چار صوبے گنوائے ہیں۔

سندھ (پاکستان) کی سیاسی صورتحال

اگر ہم ذرا دیر کے لیے تاریخ سندھ پر ایک طائرانہ نظر دوڑائیں تو معلوم ہو جائے گا کہ گرچہ سندھ میں 5000 ق م میں بھی لوگوں کی آبادی موجود تھی[3]، تاہم سندھ کی حقیقی تاریخ کا آغاز شہنشاہ داریوش اول سے ہوتا ہے جس کا زمانہ 525 ق م سے 486 ق م تک تھا[4]، جب اس نے سندھ کو فتح کرکے ایرانی سلطنت میں شامل کر لیا تھا۔ قریباً دو صدیوں کے بعد 326، 325 ق م میں سکندر اعظم دھاوا بولتا ہوا سندھ سے گزرا۔ گرچہ اسے یہاں سخت مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا تاہم وہ شمال کی جانب سے سندھ میں داخل ہو کر اروڑ (موجودہ روہڑی کے قریب) کے علاقے سے گزرا اور آگے بڑھ کر موجودہ لاڑکانہ کے زرخیز خطے کو فتح کیا۔ پھر سیوھن (سہون) کی قدیم بستی سے ہوتا ہوا وسطی ڈیلٹائی شہر پٹالا سے گزرا اور جنوب میں ساحلی بندرگاہ باربریکان میں منزل انداز ہوا۔ بالآخر سندھ سے گدروشیا (مکران) کے خشکی کے راستے بابل روانہ ہوا۔ سکندر کی وفات کے بعد سندھ سیلوکن نکیتر، چندر گپت، موریا، باختری، یونانیوں،

---

[1] الور (اروڑ) ساتویں صدی ہجری میں دریا کے رُخ پھیر لینے سے ویران ہو گیا۔ اب اس سے ذرا فاصلہ پر دوسرا شہر روہڑی آباد کیا گیا ہے۔ (تاریخ سندھ از سید سلیمان ندوی، ص 12)۔

[2] سندھ کا جغرافیہ از بشیر احمد خان، ص 10

[3] Ancient Trade in Pakistan, Article by Sir Wheeler, Pakistan Miscellany, Karachi 1958, P.12.

[4] Ancient Trade in Pakistan, Article by Sir Brown in Pakistan Miscellany, Karachi 1958, P.22

پھارتیوں، ستھیوں اور کوشانوں کے زیر تسلط رہا۔ 273ق م تا236ق م تک موریہ کی یادگار حکومت تھی [1]۔ 236 تا200ق م تک ساسانی دور تھا [2]۔ پھر کوشانوں کا دور تقریباً تین صدیوں پر مشتمل تھا۔ یعنی 100 ق م تا200ء تک انہوں نے سندھ پر حکومت کی، کوشاں فرمانروا کنشک (78ء تا100ء) کے زیر اثر سندھ نے بدھ مت قبول کرلیا۔ تیسری سے ساتویں صدی عیسوی تک سندھ پھر سے ساسانیوں کے زیر اثر رہا (اگرچہ ھیاطلہ اور سفید ہنوں نے پانچویں صدی عیسوی کے اواخر میں ایک مختصر عرصے کے لیے اقتدار قائم کیا تھا، تاہم وہ برقرار نہ رکھ سکے)۔ چھٹی صدی عیسوی میں جبکہ ایران پر ساسانی بادشاہ نوشیروان عادل کی بادشاہت تھی جو کہ ''شاہِ ایران وہندو سندھ'' کے لقب سے مشہور تھا [3]، سندھ میں مقامی سمہ قبائل کے ''رائے خاندان'' کی مستقل حکومت قائم ہوئی۔ رایان سمہ ایرانی شہنشاہوں سے منسلک تھے۔ ساتویں صدی میں ایک غیر ملکی برہمن پنڈت چچ بن سیلائج نے سندھ میں رایان سمہ کی چھٹی کراکے خود تخت نشین ہوا۔ یہ سن عیسوی کے حساب سے 622اور ہجرت نبوی ﷺ کا پہلا سال تھا [4]۔ مؤرخین سندھ جن میں مسٹر ہنٹر، مولوی ذکاءاللہ، مسٹر ایلیٹ، عبدالحلیم شرر، بشیر احمد خان، سید سلیمان ندوی، ابو ظفر ندوی اور اعجازالحق قدوسی ممتاز ہیں، ان سب نے صاحب چچ نامہ، بلاذری، ابن خردازبہ، یعقوبی، مقدسی، ابن کثیر اور بکری اندلسی وغیرہ مؤرخین کے حوالے سے لکھا ہے کہ دور رسالت ﷺ اور عہد صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سندھ پر چچ بن سیلائج، چندر اور راجہ داہر کی حکومت

---

1. Dr A. H. Dani, A Short History of Pakistan , Karachi 1967, 1/42
2. Smith Oxford, The Oxford History of India, oxford University Press, 1964, P.190.
3. ایضاً، ص38
4. اردو دائرہ معارف اسلامیہ، دانش گاہ پنجاب لاہور، جلد 11 / ص346-347، طبع ثانی2006ء

تھی، عجیب اتفاق تھا کہ جس برس رسالت مآب ﷺ نے مدینہ ہجرت کی، اسی سال یعنی ہجرت کے پہلے سال بمطابق 622ء یہاں سندھ (موجودہ پاکستان) میں ہندو راجہ چچ تخت نشین ہوا اور خدا کا کرنا کہ اس نے اُسی برس وفات پائی جس سال مسلمانوں کے آخری خلیفہ راشد حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے وصال فرمایا۔ یعنی پورے 40 برس تک وہ سندھ (پاکستان) پر حکومت کرتا رہا، اس کے بعد یہاں سندھ کی عنان حکومت راجہ چچ کے وارث اس کے بھائی راجہ چندر نے سنبھالی اور جب 8 سال بعد یعنی 48ھ / 668ء میں راجہ چندر نے وفات پائی تو اس کا بھتیجا اور راجہ چچ کا بیٹا راجہ داہر سلطنت سندھ کا اکلوتا حکمران بن بیٹھا جو 93ھ / 712ء تک سندھ پر بلا شرکت غیرے حکومت کرتا رہا۔ پھر محمد بن قاسم نے اسے شکست دے کر یہاں پر باقاعدہ اسلامی حکومت کی بنیاد رکھی تھی[1]۔ بہر حال رائے چچ نے سندھ پر 40 سال تک یادگار حکومت کی، خلیفہ ثانی امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں جب دیبل (یعنی موجودہ کراچی کے آس پاس) کے راستے پہلا عرب حملہ ہوا تو اس وقت یہاں اسی راجہ چچ کی حکومت تھی، پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عہد میں بھی جتنے حملے سندھ پر ہوئے، تو یہاں سندھ کا بادشاہ یہی راجہ چچ ہی تھا، اور جس سال خلفاء راشدین کے سنہری دور کا خاتمہ ہوا، عین اسی برس چچ کے دور کا بھی اس کی موت کی وجہ سے خاتمہ ہوا۔

---

[1] عبد الحلیم شرر، تاریخ سندھ، ص 59، دلگداز پریس لکھنؤ، 1907ء۔

مرحوم شرر صاحب نے یہ بھی لکھا ہے کہ ان برہمنوں کی کل حکومت 82 سال تھی لیکن درحقیقت یہ عرصہ 93 برس کا بنتا ہے جیسا کہ اوپر تفصیل سے ذکر ہوا۔ اور یہ بھی یاد رہے کہ یہ صرف تین حکمران تھے، چچ، چندر اور داہر۔

40 ہجری میں عرب میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے امیر منتخب ہوئے لیکن حضرت امام موصوف صرف چھ مہینے کے لیے امارت کے عہدہ پر فائض رہے، بعد ازاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی، مکہ کے سردار ابو سفیان رضی اللہ عنہ کے بیٹے اور کاتب وحی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ عرب کے تاجدار بن گئے۔ ادھر سندھ میں راجہ چچ کے بعد اس کا بھائی چندر حاکم سندھ بنا۔ گرچہ سندھ یعنی پاکستان پر عرب حملوں کا آغاز چچ کے دور میں ہو چکا تھا، تاہم راجہ چندر کے وقت میں جب عرب کی عنان حکومت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں میں تھی، سندھ پر باقاعدہ حملوں کا سلسلہ شروع ہوا، اور کئی ایک نامور صحابہ یہاں پاکستان وارد ہوئے، جن میں حضرت مہلب بن ابی صفرہ عتکی رضی اللہ عنہ اور سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ جیسے فاتحین شامل ہیں، جیسا کہ تفصیل آگے آئے گی انشاء اللہ۔ راجہ چندر نے 8 سال بعد وفات پائی تو اس کا بھائی چچ کا بیٹا راجہ داہر سندھ کا حکمران بنا اور تقریباً نصف صدی تک سندھ پر حکومت کرتا رہا۔ ادھر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے قریباً 20 سال تک 64 لاکھ مربع میل پر بے مثال حکومت کی، 60ھ میں ان کی وفات کے بعد ان کا بیٹا یزید بن معاویہ (م 64ھ) اموی تخت نشین ہوا، اس کے دور میں آخری صحابی حضرت منذر بن جارود رضی اللہ عنہ سندھ آیا، انکے بعد تابعین کا دور شروع ہوتا ہے اور اسی سنہری دور میں مشہور تابعی حضرت محمد بن قاسم ثقفی نے بالآخر سندھ فتح کر کے اس پر اسلام کا نام مستقل کندہ کر دیا۔ ہوا کچھ یوں کہ اس وقت چونکہ سندھ پر ہندو راجہ داہر کی حکومت تھی۔ راجہ داہر مزے سے حکومت کر رہا تھا کہ 59ھ میں اسی کے ایک ماتحت راجہ انمل نے اس سے بغاوت کی اور اسی ہزار (80000) کا لشکر جرار لے کر دار السلطنت الور (اروڑ) پر دھاوا بول دیا۔ اتفاقاً تھوڑے عرصے پہلے ایک عرب سردار محمد علافی، جس نے عبد الرحمان بن اشعث کو قتل کر کے اسلامی حکومت

سے بغاوت کی تھی اور سندھ میں آکر پناہ گزیں ہو گیا تھا، اس نے راجہ داہر کے ہاتھوں پھسلتی ہوئی حکومت سنبھالی اور اسے ایک بہت بڑی مصیبت سے بچالیا۔ وہ ایسے کہ جب راجہ انمل فوج لے کر دارالحکومت کے قریب خیمہ زن ہوا تو اس دوران راجہ داہر بہت ہی پریشان تھا اور اس پریشانی کو دور کرنے کے لیے اس نے اپنے وزیر خاص سے مشورہ طلب کیا۔ وزیر واقعی بڑا دانا تھا، اس نے راجہ داہر کو فوراً یہ مشورہ دیا کہ اہل عرب چونکہ نہ صرف میدان جنگ کے ماہر ہیں بلکہ یہ سیاست کے مدوجزر سے بھی بخوبی واقف لوگ ہیں لہٰذا تم عرب لیڈر محمد علافی سے ملاقات کر لو، وہ ضرور اس مصیبت کا کوئی حل تلاش کر کے دیدے گا۔ محمد علافی اپنے اہل و عیال اور اپنے قبیلے کے پانچ سو سواروں کے ساتھ وہاں رہ رہا تھا۔ راجہ داہر اسی وقت محمد علافی کے پاس چلا گیا اور اپنی پریشانی اس پر ظاہر کر دی۔ محمد علافی نے ماجرا سن کر کہا کہ تم سب سے پہلے ایک میل کے فاصلے پر ایک خندق کھود کر وہاں ٹھہر جاؤ اور مجھے کچھ فوج دے دو تاکہ میں ان کا حال معلوم کر کے کوئی تدبیر کر سکوں، راجہ داہر نے اس پر فوراً عمل کیا۔ ادھر محمد علافی نے معلوم کیا کہ یہ لوگ رات کے وقت کوئی تدبیر نہیں برتتے اور غافل رہتے ہیں، لہٰذا اس نے موقع پا کر اپنے ساتھ 500 سپاہیوں کا لشکر لے کر رات کے وقت شب خون مارا، اور اس شدت سے حملہ آور ہوا کہ انمل کی فوج بے تاب ہو کر بھاگ نکلی، ہزاروں مارے گئے اور ہزاروں گرفتار ہوئے اور پچاس ہاتھی بھی اہل عرب کے ہاتھوں لگے [1]۔ اس حملے نے اگر ایک طرف راجہ داہر کے سر سے ایک بڑا خطرہ دور کر دیا، تو دوسری طرف سندھ کے مقامی لوگوں، بالخصوص داجہ داہر پر اہل

---

[1] فتح نامہ سندھ عرف چچ نامہ، علی المدائنی، مترجم اختر رضوی، ص 99-100، سندھ ادبی بورڈ جام شورو، 2008ء

عرب کی جنگی صلاحیت اور سیاسی فوقیت بھی ظاہر کر دی۔ بہر کیف اس وقت راجہ داہر اس غیر متوقع مدد سے بے حد خوش ہوا اور عرب کی بڑی عزت افزائی کی۔ اس کے بعد وہ کسی قسم کے داخلی انتشار سے کبھی دوچار نہیں ہوا، حتی کہ ایک خونریز جنگ کے بعد یکم رمضان 93ھ بمطابق 712ء کو سندھ کا مہاراجہ داہر مارا گیا اور یوں ملک سندھ (موجودہ پاکستان) عرب مسلمانوں کے قبضہ میں آ گیا۔

سندھ کی مذہبی صورتحال

سندھ کی تاریخ پر لکھی گئی سب سے اولیں اسلامی اور مستند تاریخ، جو کہ عام طور سے چچ نامہ سے مشہور ہے اور جس کے دوسرے نام تاریخ الہند والسند اور منہاج المسالک ہیں[1]، کے مطابق مذہبی لحاظ سے اگر اس وقت کے سندھ کا جائزہ لیا جائے تو یہ کہنا بے جا نہ ہو گا کہ ملک سندھ پر ہندو مت، جین مت اور بدھ مت کا راج تھا۔ ان تینوں مذاہب میں ہندو مت سب سے قدیم مذہب ہے جو کہ 2000 اور 1500 ق م کے مابین رائج ہوا۔ پھر جین مت چھٹی صدی قبل مسیح کے اواخر میں یہاں ایک نئے مذہب کی حیثیت سے متعارف ہوا۔ اور کوشاں فرمانروا کنشک (78ء تا 100ء) کے زیر اثر سندھ نے بدھ مت قبول کر لیا تھا[2]۔ اور پھر بدھ مت نے ترقی کر کے شاہی مذہب کی حیثیت اختیار کر لی تھی۔ محمد بن قاسم کے حملے کے وقت بھی دیبل شہر میں بدھ مت کا ایک یادگار ستوپا بنا تھا، اسی مندر کی مناسبت سے اسے دیول اور پھر بعد میں دیبل کہا جاتا تھا، یہاں پر بدھ مت کی باقاعدہ تعلیم دی جاتی تھی۔

---

[1] یہ کتاب تقریباً 150ھ کے لگ بھگ لکھی گئی ہے، اس کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔

[2] اردو دائرہ معارف اسلامیہ، دانش گاہ پنجاب لاہور، جلد 11 / ص 346، 23/173، طبع ثانی 2006ء

جین مت کی بہ نسبت ہندو اور بدھ مت نے یہاں سندھ میں بہت فروغ پایا اور انہی دونوں مذاہب کی آپس میں اکثر ان بَن کی وجہ سے ایک نئے اور عالمگیر مذہب اسلام کے لیے راہ ہموار ہوئی۔ جس وقت اسلام کا سورج طلوع ہوا تو اس وقت سندھ میں ہندو مذہب مُلک سندھ کا شاہی مذہب تھا۔ ظاہر ہے بادشاہِ وقت کا مذہب ملکی اور شاہی مذہب گردانا جاتا تھا کہ وہ اسی کو فروغ دیتا تھا تبھی تو راجہ ساہسی رائے کے حکم سے اس کے دربار کے خاص الخواص اور معتمد بہ رام حاجب [1] نے ایک منجھے ہوئے ہندو پنڈت کو اپنے ہاں دربار میں خاص منصب پر براجمان ہونے کے لیے تگ و دو کی اور بالآخر کامیاب ہو کر اس نے ایک پنڈت کا بیٹا پیدا کر کے اسے دربار بلالیا، اس کا نام پنڈت چچ تھا جو کہ پنڈت سیلائج کا بیٹا تھا۔ راجہ چچ جو کہ خود ایک مذہبی گھرانے سے تعلق رکھتا تھا، یہی برہمن چچ جب دیول سے یہاں وارد ہوا تو اس نے ایک مانے ہوئے ہندو پنڈت کی حیثیت سے سندھ کے راجہ کے دربار میں اپنی جگہ بنائی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ چچ کو قسمت نے بھی بڑا ساتھ دیا، تاہم چچ اپنے وقت کا ایک مسلّم عالم اور اپنے مذہب کا علامہ وقت تھا، اس کی شہرت اسی علمی عظمت سے ہوئی تھی اور اسی علمی مقبولیت نے اسے شاہی دربار تک پہنچایا تھا۔ چچ نے راجہ ساہسی رائے کے دربار میں اپنا تعارف یوں کیا تھا؛

---

[1] یہ راجہ کا خاص، اقرب اور انتہائی معتمد بہ آدمی تھا کیونکہ یہ بڑا ہی عاقل، ہوشیار اور دانا انسان تھا، اس کی فضیلت و دانائی کا اثر راجہ کی ساری قلمرو پر تھا، وہ دربار پر اس قدر حاوی تھا کہ بلادِ سلطنت میں اس کی اجازت کے بغیر نہ کوئی راجہ کی ملازمت میں داخل ہو سکتا تھا اور نہ ہی بغیر اس کی منظوری کے برطرف کیا جاتا تھا۔ دربار کے سارے لائق فائق وزیر مشیر اور پنڈت اس کے سامنے مؤدب بیٹھے رہتے تھے۔ (چچ نامہ، ص145)

میر انام چچ ہے اور میں راہب سیلائج کا بیٹا ہوں، میر ابھائی چندر اور میر اباپ شہر ارور کے مضافات کے ایک مندر (دیول ❶) میں عبادت میں مشغول رہتے ہیں اور

---

❶ دیول گرچہ دیبل کا بگڑا ہوا تلفظ بھی ہے تاہم دیول نامی جگہ صوابی کے علاقہ گدون میں بھی واقع ہے، دیول کے معنی سے معلوم کیا جاسکتا ہے کہ اُس وقت دیول میں ایک بہت بڑا ہندو مندر موجود تھا، تبھی تو ہندو مت کے پر تشدد پیروکار رام حاجب صاحب جو کہ شاہ سندھ راجہ ساہسی رائے کے دربار کا اہم ترین پنڈت تھا، اس نے دیول کے اس مشہور مندر سے سب سے بڑے ہندو پنڈت چچ کو اپنے دربار بلایا تھا، جہاں قسمت نے چچ سے یاوری کر کے اسے تخت پر بٹھایا، جس نے پھر اپنے بھائی چندر کو بھی دیول سے بلایا اور اپنا جانشین مقرر کر دیا۔ پشاور کے عجائب گھر میں ایک پتھر موجود ہے جو کہ 651ء میں دریافت ہوا تھا ،یعنی ابھی آپ ﷺ کے دنیا سے گئے ہوئے انیس برس ہوئے تھے، راجہ چچ کا زمانہ تھا، جس کو اپنے گاؤں اور علاقے میں پانی کی قلت کا بخوبی اندازہ تھا تبھی اسی نے یہاں کے مقامی راجہ سہاسپا کو حکم دیا کہ یہاں ایک کنواں کھودا جائے، اس نے حکم کی تعمیل کی اور یوں کنواں کھودا گیا، آج بھی وہ تاریخی کنواں دیول میں موجود ہے، پشاور عجائب گھر میں کتبہ نمبر 2 پر شادرازبان میں یہ تحریر کندہ ہے کہ "651ء میں ایک شخص کولا سنکا (کنواں کھودنے کے ماہر) نے سہاسپا راجہ کے حکم پر ایک کنواں کھودا تھا کہ کیپسو نامی ملک کے رہنے والوں کو پینے کا پانی مہیا ہو۔ ریکارڈ میں لکھا ہے کہ یہ پتھر گدون کے دیول نامی گاؤں سے ایک انگریز ایل میفی نے برآمد کر کے عجائب گھر کو دیا تھا۔ (تاریخ وادی گدون از ضیاء جدون ص207) کئی حضرات نے غلطی سے اس دیول کو دیبل لکھا اور سمجھا ہے حالانکہ یہ دو الگ مقامات تھے ہاں البتہ کئی ایک نے دیبل کو بھی دیول لکھا ہے جیسا کہ سید سلیمان ندوی نے اپنی کتاب تاریخ سندھ میں بھی دیول ہی لکھا ہے (تاریخ سندھ ص 13)۔ پختونوں کے مشہور محقق قاضی عبدالحلیم اثر افغانی (م1987ء) نے ایک تحقیقی کتاب بنام " دیول سے دیبل تک " لکھی تھی لیکن افسوس کہ وہ اب مکمل ناپید ہے، اس میں انہوں نے دیول اور دیبل کے مابین روابط اور ان دونوں مقامات کی اہمیت پر سیر حاصل تبصرہ کیا ہے کہ دیبل سے دیول کتنا فاصلہ تھا نیز ان دنوں مقامات کا آپس میں کیا تعلق تھا اور واضح طور پر لکھا ہے کہ دیول نامی جگہ پر اب قوم جدون آباد ہے اور یہ جگہ صوابی سے شمال کی جانب واقع ہے۔ اس دیول اور دیبل کا آپس میں ایک مذہبی و سیاسی تعلق تھا۔ یہ بات انہوں نے "حیات صدر المدرسین" کے مقدمہ میں لکھی ہیں۔ مذکور کتاب مولانا ابراہیم فانیؒ نے اپنے والد مولانا عبد الحلیم زروبویؒ پر لکھی ہے، جو کہ دار العلوم حقانیہ اکوڑہ ☜

ساہسی رائے اور رام حاجب کے حق میں دعائیں کرتے ہیں........ مجھے چاروں وید رگ، اتھر، یجر اور سام یاد ہیں [1]۔

چچ نہ صرف عالم تھا بلکہ ایک خوبرو لڑکا بھی تھا۔ اس کی خوبصورتی، علمی اور سیاسی عظمت کی وجہ سے راجہ ساہسی رائے کی رانی سوہن دیوی، برہمن چچ پر فریفتہ ہو گئی تھی اور اسی کی اعانت سے یہ راجہ ساہسی رائے کے بعد چچ سندھ کا راجہ بنا۔ چچ نامہ میں اس طرح لکھا ہے کہ ایک دن راجہ اور رانی دونوں محل میں تھے کہ چچ ایک ضروری کام سے راجہ سے ملنے کا خواہاں ہوا، تو راجہ نے رانی کو ایک طرف ہونے کا کہا لیکن اس نے اصرار کیا کہ راجہ پر میری ہزار جانیں قربان، آپ جیسے شوہر رکھتے ہوئے بھی بھلا وہ کیسے کسی اجنبی کو توجہ دے سکتی ہے لیکن جب پہلی بار رانی نے چچ کو دیکھا تو چونکہ چچ ایک خوبصورت، متناسب الاعضاء، وجیہ شباہت اور سرخ رخساروں والا نوجوان تھا۔ رانی نے جب اس کی دلکش صورت اور قد و قامت دیکھی تو اس پر دل و جان سے عاشق و مفتون ہو گئی۔ اور اس کی شکل و صورت اور سج دھج پر فریفتہ ہو گئی، اس کے حسن کلام اور دلکش اداؤں پر دل ہار بیٹھی [2]۔ لہٰذا جب چچ راجہ ساہسی رائے مر گیا تو اس کی جگہ

لطیف خٹک (نوشہرہ، پختونخوا) کے شعبہ تحقیق و تصنیف "ادارہ مؤتمر المصنفین" نے طبع کی ہے، اس کے مقدمہ میں قاضی صاحب موصوف نے زروبی کی تاریخ پر ایک محققانہ تبصرہ لکھا ہے، اسی میں مذکورہ بات لکھی ہے کہ میں نے اس پر ایک کتاب لکھی ہے۔ راقم نے بہت کوشش کی کہ یہ کتاب کہیں سے مل جائے لیکن تاحال ناکام ہوں۔ ہاں یہ بھی ممکن ہے کہ مذکور دیول سے مراد دیبل ہی ہو کیونکہ اس میں مضافات ارور کے الفاظ سے ایسا لگتا ہے۔ لیکن چونکہ صوابی والے لاہور کا اُس وقت کا نام بھی ارور آیا ہے تو اس لیے دیول (گدون) بھی امکان رکھتا ہے اور اس سے وہی مراد لیا گیا۔ واللہ اعلم

[1] چچ نامہ، ص 61

[2] ایضاً، ص 61

سندھ کے تخت پر چچ متمکن ہوا اور رانی نے اس کے ساتھ پھر شادی کر لی۔ تب راجہ چچ نے گویا بودھ مت کو سندھ سے مٹانے کی ٹھان لی کہ جو بھی اس مذہب کے ماننے والے تھے انہیں یا تو خود مار دیا، یا آپس میں مروایا اور یا پھر بزور بازو انہیں اپنا باجگزار بنا دیا[1]۔ لیکن اس کی موت کے بعد جب اس کا بھائی چندر تخت نشین ہوا تو وہ چونکہ خود بدھ مت کا نہ صرف ماننے والا تھا، بلکہ اس کا ایک پُرجوش پیرو اور پُرزور داعی بھی تھا، اس لیے اس نے اپنے بھائی کی طرح ہندومت کے بجائے بدھ مت کی پرچار شروع کر دی۔ اور ان لوگوں کو جو کہ چچ کے ڈر سے بدھ مت چھوڑ چکے تھے، انہیں پھر سے بزور بدھ مت میں واپس لایا۔ اس رویے پر ہندو برہمنوں نے سر اٹھایا لیکن وہ ایسے ہی ناکام ہوئے جس طرح ان سے پہلے چچ کے وقت بودھ کے ماننے والے ناکام ہو چکے تھے۔ تاہم ان کی خوش قسمتی کہ راجہ چندر صرف آٹھ برس کے بعد وفات پا گیا اور پھر چچ کا بیٹا راجہ داہر بادشاہِ سندھ بنا، یہ بھی اپنے والد کی طرح ہندو برہمن تھا، اس لیے اس نے پھر سے بودھیوں کا برا حال کر دیا، اور اس دوران مسلمان سندھ کی طرف رُخ کر چکے تھے۔ جس وقت یہاں سندھ میں بدھ مت اور ہندومت کے مابین چپقلش زوروں پر تھی، دریں اثناء اسلامی فوجیں سندھ پر حملہ آور ہو چکی تھیں اور خاص اسی کمزوری کی وجہ سے سندھ راجہ داہر کے ہاتھوں سے نکل گیا۔ ہاں یہ بھی مانتے ہیں کہ مسلمانوں کے ساتھ الٰہی مدد شاملِ حال تھی لیکن سیاسی نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو یہ نکتہ بھی قابل غور ہے کہ اس شکست کے پیچھے سندھیوں کی آپس میں وہ ناچاقیاں تھیں، جن کی وجہ سے ان کی اجتماعی قوت ختم ہوئی، قرآن نے بھی اسی نکتہ پر زور دیا ہے کہ اگر مسلمان

---

[1] ایضاً، ص 142

بھی آپس میں اسی طرح اختلاف کریں گے تو ان کی ہوا اکھاڑ دی جائیگی، جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ دشمن ان پر غالب آجائے گا۔ اور آج کی صورتحال کسی سے چھپی نہیں ہے۔

سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ چند ہزار عربوں کی فوج جو دور دراز راستوں سے آئی ہو، ایک ہی حملہ میں اس ملک پر کیونکر قابض ہوگئی۔ سندھیوں کی شکست بھی میرے نزدیک اسی ایک سبب کا نتیجہ ہے، جس کے ذریعے سے دنیا میں ہر قوم دوسری قوم کی محکوم بنی ہے۔ عربوں کے بیانات سے قطعی طور پر یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس وقت پہلی صدی ہجری کے آخر اور آٹھویں صدی عیسوی کے اول میں سندھ میں بدھ مذہب کا رواج تھا[1]۔

سندھ کے مشہور شہر:

عرب و عجم کے مستند، مشہور و مقدمین جغرافیہ دان، مؤرخین اور سیاح حضرات میں علی مدائنی (م225ھ)، امام بلاذری (م279ھ)، ابن خردازبہ (م280ھ)، امام دینوری (م28ھ)، یعقوبی (م292ھ)، بزرگ بن شہریار (م300ھ)، مسعودی (م303ھ)، ابن حوقل (م331ھ)، اصطخری (م340ھ)، مجہول (م372ھ) اور مقدسی بشاری (م380ھ) وغیرہ حضرات نے اُس وقت کے سندھ کو مشہور شہریوں گنائے ہیں[2]: برہمن آباد، اگھم، سکہ (ملتان کے قریب ایک شہر)، تاکیہ، برہم پور،

---

[1] عرب و ہند تعلقات، ص12

[2] واضح رہے کہ اس میں ترتیب کا الزام نہیں بلکہ محض سندھ کے اس وقت کے مشہور شہروں کے نام لکھے گئے ہیں۔

اشہار[1]، ہند مند (ہلمند، افغانستان)، سناروذ، زالق[2]، قیقان (قلات)[3]، بنہ (بنوں)، الاھوار (الور، لاہور، صوابی)[4]، مکران، مید، کندھار (قندھار یا گندھارا[1])، قصدار

---

[1] چچ نامہ المعروف فتح نامہ سندھ، ص 61

[2] احمد بن اسحاق المعروف بہ یعقوبی (م 292ھ)، البلدان، 1 / 103، دار لکتب بیروت 1422ھ

[3] ابو حنیفہ احمد الدینوری (282ھ)، اخبار الطوال، 1 / 255، دار احیاء الکتب قاہرہ، 1960ء

[4] یہاں دو باتیں قابل غور ہیں؛ ایک، ارور لاہور کا پرانا نام تھا، جو کہ مرور زمانہ کے ساتھ ارور سے الور، الاور، الاہور اور پھر لاہور ہوا۔ دوم، اس سے مراد صوابی والا لاہور ہے نہ کہ پنجاب والا۔ پنجاب یونیورسٹی سے چھپی نہایت تحقیقی خزانہ "اردو دائرہ معارف اسلامیہ" میں بھی اسی لاہور کو قدیم کہا گیا ہے، لیکن شاید انہیں اس لاہور کی زیادہ معلومات نہ تھیں اس لیے انہوں نے لکھا ہے کہ بلاذری نے جس لاہور کا ذکر کیا ہے، یہ شاید اٹک اور ویہند (ہنڈ، صوابی) کے درمیان واقع ایک "چھوٹا سا گاؤں" تھا۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ، دانش گاہ پنجاب لاہور، جلد 16 / ص 1، طبع ثانی 2006ء)۔ ایک تو یہ اٹک اور ہنڈ کے درمیان میں نہیں بلکہ قریب ہے اور دوسری بات یہ کہ یہ اب گاؤں ہے، اُس وقت سے لیکر محمود غزنوی کے آنے تک یہ ایک بڑا شہر تھا، سنسکرت کے بانی پانینی (400ق م) کا تعلق بھی اسی لاہور سے تھا جسے سلاتورا بھی کہا جاتا تھا (راقم نے تاریخ صوابی میں اس پر سیر حاصل بحث کی ہے)، افسوس کہ اردو دائرہ معارف میں یہ بھی صریح غلطی موجود ہے کہ انہوں نے سلاطورا کو بھی پنجاب والے لاہور سے منسوب کیا ہے جو کہ صرف انہی کی اختراع ہے (11 / 371)۔ دوسری صدی ہجری میں لکھی گئی مستند کتاب چچ نامہ سے اس بات کا پتہ چلتا ہے، یہ بھی ممکن ہے کہ چچ جب یہاں سے جاکر سندھ کے تخت پر مستند آراء ہوا تو اس نے وہاں اپنے گاؤں، شہر اور علاقے کے نام سے وہاں بھی دیول، الور (لاہور) اور بودھ نامی شہر آباد کرائے جو بعد میں بودھ پور، اروڑ یا لاری (جسے بعض حضرات نے لاہوری بھی لکھا ہے) اور دیبل سے مشہور ہوئے۔ اس کی مثال ایسی ہی ہے کہ جب افغانستان سے حملہ آور خیبر کے راستے موجودہ پختونخوا آئے اور یہاں کے مشہور اور بڑے شہر لاہور کو اپنے زیر کیا تو اسی لاہور کے سیاسی عمائدین کو اپنے زیر کر کے وہ حملہ آور آگے بڑھے اور پنجاب میں اسی نام سے ایک اور شہر لاہور کے نام سے آباد کیا، صرف اسی پر بس نہیں بلکہ یہاں کے قصبہ گجرات کے نام سے پنجاب کے علاوہ ہندوستان میں بھی ایک شہر آباد کرایا، صوابی کے گوہاٹی کے نام سے بھی ہند میں ایک شہر آباد کرانا بھی اسی کی تائید کرتا ہے۔ لاہور کے ایک مؤرخ مولانا میر سید ☜

(خضدار)، قندابیل (جھل مگسی)، فنزبور (پنجگور)، ارمابیل (لسبیلہ)، دیبل (قرب کراچی ❷)، قنبلی، کبنایا، سیوان (سہون)، سندان (سنجان، بمبئی ❸)، مندی، سدوسان، راسک، نیرون (حیدرآباد)، الرور (اروڑ، روھڑی)، ساوندری، مولتان

لالہ بخاری، جو کہ عربی، فارسی، پشتو، اردو، پنجابی، سنسکرت، ہندی اور دیگر کئی زبانوں کے ماہر تھے، انہوں نے دو بہت ہی قابل مطالعہ تحقیقی کتابیں لکھی ہیں، "تاریخ لاہور" جس میں انہوں نے مدلل باتیں کر کے ثابت کیا ہے کہ کونسا لاہور قدیم ہے۔ اور دوسری کتاب "تاریخی لغزشیں" ہے، جس میں انہوں نے مؤرخین کی تاریخی لغزشوں پر گرفت کی ہے۔ لاہور کی قدامت کا اندازہ اس بات سے لگالیجئے کہ سنسکرت زبان کے بانی مبانی "پانینی" اسی صوابی والے لاہور کے رہنے والے تھے جو کہ تین سو قبل از مسیح میں ہو گزرا ہے جس کا اعتراف اردو دائرہ معارف میں بھی موجود ہے۔

❶ عام مؤرخین نے اس سے مراد افغانستان کا علاقہ قندھار لیا ہے لیکن محقق قاضی اطہر مبارک پوری نے اس سے گندھارا مراد لیا ہے (عرب و ہند عہد رسالت ﷺ میں، ص16، فرید بکڈپو دہلی 2004ء)۔ اس کا پایہ تخت ٹیکسلا تھا اور جس کا رقبہ پنجاب کے دو اضلاع راولپنڈی اور اٹک سمیت پرانے سرحد پر محیط تھا، آج کل اسے صوبہ خیبر پختونخوا کہتے ہیں، المختصر انگریزی دور یعنی 1893ء میں اس کا جو رقبہ تھا، اُس وقت یہ صوبہ پشاور تھا، جو 1901ء میں صوبہ سرحد اور 2011ء میں صوبہ خیبر پختونخوا بنا۔ بہر حال ڈیورڈ لائن تک جو علاقہ تھا، اسے گندھارا کہا جاتا تھا۔ قاضی صاحب کی بات اس لیے ٹھیک معلوم ہوتی ہے کہ مشہور سیاح مسعودی (م303ھ) نے جہاں سندھ کے دوسرے مقامات کا ذکر کیا ہے وہاں یہ بھی لکھا ہے کہ قندھار (گندھارا) میں درھبوط قوم رہتی ہے۔ (مروج الذہب و معاون الجوہر ص 34)۔ علامہ سید سلیمان ندوی نے مذکور قوم کو راجپوت ظاہر کیا ہے اور اس پر تعجب بھی کیا ہے، (عرب و ہند تعلقات ص 22، مشعل بکس لاہور، 2004ء) حالانکہ اس میں تعجب کی کیا بات ہے؟ کیونکہ راجپوت لوگ ادھر گندھارا میں رہتے تھے نہ کہ قندھار میں، عربی میں چونکہ لفظ "گ" موجود نہیں ہے اس لیے عرب مؤرخین و جغرافیہ دانوں نے گندھار کو بھی قندھار لکھا، جس سے بعد کے مؤرخین ڈبل مائنڈ ہوئے۔

❷ دیبل پر تفصیلی بحث آگے آرہی ہے۔

❸ قاضی اطہر مبارک پوری (م1996ء)، عرب و ہند عہد رسالت ﷺ میں، ص16، فرید بکڈپو دہلی 2004ء

(ملتان)، بیلمان (بھیلمان، گجرات)، سرست، کیرج، مرمد، فالی (پالی، جوناگڑھ)، بروص (بڑوچ)، دھینج (گجرات)[1]، کیز (تربت)[2]، بدھ (کچی)، بولان، بھلبرہ، قسوان، دیول (گدون)، کیجکانان، شورو، ابل[3]، ویہند[4] (ہنڈ، صوابی[5])، لوہارانی، طوران، بدھہ، منصورہ (بھکر)[6]، سوبارہ، ٹھٹھہ اور کشمیر زیریں (ہزارہ)[7]۔

---

1. عبد اللہ بن عبید اللہ المعروف بہ ابن خرداذبہ (م280ھ)، المسالک والممالک، 1/56، دار صادر لیدن بیروت، 1889ء
2. ابو اسحاق ابراہیم بن محمد فارسی اصطخری (م340ھ)، المسالک والممالک، دار صادر بیروت 2004ء، ص170
3. مجہول (م372ھ)، البلدان والجغرافیات الی المغرب، 1/139، دار الثقافیہ قاہرہ 1423ھ
4. مقدسی بشاری (380ھ)، احسن التقاسیم فی معرفۃ الاقالیم، 1/349، دار صادر بیروت 1402ھ
5. ضیاء اللہ خان جدون، تاریخ صوابی، ص123، افغان ریسرچ سنٹر لاہور، 2015ء
6. محمد بکری اندلسی (م487ھ)، المسالک والممالک، 1/270، دار المغرب الاسلامی 1992ء

منصورہ شہر دوسری صدی ہجری کے اوائل میں محمد بن قاسم کے بیٹے عمرو نے بنوایا، علامہ بکری اندلسی کا خیال ہے کہ اسے ھبار بن اسود کی اولاد میں منصور بن جمہور (عامل بنو امیہ) نے بنایا (المسالک والممالک، 1/270)۔ عین ممکن ہے کہ عمرو بن محمد بن قاسم کے حکم سے منصور نے اپنے نام سے یہ شہر بنایا ہو، اور بدھیہ یا بدھہ کے متعلق مؤرخین کی رائے ہے کہ یہ ایک بڑا علاقہ تھا جو سوات سے لیکر جھل مگسی اور سبی تک پھیلا ہوا تھا۔ (ابو ظفر ندوی، تاریخ سندھ، ص91، نیشنل بک فاؤنڈیشن اسلام آباد 1989ء)۔ ابو ظفر ندوی کے اس قول کے مطابق بدھہ یا بدھیہ کو کمی بیشی کے ساتھ آج کل ہم جغرافیائی لحاظ سے پاکستان کے قبائلی علاقہ جات سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ لیکن یاد رہے یہ صرف ابو ظفر ندوی کا قیاس ہے کیونکہ بدھہ سے مراد ملتان اور مکران کے درمیان کا علاقہ تھا، تفصیل آگے آرہی ہے۔

7. بزرگ بن شہریار (م300ھ)، عجائب الہند، ص23، لیدن 1886ء

سید سلیمان ندوی (م1952ء) نے کشمیر زیریں سے مراد پنجاب لیا ہے (عرب و ہند تعلقات ص21) لیکن راقم کے خیال میں اس سے مراد ہزارہ ہے۔ کیونکہ ایک تو پنجاب کے اکثر علاقوں ☜

یوں تو ان میں ہر ایک شہر قابلِ بحث ہے لیکن یہاں ہم صرف اُس وقت سندھ (پاکستان) کے اہم ترین شہر اور یہاں کی واحد بندر گاہ ''دیبل'' کا تذکرہ ضروری سمجھتے ہیں، کیونکہ اسی راستے 15ھ میں سب سے پہلے مسلمان یعنی اصحاب رسول ﷺ یہاں ملک سندھ یعنی موجودہ پاکستان میں داخل ہوئے، گرچہ بعد میں ایک طویل مدت کے لیے مسلمان حملہ آوروں نے بلوچستان کا راستہ اپنایا تاہم سب سے پہلے حملے کی وجہ سے دیبل تاریخ اسلام میں اپنا ایک مقام رکھتا ہے کیونکہ اس پہلے حملے کے 78 سال بعد 93ھ میں اسی شہر پر حملہ کر کے محمد بن قاسم نے پاکستان میں قدم رکھ کر اسلام کے جھنڈے گاڑ دیئے تھے۔ تب سے موجودہ پاکستان میں اسلام کا بول بالا ہوا اور اب جبکہ یہ اہم شہر موجود نہیں اس لیے ضروری ہے کہ اس شہر کے بارے میں کچھ بنیادی معلومات فراہم کی جائیں۔

شہر دیبل کے بارے میں تحقیق

سندھ (پاکستان) کے اُس وقت کے اہم ترین تجارتی مرکز دیبل کے محل وقوع کے بارے میں محققین نے مختلف مقامات کا ذکر کیا ہے۔ بعض محققین کا خیال ہے کہ دیبل موجودہ ٹھٹھہ [1] کی جگہ آباد تھا [2]، جیسا کہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے تصریح فرمائی

گندھارا (جس میں ٹیکسلا، راولپنڈی، اٹک وغیرہ علاقے آتے تھے)، بھکر، لاہور، ملتان وغیرہ کا علیحدہ ذکر ہوا۔ دوم، ہزارہ جو کہ کشمیر سے ملحق ہے اور کشمیر زیریں کہلانے کا مستحق ہے، اس کے برعکس پنجاب پر کشمیر کا اطلاق عجیب لگتا ہے۔ ہاں اگر ہزارہ کو پنجاب میں شامل کر کے سید سلیمان ندوی مراد لے رہے ہو تو وہ اور بات ہے۔ کہ اس وقت شاید ہزارہ کو بھی پنجاب کہا جاتا تھا۔ واللہ اعلم

[1] فرشتہ کے بقول ٹھٹھہ جو اصل میں تھتھہ یا تتہ تھا، نوحؑ کی اولاد میں سے تھا۔ (تاریخ فرشتہ، ص32)

[2] اگر اس سے مراد موجودہ ٹھٹھہ شہر ہو تو پھر یہ توجیح عجیب لگتی ہے کیونکہ یہ تو سمندر سے تقریباً ڈیڑھ سو کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے، ایسے میں اس پر ساحلی شہر یا بندر گاہ کا اطلاق بہت ہی عجیب لگتا ہے؟

ہے [1]۔ بعض حضرات کا خیال ہے کہ یہ پاکستان کے واحد جزیرہ منوڑہ کے قریب واقع تھا، اور بعض کی رائے میں یہ کراچی سے 50 میل کے فاصلے پر واقع تھا جسے آج کل ڈابے جی کہتے ہیں جو کہ دیبل کی بگڑی ہوئی شکل ہے [2]۔ کوئی کہتا ہے کہ یہ شہر ایک کھاڑی (الخور) کے دہانے پر واقع تھا جو دریائے سندھ کے مغربی جانب تھی [3]۔ اور بعض محققین بھمبھور (بھنبھور) کو دیبل گردانتے ہیں [4]۔ لیکن تا حال کوئی تسلی بخش تحقیق سامنے نہیں آئی کیونکہ اسی بھمبھور، جس کے متعلق اکثر حضرات کی رائے ہیں کہ یہی قدیم دیبل تھا، اس پر بھی کئی محققین کے تحفظات ہیں۔ غرض ہر محقق نے اپنی پوری کوشش کرکے ایک تحقیق سامنے لانے کی سعی کی ہے، تاہم ابھی یہ طے کرنا مشکل ہے کہ دیبل کس مقام کو کہا جاتا تھا؟ اردو دائرہ معارف میں دیبل کے متعلق جو تحقیقی مقالہ لکھا گیا ہے، اس میں مذکور مقام کے متعلق بھی تذکرہ موجود ہے، اس سے ایک اقتباس ملاحظہ ہو؛ برباد شدہ دیبل کی جگہ اور نشاندہی متعین کرنے کی مختلف کوششیں اب تک ہو چکی ہیں لیکن ان میں کامیابی نہیں ہوئی۔ عرب مصنفین اور سیاحوں نے اس شہر کی گزشتہ شان و شوکت کی بابت مفید معلومات لکھی ہیں مگر جگہ کے تعین کے بارے میں یہ بیانات اور روایات بالکل مفید نہیں۔ محکمہ آثار قدیمہ پاکستان نے اس جگہ پہلی بار 1958ء میں بڑے پیمانے پر کھدائی کی جہاں ایک اور شہد بھمبھور واقع تھا اور جسے بعض علماء نے فرض کر لیا تھا کہ اصل میں شہر دیبل یہی تھا لیکن

---

[1] عرب وہند تعلقات، ص54

[2] محمد اسحاق بھٹی، برصغیر میں اسلام کے اولیں نقوش، ص150، مکتبہ سلفیہ لاہور، 1990ء

[3] اردو دائرہ معارف، 9/522

[4] تاریخ سندھ، ص8

بھمبھور کے ٹیلوں کی جگہ کھودنے سے 1960ء تک جو کچھ ظاہر ہوا ہے اس سے اس امر کی قطعی شہادت نہیں ملتی کہ بھمبھور کے کھنڈر وہی دیبل کے کھنڈر ہیں کیونکہ اصطخری شہر دیبل اور بھمبھور کے بت خانے کا ذکر الگ الگ کرتا ہے [1]۔ انگریز مؤرخ بلنڈرڈ کی تحقیق کے مطابق بھی بھنبھور ہی دیبل کا نیا نام ہے [2]۔

سائکس کی تحقیق کے مطابق بھمبھور (بھنبھور) کو آج کل پنج گور کہتے ہیں [3]۔

مولانا مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ دیبل کے محل وقوع کے بارے میں فرماتے ہیں کہ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ کراچی کی بندرگاہ کیماڑی سے کچھ فاصلے پر جزیرہ "منوڑہ" کے پہاڑ کے اوپر جو بہت پرانا قلعہ ہے، وہی دیبل تھا۔ محمد بن قاسم نے منجنیق کے گولے سے جو مینار گرایا تھا، وہ اسی قلعہ کے مینار تھا، بعض حضرات نے ٹھٹھہ شہر کو دیبل قرار دیا ہے۔ یاقوت حموی کے بیان کے مطابق دیبل وہ مقام ہے جو کراچی کے شمال مشرق میں تقریباً 50 میل کے فاصلے پر آج "ڈابے جی" کے نام سے مشہور ہے۔ اور اسی نام کا

---

[1] اردو دائرہ معارف، 9/522

[2] W. T. Blanderd, The Geology of Western Sind, Vol:XVII, 1880, P.6

[3] سائکس، پرشیاس 244۔ پنج گور کی وجہ تسمیہ بھی لکھا ہے کہ اسلام کے اولیں وقت میں یہاں پانچ شہداء دفن ہوئے ان کی قبروں کی وجہ سے اس کو پنج گور کہتے ہیں۔ بحوالہ تاریخ سندھ از سید سلیمان ندوی، ص 217۔

ایسے میں بھمبھور پر دیبل کا اطلاق بھی صحیح معلوم نہیں لگتا کیونکہ ایک، پنج گور جو کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زیر تسلط رہا، اس پر محمد بن قاسم کا حملہ اور فتح کیا معنی رکھتا ہے؟ اور یہ کہ اس کا ذکر پھر صحابہ کے تذکروں میں کیوں نہیں ملتا۔ دوم، یہ تو ابھی بھی موجود ہے جبکہ دیبل شہر مکمل طور پر صفحہ ہستی سے مٹ چکا ہے۔ ہاں پنج گور کا وہ علاقہ مراد ہو جو کہ اس وقت سندھ کے قریب تھا، ایسے میں بعید از امکان نہیں ہے۔ واللہ اعلم

ریلوے اسٹیشن بھی ہے۔ اسٹیشن سے چند فرلانگ دور ساحل سمندر پر ایک پرانے قلعے کے نشان ملے ہیں، پورا قلعہ مٹی کی تہہ میں دبا ہوا برآمد ہوا ہے۔ کھدائی کے دوران وہاں کچھ قبریں بھی پائی گئی ہیں جن میں مردوں کے ڈھانچے صحیح سالم موجود ہیں، جن کو محکمہ آثار قدیمہ نے محفوظ کرلیا ہے۔ ان ڈھانچوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ وہ مسلمان شہداء ہیں جنہوں نے دیبل کی فتح کے موقع پر جام شہادت نوش کیا تھا۔ بعض لاشوں میں تیر پیوست ہیں، تیر کا حصہ بھی اسی طرح محفوظ ہے، اس قلعے کے نیچے سندھ کی قدیم صنعت رنگ سازی کے ایک بڑے کارخانے کے نشان بھی برآمد ہوئے ہیں۔ ممکن ہے مرور زمانہ سے اس کا نام "دیبل جی" سے بدل کر "ڈابے جی" ہو گیا ہو[1]۔ "برصغیر میں اسلام کے اولیں نقوش" کے مؤلف محمد اسحاق بھٹی نے مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی اس تحقیق کو درست لکھا ہے[2]۔ بعض مؤرخین کی رائے میں موجودہ ٹھٹھہ قدیم دیبل کی نئی صورت ہے جیساکہ تاریخ معصومی کے مصنف میر محمد معصوم بکری (1015ھ) نے ٹھٹھہ کے متعلق لکھا ہے کہ یہیں پر دیبل واقع تھا[3]۔

محمد قاسم فرشتہ نے تاریخ فرشتہ میں بھی یہی لکھا ہے کہ شہر دیبل اس جگہ آباد تھا جہاں آج کل ٹھٹھہ ہے[4]۔ مغل دربار کے شاہی لکھاری جناب ابوالفضل نے

---

[1] مفتی محمد شفیعؒ، اسلام کا نظام اراضی، ص 43، دارالاشاعت کراچی

[2] محمد اسحاق بھٹی، برصغیر میں اسلام کے اولیں نقوش، ص 150، مکتبہ سلفیہ لاہور، 1990ء

[3] میر محمد معصوم بھکری ٹھٹھوی (م 1015ھ)، تاریخ معصومی، سندھی ادبی بورڈ جام شورو، 2006ء، ص 12

[4] تاریخ فرشتہ، ج 2 ص 498

"آئین اکبری" میں بھی دیبل کو ٹھٹھہ ہی لکھا ہے [1]۔ "تاریخ طاہری" کے مؤلف سید طاہر محمد نسیانی ٹھٹھوی نے بھی شہر ٹھٹھہ کو "دیبل" لکھا ہے [2]۔ کیا یہی ٹھٹھہ شہر جو موجودہ ہے یا کہ اس نے اپنی جگہ تبدیل کرلی ہے، اس بارے تحقیق تشنہ لب ہے۔ مولانا فیض محمد خضداری [3]، ڈاکٹر فصیح الدین اور دیگر کئی اہل علم حضرات کا یہی خیال ہے کہ شہر ٹھٹھہ ہی دیبل ہے لیکن سرزمین سندھ کے عظیم اور نامور محقق ڈاکٹر نبی بخش بلوچ اس کی تردید کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ دیبل بندر شہر ٹھٹھہ سے بالکل مختلف تھا [4]۔

اگر شہر ٹھٹھہ دیبل نہیں تو پھر سوال یہ ہے کہ کونسی جگہ، شہر یا مقام "دیبل" ہے؟ اس سوال کا جواب بھی ڈاکٹر نبی بخش بلوچ سے ہی پوچھ لیتے ہیں۔ جواب میں ان کا اس موضوع پر ایک تحقیقی مقالہ پیش کرتے ہیں جو کہ 1951ء میں انہوں نے کراچی کی مجلس علمیہ کے ایک اجلاس میں پڑھا تھا۔ سندھ کی مشہور علمی شخصیت ڈاکٹر داؤد پوتہ بھی اس وقت موجود تھے۔ بعد میں یہی مقالہ حیدرآباد دکن سے "اسلامک کلچر" میں جولائی 1952ء میں شائع ہوا۔ دیبل کے محل وقوع کے بارے میں فرماتے ہیں کہ 15ھ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں دیبل پر مسلمانوں کا

---

[1] ابوالفضل، آئین اکبری، صفحہ 556

[2] سید طاہر محمد نسیانی ٹھٹھوی، تاریخ طاہری، سندھی ادبی بورڈ حیدرآباد 1964ء، ص 21

[3] آپ صوبہ بلوچستان کے امیر جمیعت علماء اسلام اور خضدار میں کوشک نامی مقام پر واقع جامعہ علوم شرعیہ کے بانی و مہتمم ہیں۔ سیاست کے ساتھ علم تاریخ اور تاریخی مقامات کے رسیا ہیں۔ آپ نے راقم کو 15 اگست 2017ء کو اپنے مدرسہ میں بتایا کہ اگر اب بھی آپ ٹھٹھہ چلے جائے تو اس وقت کے آثار پائیں گے۔

[4] برحاشیہ تاریخ معصومی، ص 362

پہلا حملہ ہوا اور 712ء / 93ھ میں محمد بن قاسم نے دیبل کو فتح کیا۔ عہد اسلامی میں اسی قدیم دیبل پر متعدد اور مسلسل حوالے ملتے ہیں۔ جن کی بنیاد پر کافی وثوق سے کہا جاسکتا ہے کہ چھٹی صدی عیسوی سے لیکر تقریباً تیرھویں صدی عیسوی کے نصف تک دیبل بندر بہتر یا زبوں حالت میں آباد رہا۔ گمان غالب ہے کہ دسویں صدی عیسوی میں مسلمانان عرب کی حکومت کے زوال کے ساتھ ان کی طاقت کے مرکز دیبل بندر کی اہمیت اور حیثیت بھی کم ہونے لگی۔ دوسری طرف مقامی حالات کی تبدیلی اور دریائے سندھ کے مدخل کی شاخوں کے تغیر و تبدل کے سبب دریا کی ایک شاخ پر ایک نئی بندرگاہ کے لیے سازگار ماحول پیدا ہو گیا جس کا نام ''لوھارانی'' ہو گیا۔ گیارھویں صدی کی ابتداء میں محقق بیرونی نے دیبل کے ساتھ اس نئی بندرگاہ کا ذکر کیا ہے غالباً اس نئی بندرگاہ کی سہولت نے دیبل کی اہمیت کو رفتہ رفتہ ختم کردیا اور آئندہ دو صدیوں میں دیبل بالکل ویران ہو گیا[1]۔

سن 1334ء میں جب ابن بطوطہ دریائے سندھ کی راہ سے نشیب میں سمندر کی طرف گیا تو اس نے ''لاہری بندر'' ہی کو اوج پر دیکھا البتہ اس نئی بندرگاہ سے چھ ساتھ میل دور اس نے ایک ویران شہر کے کھنڈرات بھی دیکھے تھے جو کہ شاید قدیم دیبل ہی کے تھے۔ چونکہ قریباً چھ سو برس تک دیبل سندھ کا ایک مشہور بندرگاہ اور اس مدت میں سندھ کی سیاسی اور اقتصادی تاریخ کے بعد بھی اہل سندھ نے اس نئی بندرگاہ کو دیبل کے نام سے پکارا کیونکہ گزشتہ چھ سو برس سے بندر اور دیبل لازم و ملزوم ہو چکے تھے۔ بعد کے زمانے کی تاریخ سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے کہ

[1] ڈاکٹر نبی بخش بلوچ، دیبل پر تحقیقی مقالہ، برحاشیہ تاریخ معصومی ص363

سولہویں صدی عیسوی میں پرتگیزیوں نے اسی "لاہری بندر" کو لاہوری بندر، دیوئل اور دیوئلسنڈ کے ناموں سے یاد کیا اور اس کے بعد انگریزوں نے بھی اسے سٹی دیوئل اور لاری بندر کے نام سے پکارا[1]۔ اسی دور میں ٹھٹھہ نے بھی ایک دریائی بندر گاہ کی اہمیت حاصل کرلی تھی اور اسے بھی "دیبل" کے نام سے پکارا جاتا تھا چنانچہ ابوالفضل نے "آئین اکبری" میں ٹھٹھہ کو دیبل لکھا ہے اور اسی زمانے میں میر معصوم بھی یہی لکھتا ہے کہ اس زمانے میں لاہری بندر اور ٹھٹھہ دونوں کو "دیبل بندر" کہا جاتا تھا۔ چونکہ زمانہ قدیم سے "لاہری بندر" کا نام دیبل پڑ چکا تھا اس وجہ سے بعد کے مؤرخ میر علی شیر خانع نے "لاہری بندر" کو پرانا دیبل سمجھا[2]۔ مذکور توضیح سے واضح ہو گیا کہ اصل "دیبل" جسے محمد بن قاسم نے فتح کیا تھا وہ انقلاب زمانے کے ہاتھوں برباد ہو گیا ہے لیکن یادگار کے طور پر اس کا نام چلتا رہا۔ یہاں تک کہ لوہارانی یا لاہری یا لاہوری بندر اور ٹھٹھہ دونوں دیبل کہے جانے لگے۔ لیکن ان دونوں میں سے کسی ایک کو بھی اصل یا قدیم دیبل سمجھنا غلطی ہوگی۔ البیرونی جس نے سب سے پہلے "لوہارانی بند" کا ذکر کیا ہے، اس نے صاف طور پر لکھا ہے کہ دیبل ایک ساحل بندر گاہ تھا اور لاہری اس سے علیحدہ مشرق کی طرف دریائے سندھ کی ایک شاخ کا بندر تھا۔ اور رہی بات ٹھٹھہ کی تو اس کی بنیاد ہی بعد میں سومروں کے دور کے اواخر اور سموں کے دور کے اوائل میں تقریباً 1333ء تا 1337ء میں پڑی۔ اس لیے ٹھٹھہ کو قدیم دیبل سے تعبیر کرنا بھی غلط ہے۔ اسی طرح مستشرق ایلیٹ کراچی کو دیبل قرار دیتا ہے جو کہ صحیح نہیں ہے کیونکہ 1725ء سے پہلے کراچی کا وجود ہی نہیں تھا اور بندر گاہ کی حیثیت سے

---

[1] Haig ,The Indus Delta Company , London 1894, PP.64-79

[2] تحفۃ الکرام، ص 253

کراچی پہلے پہل 1729ء میں استعمال ہوا[1]۔ میجر راورٹی عرب مؤرخین اور جغرافیہ دانوں کے حوالوں کو نظر انداز کرتے ہوئے صرف کیپٹن نیو رپورٹ کے بیان (1666ء) کی بنیاد پر "پیر پیٹھا" کو دیبل قرار دیتا ہے۔ ہر چند کہ ایلیٹ اور ہیگ نے دیبل کو متعین کرنے کے لیے اپنے دلائل کا مدار عرب مؤرخین کے دیئے ہوئے فاصلوں پر رکھا ہے۔ لیکن اس کے باوجود ایلیٹ کراچی کو دیبل قرار دیتا ہے اور مسٹر ھیگ نے کراچی سے تقریباً 50 میل جنوب مشرق کی طرف "گکڑ بکیرا" یا "بیگ چھگیو" کو ٹھٹھہ سے تقریباً 20 میل جنوب مغرب کی طرف واقع کھنڈرات کو دیبل قرار دیا ہے[2]۔ بہر حال اصطخری، مسعودی اور ابن حوقل کے چشم دید بیانات سے بالآخر یہ ضرور معلوم ہوتا ہو جاتا ہے کہ:

① دیبل مہران یا اس کی کسی شاخ کے کنارے پر نہیں تھا۔

② دیبل مہران کے مدخل سے کافی فاصلہ پر مغرب کی طرف تھا۔

③ دیبل بحری ساحل کا سمندر تھا۔

چونکہ عربی دور میں گھیاڑ نالہ مہران کی ایک شاخ کی حیثیت سے موجود تھا۔ اس لیے دیبل کی تلاش گھیاڑ کے قدیم پیٹے سے مغرب کی جانب ساحل سمندر پر کرنی چاہیئے۔ آج کراچی سے لیکر نیچے جنوب مشرق کی طرف گھیاڑ کے قدیمی پیٹے تک پرانی جو بستیاں بھی بندرگاہ کی حیثیت سے پائی جا سکتی ہے، وہ یہ ہیں: کراچی، کلفٹن، گزری، واگھودریا، ابراہیم حیدری، جھنجھور، رتوکوٹ، ماڑی، ستون والی مسجد، دھاراجہ، رانہ کوٹ اور جاکھی بندر۔ ان میں واگھودر، حیدری، رتوکوٹ، دھاراراجہ، ستون والی

---

[1] ڈاکٹر نبی بخش بلوچ، دیبل پر تحقیقی مقالہ، اسلامک کلچر دکن حیدرآباد جولائی 1952ء، ص 27

[2] ڈاکٹر نبی بخش بلوچ، دیبل پر تحقیقی مقالہ، بر حاشیہ تاریخ معصومی ص 368

مسجد اور بھنبھور میں اب بھی اثرات پائے جاتے ہیں۔ کیپٹن پوسٹنس 1834ء تا 1840ء کے عرصہ میں لکھتا ہے کہ ''دھاراجا'' پہلے ٹھٹھہ کا خاص بندر تھا اور مشہور شہر تھا لیکن دریا کے ردوبدل کی وجہ سے اب اس بندر گاہ کی اہمیت کم ہوگئی ہے۔ اس لیے اب دھاراجا یا لاھری کی بجائے کراچی کو بندر گاہ کی حیثیت میں استعمال کیا جاتا ہے۔ [1]

اس تفصیل سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ واگھودر، ستون والی مسجد اور یا پھر بھنبھور میں سے کسی ایک کو ''دیبل'' کہا جا سکتا ہے۔ محکمہ آثار قدیمہ کی طرف سے ان مقامات کی مزید کھدائی اور تحقیقات کرنے کی ضرورت ہے۔ تاکہ کسی نتیجہ پر پہنچا جا سکے۔ تاہم ان میں بھنبھور کو پھر زیادہ اہمیت حاصل ہے کیونکہ زمانہ قدیم میں سب سے اہم بندر گاہ جو عدن کے قریب تر تھی وہ دریائے سندھ کی مغربی شاخ پر واقع باربیریکان شہر کی بندر گاہ تھی۔ باربیریکان آگے چل کر دیبل اور بھنبھور کے نام سے مشہور ہوا۔ باربیریکان بندر گاہ کا محل وقوع بہت ہی منفرد تھا، وہ سمندر سے 25 کلومیٹر سے زیادہ دوری پر نہیں تھی۔ بندر گاہ دریا کے کنارے کے ساتھ ساتھ ایک پہاڑی کے دامن میں واقع تھی۔ دریا کے دوسرے کنارے پر ایک چھوٹی پہاڑی تھی جو اب زمین میں دب چکی ہے، ان دونوں پہاڑیوں سے ایک گارج (گھاٹی) تشکیل پاتی تھی، جس میں دریا گزرتا تھا۔ جب کبھی کوئی دریا کسی گارج یا گھاٹی میں سے گزرتا ہے، وہ وہاں آنیوالی کئی صدیوں تک گھرا رہتا ہے، باربیریکان سے 40 کلومیٹر اوپر کی جانب مکلی پہاڑیوں اور مستقبل کے ایک قصبے کے درمیان سے گزرنے والی دریائے سندھ کی مغربی شاخ کو 1700 سال کے طویل عرصے تک (400 ق م سے 1250ء تک) گھیرے رکھا۔ سکندر اعظم نے اسی شاخ کا سروے کیا تھا اور اس شاخ پر الیگزنڈر نے

[1] Captain Postinse, Personal Observation on Sind, London 1842, P.17

ہیون نامی ایک بندر گاہ تعمیر کروائی تھی [1]۔ بھنبور کی کھدائی کرنیوالے ڈاکٹر ایف اے خان اسے باربیریکان سمجھتے ہیں۔ ساحل سمندر بشمول باربیریکان (بھنبور یا دیبل) متحرک زلزلائی علاقے میں واقع ہے اور وقفوں وقفوں سے آنے والے زلزلوں نے، جنہوں نے رَن کچھ کی زمین کو بلند کیا، باربیریکان کی زمین کو نیچے دبایا بھی ہے۔ 893-894 عیسوی میں ریکارڈ کئے گئے ایک زلزلے نے باربیریکان (دیبل) کے ایک بڑے حصے کو غرق کردیا تھا۔ یوں باربیریکان کے قریب زمین نیچے دب جانے نے اس کی قدامت کا تعین مشکل بنادیا۔ یہ زلزلائی علاقہ نگرپارکر سے کراچی اور ماڑہ تک ساحل کے ساتھ ساتھ 30-50 میل کی چوڑائی میں پھیلا ہوا ہے۔ باربیریکان، سندھ کی دور دراز آبادیوں اور علاقوں کیساتھ جڑا ہوا تھا۔ مسلمانوں کی آمد کے وقت باربیریکان نے دیبل نام اختیار کرلیا تھا، اور چونکہ یہ تب سے عرب مؤرخین اور مصنفین کے سامنے آگیا، اس لیے یہ اُس وقت سے دیبل سے مشہور ہوا۔

اور پھر 1250ء سے 1300ء کے آس پاس کہیں دریائے سندھ کی مغربی شاخ نے اپنی گزرگاہ تبدیل کی اور اہم شاخ نے ٹھٹھہ [2] کے قریب ساموئی کی مشرق میں بہنا شروع کیا اور یوں دیبل (باربیریکان) کا تعلق دریائے سندھ اور اس کے معاون دریاؤں سے منقطع ہوگیا، اس کا کاروبار سکڑ گیا اور نئی بندرگاہ لاری بندر (لاڑی بندر)

---

[1] M.H. Penhure (1925-2007 A.D) , Primordiality of Karachi , P.3

[2] یاد رہے اُس وقت اس سارے علاقے کو ٹھٹھہ کہا جاتا تھا، لہٰذا جس کسی نے دیبل کو ٹھٹھہ قرار دیا ہے، اسکی مراد علاقہ ٹھٹھہ ہے نہ کہ شہر ٹھٹھہ۔ تفصیل کے لیے گوگل (انٹرنٹ) دیکھئے۔

www.sindh/debul.com،

www.dawnnews/tv/pakistan/sindh/debul.com

نئی شاخ پر قائم ہوگئی۔ اس لیے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ جنہوں نے بھنبھور کا نام لیا ہے، وہ بھی ٹھیک ہے اور جس نے ٹھٹھہ کو دیبل کہا ہے، وہ بھی درست مان لیا جا سکتا ہے اور جس نے کراچی یا منوڑہ کو دیبل گردان لیا ہے، اسے بھی غلط نہیں کہا جا سکتا۔ بھنبور کے کھنڈرات نے گزشتہ دو صدیوں کے محققین کو کافی متاثر کر کے توجہ اپنی طرف مبذول کرادی۔ ڈیوڈراس، ایلیٹ، کننگھم، ڈاکٹر فضل احمد خان [1]، محکمہ آثار قدیمہ کے ماہر ڈاکٹر ایف اے خان اور ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ [2] کی تحقیق کے مطابق بھنبور ہی کو دیبل کہا جا سکتا ہے کیونکہ اس کے آثار کافی پرانے ہیں۔ بہر حال جو بھی ہو دیبل اپنے وقت کا ایک یادگار تجارتی مرکز تھا، حالانکہ یہاں کوئی زراعت نہیں تھی بلکہ یہ خالص ایک تجارتی اور کاروباری شہر تھا،، یہاں بدھ مت کا ایک بڑا مندر تھا [3] جسے دیول کہا جاتا تھا، جو بعد میں دیبل سے معروف ہوا اور اسی مندر کی نسبت اس کا نام دیبل پڑ گیا۔ اس مندر پر ایک برج بنا تھا جس کی بلندی 40 گز تھی اس پر ایک بڑا سرخ جھنڈا تھا، جو سارے شہر کے اوپر لہراتا تھا [4]۔ محمد بن قاسم نے منجنیق کے ذریعے ایک بھاری پتھر سے اس برج کو نشانہ بنایا تھا، جس سے جھنڈا اور برج دونوں زمین پر دھڑام سے آگرے تھے۔ دسویں صدی عیسوی کے سیاح ابن حوقل نے دیبل کو سندھ کی بندرگاہ لکھا ہے کہ یہ تجارت کی بہت بڑی منڈی ہے اور یہاں مختلف قسم کی تجارتیں

---

[1] Dr Fazal Ahmad Khan , Bhanbore Exuviation. Daily Newspaper Dawn Karachi, 23rd March 1959 .

[2] ڈاکٹر نبی بخش بلوچ، دیبل پر تحقیقی مقالہ، اسلامک کلچر دکن حیدرآباد جولائی 1952، ص 27

[3] فتوح البلدان، ص 442

[4] اردو دائرہ معارف اسلامیہ، 9، 523

ہوتی ہیں ❶۔ الغرض عہد نبوی ﷺ اور دور صحابہ میں دیبل ایک عالمی تجارتی منڈی اور بندرگاہ کی حیثیت سے دنیا بھر میں مشہور و معروف شہر تھا۔ بعد میں یہ ایک علمی مرکز بھی رہا، یہاں پر مید قوم آباد تھی۔ جس کی تفصیل قاضی اطہر مبارک پوری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی عربی کتاب "رجال السند والہند" میں لکھی ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ اس قدر تاریخی، علمی، کاروباری اور تجارتی مرکزی شہر کیسے صفحہ ہستی سے یوں مٹ گیا کہ آج باوجود ہزار سعی کے اس کا نام و نشان تک معلوم نہیں کیا جا سکتا، محض اٹکل پچو یا قیاسیات و احتمالات پر شاید، ممکن ہے اور ہو سکتا ہے، کے الفاظ سے مختلف مقامات کا تعین کیا جارہا ہے۔ وہ کیا وجہ تھی اور کیا اسباب تھے، کہ ایک تاریخی شہر، تاریخ سے یوں اوجھل ہو گیا بلکہ غائب ہو گیا کہ تاریخ کو بھی پتہ نہ چلا؟ اردو دائرہ معارف میں لکھا ہے کہ دیبل جیسے شہر کا بالآخر بالکل غائب ہو جانا، جو اس قدر وسعت اور آبادی رکھتا تھا اور اتنے عرصے تک دنیا میں موجود رہا، یہ وہ مسائل ہیں جن کا کوئی خاطر خواہ حل اس وقت تک دستیاب نہیں ہو سکا اور تمام کوششیں ناکام ہی رہیں ❷۔

اللہ تعالیٰ کی ذات کے علاوہ کس کو کیا خبر! تاہم میرے خیال میں چونکہ یہ ایک زلزلائی علاقہ تھا، جیسا کہ یہاں کئی بار پہلے بھی کئی زلزلے آچکے تھے، اور پھر مسلمانوں کی آمد کے بعد بھی 280ھ / 893ء میں ایک ہولناک زلزلہ نے اس شہر کے بڑے حصے کو تباہ کر دیا تھا، جس میں تیس ہزار لوگ لقمہ اجل بن گئے تھے ❸۔ لیکن یہ شہر دوبارہ آباد ہو گیا تھا۔ کیونکہ جب 1221ء / 618ھ میں جب جلال الدین

---

❶ سفر نامہ ابن حوقل، ص 230

❷ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، 9 / 523

❸ تاریخ طبری، 5 / 143

خوارزم شاہ نے تاتاریوں سے بھاگ کر اس شہر پر قبضہ کر لیا تھا تو اس نے یہاں ایک مندر کی جگہ مسجد بنائی تھی، پھر 1239ء میں رضی الدین حسن بن محمد الصغانی بھی یہاں آیا تھا[1]۔ اور اس کے بعد تاریخ نے دیبل کے بارے میں مکمل چپ سادھ لی۔ لہٰذا عین ممکن ہے کہ اس کے بعد یا تو ایسا ہولناک زلزلہ آیا ہو جس سے پورا شہر مکمل تباہ ہو گیا ہو اور یا پھر سونامی نے اس شہر کو صفحہ ہستی سے مٹا دیا ہو اور یا پھر اللہ نے کسی عذاب کے ذریعے رات کے کسی پہر یا دوپہر کے وقت انہیں ہلاک کیا ہو۔ واللہ اعلم

جیسا کہ ارشاد ربانی ہے: وَكَمْ مِنْ قَرْيَةٍ أَهْلَكْنٰهَا فَجَآءَهَا بَأْسُنَا بَيَاتًا أَوْ هُمْ قَآئِلُوْنَ ﴿۴﴾ فَمَا كَانَ دَعْوٰىهُمْ إِذْ جَآءَهُمْ بَأْسُنَآ إِلَّآ أَنْ قَالُوْٓا إِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿۵﴾ فَلَنَسْـَٔلَنَّ الَّذِيْنَ أُرْسِلَ إِلَيْهِمْ وَلَنَسْـَٔلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۶﴾ فَلَنَقُصَّنَّ عَلَيْهِمْ بِعِلْمٍ وَّمَا كُنَّا غَآئِبِيْنَ ﴿۷﴾[2]

عرب و سندھ (پاکستان) کے تجارتی تعلقات

عرب و سندھ کے آپس کے تعلقات خاص کر تجارتی تعلقات پہلے ہی سے باہم قائم تھے، کیونکہ ایک تو سندھ و عرب دونوں ملکوں میں زمانہ قدیم سے تجارتی منڈیاں موجود تھیں، جہاں دنیا کے مختلف حصوں سے تاجر لوگ آتے جاتے تھے اور دوسری بات یہ کہ عرب میں کئی ایک سندھ کی قومیں آباد تھیں جو سندھ سے جا کر وہاں آباد ہوئی تھیں جن میں زط (جٹ / جاٹ)[3]، مید، سیابجہ، احامرہ، اساورہ، بیاسرہ اور تاکر (ٹھاکر) قابل ذکر ہیں۔ مؤرخین نے ان کی پوری تفصیل لکھی ہیں۔ بالخصوص

---

[1] اردو دائرہ معارف اسلامیہ، 9/523

[2] الاعراف، 4-7

[3] امام اعظم حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا تعلق بھی اسی زطی قوم سے تھا۔ (عہد نبوی میں عرب و ہند تعلقات، ص64)

علامہ سید سلیمان ندوی ﷫ کی "عرب وہند کے تعلقات" اور قاضی اطہر مبارک پوری ﷫ کی "عرب وہند عہد نبوی میں" میں قابل مطالعہ مواد موجود ہیں۔ ان دو حضرات نے کافی جستجو اور تحقیق کے بعد عرب وہند کے تعلقات پر روشنی ڈالی ہے۔ مذکور دو ملکوں کے مابین تجارتی تعلقات پر ان دونوں نے تفصیل سے لکھا ہے، یہاں طوالت کو چھوڑ کر مختصراً اس کا ذکر کیا جاتا ہے۔ عرب میں اہل سندھ اور سندھی لوگ [1] خاتم الانبیاء ﷺ کی پیدائش سے پہلے متعارف تھے کیونکہ عرب میں اس وقت سندھی لوگ بکثرت آباد تھے، خاص طور پر علاقہ یمن میں ان کی کثرت اور شان و شوکت مسلّم تھی۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کے ایام طفولیت میں شاہ حبشہ ابرہہ کے بیٹے مسروق نے یمن پر حملہ کر کے حاکم یمن سیف بن ذی یزن کو بے دخل کر دیا اور اس نے کسریٰ نوشیروان کے ہاں جا کر اس کی فریاد کی؛ثُمَّ قَالَ لَهُ أَيُّهَا الْمَلِكُ، غَلَبَتْنَا عَلَى بلادِنا الأغربةُ. فَقَالَ لَهُ كِسْرَى: أَيُّ الْأَغْرِبَةِ: الْحَبَشَةُ أَمْ السِّنْدُ؟ [2]

کہا کہ غیر ملکیوں نے آ کر یمن پر قبضہ کر لیا ہے تو کسریٰ نے دریافت کیا کہ کن غیر ملکیوں نے یمن پر قبضہ کیا ہے، حبشیوں نے کہ سندھیوں نے؟ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اس وقت سندھی لوگ کتنی بڑی تعداد میں عرب میں موجود تھے۔ کہ عالمی سطح کے ایک بادشاہ کو بھی ان کی کثرت اور شان و شوکت اور زور بازو کا علم تھا۔ لہٰذا عرب میں سندھیوں کی آمد و رفت بہت پہلے سے ہے، بلکہ سندھی لوگ وہاں

---

[1] چونکہ سندھ کے کئی خاندان عرب میں آباد تھے اس لیے سندھی لوگ اور اہل سندھ لکھا گیا اور اہل سندھ تو ظاہر ہے، ان لوگوں کے لیے جو اس وقت سندھ میں بود و باش کرتے تھے۔

[2] عبد الملک بن ہشام الحمیری (213ھ)، السیرۃ النبویہ لابن ہشام، 1/ 56، شرکۃ الطباعۃ الفنیہ المتحدہ، س طن،

جا کر بھی بکثرت آباد ہوئے ❶۔ عرب و سندھ (پاکستان) کی تجارت اُس وقت یہاں کی مشہور بندر گاہ دیبل اور عرب کی پانچ بندر گاہوں جدہ، صحار، ابلہ، جار اور عدن کے درمیان ہوتی تھی۔ ان میں ابلہ نامی بندر گاہ کو خاص اہمیت حاصل تھی جو کہ بصرہ کے قریب واقع تھی، تاہم بعد میں 256ھ میں زنگیوں کی لڑائی میں یہ بندر گاہ تباہ ہو گئی تھی ❷۔ دیبل سے آنے والے جہاز یہاں لنگر انداز ہوتے تھے۔ ابلہ قدیم زمانے میں ارض الہند اور فرج السند کے لقب سے مشہور تھا۔ حضرت عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ نے جب 14ھ میں ابلہ فتح کیا تو اس کی مرکزیت کے بارے میں امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس جو مکتوب لکھا تھا اس میں تحریر تھا کہ اے امیر المؤمنین! اللہ کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں ابلہ پر فتح دی ہے، یہ مقام بحرین، فارس، ہند (سند) اور چین سے آنے والے جہازوں کی بندر گاہ ہے ❸۔ 14 ہجری میں جب ابلہ جیسا اہم تجارتی مرکز مسلمانوں کے ہاتھ آیا تو فاتح ابلہ حضرت عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ نے اس کے قریب بصرہ کے نام سے ایک نئے شہر آباد کرانے کا تہیہ کر لیا اور بہت سارے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین یہاں آکر آباد ہونے لگے۔ اور یوں مدت قلیل میں یہ نیا شہر آباد ہوا۔ ابتداء میں صرف آٹھ سو آدمیوں نے یہاں آکر سکونت اختیار کی لیکن بعد میں یہ تعداد لاکھوں تک پہنچ گئی ❹۔ چنانچہ فاتح قیقان (سندھ) حضرت سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ کے والد حضرت سلمہ بن محبق الہذلی رضی اللہ عنہ بھی اس شہر کے اولیں بانیوں میں شامل تھے جنہوں نے بصرہ

---

❶ تفصیل کے لیے قاضی اطہر مبارک پوری کی کتاب "عرب و ہند عہد نبوی میں" کا مطالعہ کیجیے۔

❷ محمد نعمان اعظمی، تاریخ بصرہ، حاشیہ ص 11

❸ ابو حنیفہ الدینوری، الاخبار الطوال، ص 117

❹ احمد بن یحیٰی البلاذری (279ھ)، فتوح البلدان، ص 416، دار صادر بیروت 1988۔

ہجرت کی اور وہاں پر مستقل سکونت اختیار کی[1]۔

جاہلی دور میں بھی سندھ اور عرب کے درمیان تجارت کی جاتی تھی اور عمان کے سوق صحار اور سوق دبا بہت مشہور تھے۔ جہاں سندھ کے تاجر بڑی تعداد میں آتے تھے[2]، عدن میں بھی سندھ کا مال جاتا تھا[3]۔ جار نامی بندرگاہ جو کہ مدینہ سے اگرچہ ایک روز و شب کے فاصلے پر واقع تھی لیکن دیگر بندرگاہوں کی بنسبت قریب ترین تھی، وہاں سندھ سے مال تجارت بحرین کے راستے جاتا تھا، پھر وہاں سے مدینہ جاتا تھا[4]۔ الحاصل عرب کے مختلف حصوں میں سندھ سے مال جاتا تھا اور سندھ کو عرب سے تجارتی مال آتا تھا۔ اور یہ تجارت صرف بحری راستے سے نہیں بلکہ بری راستے سے بھی ہوتی تھی عرب سے شام، شام سے کوفہ، پھر بغداد، پھر اہواز، پھر فارس پھر کرمان پھر مکران اور وہاں سے ہو کر سندھ کے مختلف حصوں تک قافلے آتے تھے[5]۔ نہ صرف سندھ بلکہ سندھ کے راستے ہند، زابلستان (افغانستان)، خراسان اور چین تک یہ تجارتی قافلے آتے جاتے تھے[6]۔ جو سامان یہاں سندھ سے عرب جاتا تھا، ان میں فلفل (مرچ)، قسط (کٹھ)، بانس، بید کی لکڑی، سندھی کپڑے، سندھی مرغی، گھوڑے، پالہ اونٹ جس کی نسل سے عرب کا مشہور بختی اونٹ ہوتا تھا، بھڑوچی و خطی نیزے، کھبائت،

---

[1] محمد بن اسحاق بن مندہ (395ھ)، معرفۃ الصحابہ، 1/ 314، جامعہ الامارات العربیہ المتحدہ، 2005ء

[2] ابو علی مرزوقی، کتاب الازمنہ والامکنہ 2/ 163، حیدر آباد، 1353ھ

[3] المسالک والممالک، ص 61

[4] عرب و ہند تعلقات عہد نبوی میں، ص 33

[5] ایضاً، ص 153

[6] مروج الذہب از مسعودی، ص 120

سندھی جوتے اور ناریل [1]، یاقوت، الماس، گینڈا، ہاتھی، مور، عود، عنبر، لونگ، دازی (تاڑی)، سنبل، خولجان، دار چینی، ناریل، ھڑ، توت، بکم، بید، صندل، ساگوان، سیاہ مرچ [2]، سندھی لوہا، تلوار، سمہری نیزے، سندھی لونگی، چادر، کرتہ وغیرہ، الائچی، نیلو فر، صندل، پان [3]، سپاری، لیموں، آم، چاول [4]۔ عرب سے دیگر کئی چیزوں کے علاوہ وہاں کے مشہور گھوڑے اور کھجور یہاں سندھ آتے تھے [5]۔ عربی کھجور یہاں کے لوگ بڑے شوق سے کھاتے تھے، اور پھر جب مسلمان یہاں پر قابض ہوئے تو انہوں نے یہاں کھجور کے درخت لگائے اور آج سندھ میں نہ صرف کھجوروں کی بہتات ہے۔ [6]

پاکستان کے حکمران کا خدمت اقدس ﷺ میں تحفہ بھیجنا

جیسا کہ اوپر ذکر ہوا کہ عرب وہند کے آپس کے تعلقات بہر حال پہلے سے قائم تھے اور عرب میں سندھی لوگ بھی بود و باش کرتے تھے اس لیے یہاں سندھ کے لوگ بھی اللہ کے آخری نبی ﷺ اور اسلام سے باخبر ہو گئے تھے اور یہ خبر صرف عوام تک نہیں بلکہ راجاؤں مہاراجوں تک بھی پہنچ گئی تھی۔ اسی لیے تو یہاں کے ایک

---

1. المسالک ولمالک، ص65-71
2. ابن فقیہ ہمدانی (330ھ)، کتاب البلدان، ص251، لیدن 1343ھ
3. سیرت ابن ہشام، 2/194، لسان العرب 3-7/190 -151
4. بشاری مقدسی، احسن التقاسیم فی معرفۃ الاقالیم، ص474-482
5. ابو الفداء، تقویم البلدان، ص349
6. کھجور کے علاوہ کیکر نامی درخت بھی عرب ہی کا لگتا ہے جو کہ سندھ اور بلوچستان میں بہتات کے ساتھ پایا جاتا ہے، گر[illegible] بارے کسی کتاب میں صراحت موجود نہیں مگر میرا ذاتی خیال یہی ہے کیونکہ عرب اور یہاں کے کیکر میں کچھ بھی فرق نہیں ہے۔

مقامی راجا نے رسالت مآب ﷺ کی خدمت اقدس میں زنجبیل (سونٹھ) کا تحفہ بھیجا تھا، مستدرک حاکم میں ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی ایک روایت ہے: قَالَ أَهْدَى مَلِكُ الْهِنْدِ إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ جَرَّةً فِيهَا زَنْجَبِيلٌ فَأَطْعَمَ أَصْحَابَهُ قِطْعَةً قِطْعَةً وَأَطْعَمَنِي مِنْهَا قِطْعَةً.[1]

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہند کے ایک حکمران نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں زنجبیل (سونٹھ، ادرک)[2] کا ایک گھڑا تحفے کے طور پر بھیجا۔ آپ ﷺ نے صحابہ کرام کو اس کا ایک ایک ٹکڑا کھلایا، مجھے بھی اس کا ایک ٹکڑا کھلایا۔

یاد رہے کہ عرب لوگ کبھی پورے ہندوستان کو ہند بولتے تھے اور کبھی سندھ کو ہند کہتے تھے اور کبھی کبھار ہند پر سندھ کا اطلاق کیا کرتے تھے جیسا کہ بلاذری، ابن خردازبہ، ابن جریر طبری، ابن عساکر، ابن کثیر وغیرہ حضرات کی مستند کتابوں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے۔ ہند یا سندھ کے کس علاقے کے کس راجہ نے یہ تحفہ بھیجا تھا؟ اس بارے میں قطعی کچھ کہنا رجماً بالغیب ہوگا، تاہم میری تحقیق کے مطابق وہ راجہ یہاں سندھ یعنی موجودہ پاکستان کا رہنے والا تھا۔ نہ صرف اس نے اسلام قبول کر لیا تھا[3]، بلکہ اس کے

---

[1] حدیث نمبر 7190

[2] قرآن مجید میں تین الفاظ ہندی ہیں؛ زنجبیل (سونٹھ)، مسک (مشک) اور کافور۔ (عرب و ہند تعلقات ص 43)

[3] مالابار (ہند) کے ایک راجہ جس کا نام زمورن یا سامری تھا، اس کے بارے میں بھی آتا ہے کہ اس نے اپنے علاقے میں شق القمر کا معجزہ دیکھا تھا، پھر اس نے فوراً اسلام قبول کر لیا۔ تفصیل آگے آرہی ہے۔ (تاریخ سندھ از اعجاز الحق قدوسی، ص 56، اردو بورڈ کراچی، 1995ء)

ساتھ دیگر کئی لوگ بھی مشرف بہ اسلام ہوئے تھے، جن میں چند ایک نامور شخصیات بھی تھیں جو شاہِ سندھ راجہ چچ کے مقربین میں سے تھیں۔ جس کا ثبوت 150 ھ کے لگ بھگ لکھی گئی کتاب فتح نامہ سندھ المعروف بہ چچ نامہ سے ملتا ہے، کہ اس حاکم کے دیگر مسلمان ساتھی معرکہ سکہ (نام شہر قریب ملتان) میں شہید ہو گئے تھے۔ مذکور کتاب میں اس حاکم کا نام امیر عین الدین یا امیر عین الدولہ درج ہے۔ حکمرانِ سندھ چچ بن سیلائج نے اسے ملتان کے نواحی شہر سکہ پر قبضہ کرنے کے بعد وہاں کا حاکم مقرر کیا تھا، اس جنگ میں چچ کے کئی نامور ساتھی شہید ہوئے [1]، اور یہ غالباً 9 یا 10 ہجری کا واقعہ ہے۔ نامور محقق ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ نے اس حاکم کا نام جہاں امیر عین الدین ریحان مدنی لکھا ہے، وہاں حاشیہ میں یہ بھی لکھا ہے کہ ان کے ساتھ کچھ مسلمان بھی تھے جو راجہ چچ کے لیے لڑ کر شہید ہوئے [2]، تبھی تو صاحبِ فتح نامہ نے ان کے لیے لفظ "قتل" نہیں بلکہ قصداً "شہید" کا لفظ استعمال کیا ہے اور ظاہر ہے کہ ایک مسلمان مؤرخ کافر کے لیے لفظ شہید استعمال نہیں کرتا۔ اب اگر اس نام پر غور کیا جائے تو کچھ باتیں سامنے آتی ہیں۔ مثلاً یہی امیر عین الدین یا عین الدولہ وہی صحابی تھے جو عرب سے ہو کر یہاں آئے تھے جیسا کہ آگے آ رہا ہے کہ پانچ صحابہ دورِ رسالت ﷺ میں یہاں سندھ آئے تھے جن میں دو یہاں رہ گئے تھے اور

☜ یہ بھی ملحوظ خاطر رہے کہ مالا بار (انڈیا) میں کئی اصحاب رسول ﷺ مدفون ہیں۔ مالا بار کے ایک مجاہد مولانا اقبال مالا باری نے راقم کو بتایا تھا۔ اس وقت راقم کے دوست مولانا ڈاکٹر روح اللہ یوسفزئی بھی موجود تھے۔

[1] فتح نامہ سندھ عرف چچ نامہ، علی المدائنی، مترجم اختر رضوی، ص 73، سندھ ادبی بورڈ جام شورو، 2008ء

[2] ایضاً، ص 266

ایک ان میں یہی امیر ہو جس کا نام شاید ریحان تھا [1]، لیکن یہاں دین اسلام کے اولیں نمائندہ ہونے کی حیثیت سے اس کا نام عین الدین رکھا گیا ہو اور وہ مدینہ کا باشندہ تھا کیونکہ اس کے نام کے ساتھ مدنی نسبت اس بات کو تقویت دیتی ہے، یا پھر یہ اصلاً سندھی تھا لیکن شاید رسول اللہ ﷺ کا سن کر مدینہ چلا گیا ہو اور اپنے ساتھیوں سمیت مسلمان ہو گیا ہو، علاوہ ازیں یہ بھی ممکن ہے کہ وہ تجارت کے سلسلے میں عرب گیا ہو اور وہاں دولت اسلام سے سرفراز ہو گیا ہو اور پھر اس کا اپنا اصل نام تبدیل کر کے عین الدین رکھا گیا ہو اور مدینہ سے والہانہ عقیدت کی بدولت اپنے نام کے ساتھ مدنی لگاتا رہا ہو [2]۔ واللہ اعلم

اس سے جہاں اِس بات کا پتہ چلتا ہے کہ عہد رسالت میں یہاں کے لوگ اسلام سے متعارف ہو چکے تھے، وہاں یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ اُس وقت

---

[1] ابن خرداذبہ (م 280ھ) نے سندھ کے شاہان وقت کے جو نام لکھے ہیں، ان میں ایک ریحان شاہ بھی ہے۔ (المسالک والممالک، 1 / 18، دار صادر لیدن بیروت، 1889ء)۔ عین ممکن ہے یہ یہی ریحان ہو! کیونکہ ابن خرداذبہ کے بیان کے مطابق یہ نام اس کا فارس کے بادشاہ اردشیر نے رکھا تھا، لہذا ممکن ہے کہ اس کا اپنا نام عین الدین ہو یا عین الدین کے علاوہ کچھ اور ہو، تاہم چونکہ یہ ملک سندھ اس وقت فارس (ایران) کے ماتحت تھا اس لیے یہاں کے حاکم بھی شاہِ فارس کے تابع تھے، اور ان کے القابات بھی شاہِ فارس کے دیے ہوئے تھے، یہ اردشیر (شاہ فارس) جسے شیرویہ بھی کہتے ہیں، اس نے اپنے باپ کسریٰ کو 8 ہجری میں قتل کر کے شاہ فارس ہونے کا اعلان کیا تھا، اپنے زیر اثر علاقوں میں پروانے روانہ کر کے ان کو خبردار کیا تھا، سندھ میں بھی مختلف علاقوں کے علاقائی حاکموں کو القابات سے نوازا تھا، مثلاً مکران شاہ، قفص شاہ، ہندوان شاہ، قیقان شاہ اور ریحان شاہ وغیرہ..... دیگر ناموں پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں کوئی مسلمان نہیں لگتا۔

[2] عبدالحلیم شرر نے اپنی کتاب تاریخ سندھ میں ص 62 پر یہ نام علاؤالدولہ لکھا ہے اور اس نام پر تعجب کا اظہار کیا ہے کہ اس وقت یہ عربی نام کیسے ہندوؤں کے علاقے میں پڑ گیا؟ شرر صاحب کی تعجب بے جا ہے کیونکہ اس کے پیچھے ایک تاریخ پڑی ہے جس کا ابھی اوپر ذکر ہوا۔

سندھ (پاکستان) کے بادشاہ چچ بن سیلائج بھی اسلام سے واقف ہو چکا تھا کیونکہ اسے معلوم تھا کہ اس کا ایک حاکم امیر عین الدین اور اس کے دیگر چند نامور ساتھی مسلمان ہو گئے ہیں تاہم راجہ چچ چونکہ ایک عقلمند اور ہوشیار بادشاہ تھا، اس لیے اس نے مغل شہنشاہ جلال الدین اکبر کی طرح سیاسی اغراض کے پیش نظر کسی کے دین و مذہب سے صَرف نظر کرتے ہوئے محض اپنی حکومت پر توجہ دی۔

یاد رہے کہ ایران زمانہ قدیم سے ایک مضبوط طاقت کی حیثیت سے پوری دنیا میں مشہور تھا، عرب کے بعض علاقوں عراق، اردن اور شام وغیرہ پر بھی ایران کا قبضہ تھا، لہٰذا سندھ (پاکستان) بھی ایرانی حکومت کے زیر اثر تھا جس کا نتیجہ یہ تھا کہ بہت سارے سندھی باشندے ایرانی فوج میں شامل تھے اور دوسری وجہ یہ کہ جب رسول اللہ ﷺ نے ایران کے شاہِ فارس کسریٰ بن ہرمز کے نام اسلام کا دعوت نامہ حضرت عبد اللہ بن حذافہ بن قیس سہمی رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں بھیجا[1]، تو لابدی ایرانی حکومت کے زیر اثر جتنے بھی علاقے تھے، ان سب میں اسلام کا شہرہ پہنچنا ایک لا محالہ

---

[1] اس بد بخت کسریٰ نے حضرت عبد اللہ بن حذافہ کے ہاتھ سے خط لے کر پڑھتے ہی تکبر میں آکر پھاڑ دیا تھا اور اپنے زیر اثر حاکم یمن باذان کو لکھ بھیجا تھا کہ (نقل کفر کفر نہ باشد) اس خط والے صاحب (نعوذ باللہ) یعنی رسول اللہ ﷺ کو پکڑ کر میرے سامنے لے آو۔ ادھر رسول اللہ ﷺ کو جب خبر پہنچی تو آپ نے اس کے حق میں بد دعا کی کہ اللہ اس کی حکومت کو پارہ پارہ کرے گا۔ باذان نے اپنے داروغہ بابویہ اور خرخسرہ کو آپ ﷺ کی خدمت میں بھیجا کہ وہ حقیقی صورتحال سے آگاہی دیں، رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ میرا دین اور میری حکومت بہت جلد کسریٰ کی تمام سلطنت میں پھیل جائے گی اور وہاں تک پہنچ جائے گی جہاں تک اونٹ اور گھوڑے جاتے ہیں۔ اُدھر فارس میں کسریٰ کے بیٹے شیرویہ نے 13 جمادی الاولیٰ 8 ہجری کو اپنے باپ کو شب کی تاریکی میں قتل کر دیا۔ یمن کا حاکم باذان اپنے ساتھیوں سمیت مسلمان ہو گیا۔ (محمد بن جریر طبری (310ھ)، تاریخ طبری، 2 / 271، نفیس اکیڈیمی کراچی 2004ء)

امر تھا، پس سندھ میں اسلام کی آواز پہنچنا اور پھر یہاں کے لوگوں کا اس فطری دین سے متاثر ہونا فطری بات تھی۔ نیز صادق و مصدوق پیغمبر ﷺ کی زبان اقدس سے نکلے یہ الفاظ کہ میرا دین اور میری حکومت بہت جلد کسریٰ کی تمام سلطنت میں پھیل جائے گی اور وہاں تک پہنچ جائے گی جہاں تک اونٹ اور گھوڑے جاتے ہیں [1]، بھی اس بات کی طرف اشارہ کر رہے تھے کہ فارس کے زیر اثر جتنی حکومتیں ہیں، وہاں خوامخواہ اسلام پہنچے گا اور ظاہر ہے کہ سندھ بھی فارس کا ایک قابل ذکر علاقہ تھا۔ اور ایک بار آپ ﷺ نے خود سندھ کا نام بھی لیا [2]، تو ایسے میں سندھ کے امیر عین الدین سمیت کئی ایک لوگوں کا مسلمان ہونا بعید از قیاس نہیں۔ امیر عین الدین کے علاوہ دیگر مسلمانوں کے بارے میں تاریخ میں کچھ نہیں ملتا حالانکہ میرے خیال میں اس وقت نہ صرف مسلمان بلکہ صحابہ بھی سندھ میں ضرور موجود ہوئے ہونگے لیکن افسوس اور صد افسوس کہ وہ تاریخ سے اوٹ میں رہے، کیونکہ وہ عام رعایا لوگ تھے اور یہ چونکہ ایک حاکم تھا اس لیے اس کا نام تاریخ نے محفوظ کر لیا۔ عین ممکن ہے یہ یہی ریحان ہو! کیونکہ ابن خردازبہ کے بیان کے مطابق یہ نام اس کا فارس کے بادشاہ اردشیر نے رکھا تھا، لہٰذا ممکن ہے کہ اس کا اپنا نام عین الدین ہو یا عین الدین کے علاوہ کچھ اور ہو، تاہم چونکہ یہ ملک سندھ اس وقت فارس (ایران) کے ماتحت تھا، اس لیے یہاں کے حاکم بھی شاہِ فارس کے تابع تھے، اور ان کے القابات بھی شاہِ فارس کے دیے ہوئے تھے، یہ اردشیر (شاہ فارس) جسے شیر دیہ بھی کہتے ہیں، اس نے اپنے باپ

---

[1] ایضا، تاریخ طبری، 2/ 271

[2] مسند احمد میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میرے سچے رسول ﷺ نے مجھے بیان کیا کہ اس امت میں ایک لشکر سندھ اور ہند کی طرف جائے گا۔ حدیث نمبر 11969

کسریٰ کو 8 ہجری میں قتل کر کے شاہ فارس ہونے کا اعلان کیا تھا، اپنے زیر اثر علاقوں میں پروانے روانہ کر کے ان کو خبر دار کیا تھا، سندھ میں بھی مختلف علاقوں کے علاقائی حاکموں کو القابات سے نوازا تھا، مثلاً مکران شاہ، قفص شاہ، ہندوان شاہ، قیقان شاہ اور ریحان شاہ وغیرہ....... دیگر ناموں پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں کوئی مسلمان نہیں لگتا سوائے ریحان شاہ کے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس ریحان شاہ نے خود اپنے لیے یہ لقب پسند کیا ہو۔ جو بھی ہو اس نام سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مسلمان تھا۔

مشہور محقق قاضی اطہر مبارک پوری (1916ء - 1996ء) لکھتے ہیں: [1]

"رسول اللہ ﷺ نے 7 اور 8 ہجری کے درمیان حدود عرب میں دعوت اسلام بھیجی اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ایک جماعت کو اسلام کا مبلغ و داعی اور قاصد بنا کر عرب اور بیرون عرب کے رئیسوں، حاکموں اور باحیثیت لوگوں کو خطوط بھیجے تو اس وقت عراق سے لے کر مشرقی سواحل اور یمن تک میں اسلام کی دعوت عام ہوئی اور ان اطراف کے عربوں کی طرح عجم، فارس اور مجوس وغیرہ بھی اس کی دعوت سے تفصیلی

---

[1] قاضی صاحب موصوف اس باب میں ایک سند کی حیثیت رکھتے تھے، انہوں نے کئی ایک قیمتی اور معلوماتی کتابیں لکھی ہیں جن میں رجال السند والھند، العقد الثمین، عرب وہند عہد رسالت ﷺ میں اور ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں اہم ہیں۔ قاضی اطہر مبارک پوری 7 مئی 1916ء کو مبارک پور (مراد آباد، ہندوستان) میں پیدا ہوئے اور 14 جولائی 1996ء کو اپنے وطن مالوف میں انتقال فرمایا۔ آپ کا اپنا نام عبدالحفیظ تھا مگر شاعری تخلص اطہر سے شہرت پائی۔ مدرسہ قاسمیہ شاہی مراد آباد سے فراغت حاصل کی، جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں تدریس کی۔ آپ نے تقریباً 35 کتابیں تصنیف کیں، جو مختلف موضوعات پر مشتمل ہیں، تاہم آپ کا خاص موضوع تاریخ تھا اور پھر تاریخ میں ہندوستان میں اسلام اور مسلمانوں کی آمد آپ کا موضوع خاص تھا۔ اس کتاب کی تدوین میں قاضی صاحب سے راقم نے جابجا کافی استفادہ کیا ہے۔ فرحمہ اللہ تعالیٰ

طور پر واقف ہوئے، ان ہی کے ساتھ یہاں کے ہندوستانی باشندے بھی عام طور پر اسلام سے باخبر ہو کر یا تو مسلمان ہو گئے اور اسلامی زندگی کا جزو بن گئے۔ ویسے بھی اسلام جیسا عالمگیر مذہب جو آیا ہی چھانے کے لیے تھا، کیسے چھپا رہ سکتا تھا، ایسے میں سندھ تک اس کی دعوت اور اس کی شہرت کا پہنچنا کوئی بعید از قیاس بات ہر گز نہیں تھی۔ بلکہ ضرور اور لابدی تھا کہ اسلام یہاں پہنچے کیونکہ ہمسایہ ملک ہونے اور تجارتی تعلقات رکھنے کی وجہ سے یہاں کے لوگوں کا حق بنتا تھا کہ انہیں آگاہ کیا جائے [1]۔

قاضی موصوف آگے مزید لکھتے ہیں کہ عہد رسالت ﷺ میں جس طرح اسلام کا چرچا دیگر ممالک میں ہوا، ہندوستان میں بھی ہوا اور یہاں کے مذہبی لوگوں اور راجوں مہاراجوں نے اسلام اور پیغمبرِ اسلام سے براہ راست تعلق پیدا کرنے کی کوشش کی اور دعوت اسلام سمجھنا چاہا، خود رسول اللہ ﷺ نے یہاں کے لوگوں اور چیزوں کے بارے میں باتیں کیں [2]۔ بزرگ بن شہریار [3] نے عجائب الہند میں لکھا ہے کہ اسی زمانے میں ایک وفد سراندیپ (موجودہ سری لنکا) سے مدینہ روانہ کیا گیا تھا، تاکہ وہ رسول اللہ ﷺ سے خود ملکر اسلام کے بارے میں معلومات حاصل کر لیں، لیکن بد

---

[1] قاضی اطہر مبارک پوری، عرب و ہند عہد رسالت ﷺ میں، ص16، فرید بکڈپو دہلی، 2004ء

[2] مذکور

[3] بزرگ بن شہریار (300ھ) ایک جہاز راں تھا جو اپنے جہاز عرب، سندھ، ہند اور چین وغیرہ ممالک لے جایا کرتا تھا، اس نے عربی زبان میں "عجائب الہند" نامی کتاب لکھی ہے جس میں اس نے اپنے اور اپنے ساتھیوں کے مشاہدات قلمبند کئے ہیں۔ اس کتاب میں واقعی عجیب و غریب باتیں درج ہیں، مثلاً یہ مندرجہ بالا واقعہ کہ رسول اللہ ﷺ نے یہاں سندھ میں پانچ صحابہ بھیجیں، اور یہ کہ اس وقت کے ایک ہندو راجہ نے قرآن مجید کا ہندی میں ترجمہ کیا تھا۔ اور بھی کئی انوکھے واقعات اس کتاب میں پڑھنے کو ملتے ہیں، یہ کتاب 1886ء میں لیدن (بیروت) سے چھپی تھی۔

قسمتی سے وہ وفد بعض عوارض کی وجہ سے دیر سے مدینہ پہنچا کہ جب رسول اللہ ﷺ اور ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ وصال کر گئے تھے۔ وہ وفد خلیفہ وقت امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے ملا، ان سے دین اسلام کی بنیادی معلومات حاصل کیں اور واپس لوٹا ہی تھا کہ مکران میں وفد کا امیر فوت ہوا[1]۔

اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ عہد رسالت ﷺ میں نہ صرف سندھ (پاکستان) بلکہ پورے ہندوستان اور افغانستان (برصغیر) میں اسلام کی خوشبو پھیل چکی تھی۔ مالابار (ہندوستان) کے ایک راجہ جس کا نام زمورن یا سامری تھا، کے بارے میں بھی آتا ہے کہ اس نے اپنے علاقے میں نبی ﷺ کے شق القمر کا معجزہ دیکھا تھا، پھر اس نے معلوم کرنا چاہا کہ یہ کیا عجیب معمہ اس نے دیکھا ہے تو اسے بتایا گیا کہ دراصل عرب میں ایک نبی ظاہر ہوا ہے یہ انہی کا معجزہ ہے۔ چونکہ اس نے خود اپنی آنکھوں سے یہ معجزہ دیکھا تھا لہٰذا یہ سننے کی دیر تھی کہ اس راجا نے فوراً اسلام قبول کر لیا[2] اور اسی پر بس نہیں بلکہ اس وقت اس نے خاتم الانبیاء ﷺ سے ملنے کی ٹھان لی اور یوں تخت سلطنت اپنے ولی عہد کے سپرد کر کے کشتی میں سوار ہو کر ملک عرب کی طرف روانہ ہوا تاکہ زیارت رسول ﷺ سے مشرف ہو سکے لیکن اس سے پہلے کہ وہ عرب پہنچتا، بد قسمتی سے اس نے راستے ہی میں وفات پائی اور یمن کے ساحل پر دفن ہوا[3]۔

---

[1] بزرگ بن شہریار، عجائب الہند، ص 157

[2] اس سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ اس وقت سندھ و ہندھ میں اسلام نہ صرف پہنچ چکا تھا بلکہ ادھر کئی ایک نے اسلام قبول بھی کر لیا تھا کیونکہ اس مذکور راجہ کا ”کسی“ سے پوچھنا اور پھر ”اس“ کی طرف سے معجزے والی بات کا سننا اور اس پر مستزاد اس راجہ کا کسی ”شخص“ کے ہاتھوں مسلمان ہو کر کلمہ پڑھنا، یہ ساری باتیں اس بات کو تقویت دیتی ہیں کہ اس وقت یہاں مسلمان موجود تھے۔ واللہ اعلم

[3] تاریخ سندھ از اعجاز الحق قدوسی، ص 56، اردو بورڈ کراچی، 1995ء

رسول اللہ ﷺ کا پاکستان میں پانچ صحابہ رضی اللہ عنہم بھیجنا

قاضی اطہر مبارک پوری (م1996ء) نے اپنی عربی کتاب العقد الثمین میں مجموع الرسائل نامی ایک کتاب کے حوالے سے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے پانچ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سندھ یعنی موجودہ پاکستان بھیجے تھے، وہ قلعہ نیرن [1] آئے تھے جن کی وجہ سے یہاں کے چند لوگ مسلمان ہو گئے تھے [2]، مذکور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے دو واپس تشریف لے گئے تھے اور تین یہاں سندھ میں رہ گئے تھے جنہوں نے اہلِ سندھ پر اسلام کے احکامات ظاہر کئے اور وہ تینوں یہاں پر فوت ہو کر دفن ہوئے۔ ان کی قبریں یہاں سندھ میں موجود ہیں [3]۔

قاضی صاحب موصوف رحمہ اللہ اس روایت پر تبصرہ کرتے ہوئے آگے لکھتے ہیں کہ اس کی تائید میں کوئی دوسری روایت ہمیں صحابہ رضی اللہ عنہم کے یہاں آنے کی نہیں

---

[1] نیرن یا نیرون، سندھ کا ایک ساحلی شہر تھا جو دیبل سے 75 میل کے فاصلے پر تھا۔ (تاریخ سندھ از مولانا سید سلیمان ندوی ص 49)، جبکہ محمد اسحاق بھٹی کی تحقیق کے مطابق حیدر آباد ہی کو نیرون کہا جاتا تھا۔ (برصغیر میں اسلام کے اولیں نقوش، مکتبہ سلفیہ لاہور، 1990ء، ص 151)۔ غالباً سید سلیمان ندوی صاحب نے اندازے کے مطابق یہ فگر لکھا ہو، حالانکہ حیدر آباد، کراچی سے 100 میل اور 161 کلو میٹر کے فاصلے پر ہے۔ تو اگر دیبل کو ہم منوڑہ کے قریب مان لیں تو پھر یہ 100 میل سے بھی اوپر جائے گا اور یہ بھی ممکن ہے کہ آج کا حیدر آباد، نیرون سے 20، 25 میل کے فاصلے پر آباد ہوا ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ حیدر آباد کی جگہ کوئی اور جگہ ہو، کیونکہ سید صاحب نے حیدر آباد کا نام نہیں لیا، بلکہ یہ تو محمد اسحاق صاحب کی تحقیق ہے۔ کیونکہ سید صاحب نے ساحلی شہر کا ذکر کیا ہے اور ظاہر ہے حیدر آباد ساحلی شہر نہیں۔ واللہ اعلم

[2] جیسا کہ اوپر ذکر ہوا کہ حاکم سکہ امیر عین الدین کے ساتھ چچ کے نامور ساتھیوں نے جنگ سکہ (ملتان کے قریب ایک شہر) میں بھرپور حصہ لیا، امیر کے علاوہ دیگر مسلمان اس جنگ میں شہید ہوئے، تو شاید وہ یہی مسلمان ہو! واللہ اعلم

[3] قاضی اطہر مبارک پوری، العقد الثمین ص 31۔

ملتی۔ اس لیے میرے خیال میں سکھر میں موجود قبور صحابہ رضی اللہ عنہم، ان کی ہو سکتی ہیں۔ راقم کو جناب حامد علی خان صاحب نے بتایا کہ سکھر کے ایک صاحب نے خواب میں دیکھا کہ ایک صحابی رضی اللہ عنہ اسے فرمارہے ہیں کہ کم از کم میری قبر پر بھینس تو نہ باندھا کرو۔ وہ صاحب تبلیغی مرکز چلا گیا اور وہاں کے علماء سے اس خواب کا تذکرہ کیا، تب وہاں کے علماء سکھر چلے گئے اور موقع دیکھا تو واقعی ایسا ہی تھا تب انہوں نے ان قبروں کے گرد ایک چار دیواری بنانے کو کہا جو آج بھی موجود ہے [1]۔ شکار پور میں بھی ایک قبر صحابی کی ہے، وہ بھی ہو سکتی ہے۔یا یہ بھی ممکن ہے کہ دو صحابہ سکھر میں اور تیسرے صحابی شکار پور میں مدفون ہوں، بعض حضرات کا خیال ہے کہ یہ عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ ہیں لیکن یہ دوست نہیں ہے [2]۔ کراچی کے قریب محمود گوٹھ میں بھی کہتے ہیں کہ صحابہ مدفون ہیں [3]۔ڈیرہ اسماعیل خان میں پہاڑ پور کے مقام پر "پیر اصحاب" کے نام سے ایک مزار موجود ہے جس کے متعلق لوگوں کا خیال ہے کہ یہ صحابی

---

[1] جناب محترم حامد علی خان صاحب راقم کے استاد ہیں۔ علاوہ ازیں کراچی میں راقم کو مولانا حمد اللہ صاحب نے بھی بتایا کہ واقعی وہاں دو صحابہ مدفون ہیں۔ یہ مزارات سکھر میں موجود تبلیغی مرکز سے قریباً بیس منٹ کے فاصلے پر ہیں۔

[2] شکار پور میں مدفون صحابی کا نام عمرو بن عبسہ السلمی رضی اللہ عنہ بتایا جاتا ہے جو کہ مشہور صحابی ہیں اور جن سے مشہور حدیث مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ منقول ہے۔(معجم الصحابہ لابن قانع 2/196)۔ تاہم ایک اہم ہے کیونکہ حضرت عمرو بن عبسہ السلمی رضی اللہ عنہ جو اپنے آپ کو رابع الاسلام کہتا تھا یعنی اولین سابقین میں تھے، ان کی تاریخ وفات امام ذہبی نے 61 ھ لکھی ہے(سیر اعلام النبلاء، ص4/83) ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے ان کا مسکن شام لکھا ہے(اسد الغابہ، 3/748)۔

[3] یہ بات راقم کو کراچی میں مفتی زر ولی خان صاحب (مہتمم جامعہ احسن العلوم گلشن اقبال) نے بتائی۔

رسول ﷺ ہیں [1]۔

چھچھ میں مزار اصحاب بابا

علاقہ چھچھ میں گاؤں اصغر ایک چھوٹا سا گاؤں ہے جو دریائے سندھ کے کنارے ہنڈ (صوابی) کے مد مقابل واقع ہے۔ اس میں دریا کے کنارے ایک لمبی قبر اصحاب بابا واقع ہے جس میں کئی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین مدفون ہیں۔ مقامی لوگوں میں سے کئی ایک بزرگوں سے راقم نے معلوم کیا جن میں کئی ایک سو سال کے قریب تھے۔ ایک نوے سالہ بزرگ نے راقم کو بتایا کہ مجھے اپنے ایک سو بیس سالہ دادا نے کہا تھا کہ ہم نے اپنے بزرگوں سے یہی سنا ہے گویا کہ ایک مسلسل صدری روایت تھی۔ تاریخ وادئ چھچھ کے مصنف نے بھی لکھا ہے کہ موضع اصغر میں واقع مزار اصحاب بابا کی لمبائی 26 فٹ ہے اور یہاں کے عوام کا خیال ہے کہ اس قبر کے اندر متعدد صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین مدفون ہیں [2]۔ اسی طرح موضع یاسین میں بھی ایک مزار بنام "اصحاب بابا" مشہور ہے۔ موضع مومن پور میں بھی ایک مزار "چهل غازی" کے نام سے مشہور ہے [3]۔ چونکہ کسی کتاب میں ان کے متعلق کچھ ذکر نہیں ہے اس لیے یقیناً کچھ کہا نہیں جاسکتا تاہم اصغر کے مشاہیر سے جب راقم نے معلومات کیں تو انہوں نے بتایا کہ ہم اپنے مشاہیر سے یہی سنتے چلے آرہے ہیں کہ یہ کئی صحابہ کی مشترکہ قبر ہے۔

---

[1] ڈیرہ اسماعیل خان کے ساکن قاری روزی خان صاحب نے راقم کو بیان کیا۔

[2] سکندر خان، تاریخ وادئ چھچھ، ص 209

[3] مذکور، ص 173

بونیر میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین

بونیر میں ایک جگہ پر بہت ہی پرانا قبرستان ہے جہاں پر ایک قبر کے متعلق مشہور ہے کہ وہ کسی صحابی کا مزار ہے۔ تحقیق کے لیے راقم وہاں گیا اور وہاں کے مؤرخ حیدر علی اخوند خیل سے معلومات کیں، انہوں نے ایک مولانا صاحب کا حوالہ دیا۔ ان سے ملاقات ہوئی تو وہ کہنے لگے کہ یہ تو کراچی سے ایک صاحب تبلیغی جماعت میں آئے تھے تو انہوں نے ہمیں بتلایا تھا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے۔ اس حضرت سے راقم نے رابطہ کیا تو معلوم ہوا کہ مذکور شخص کا تعلق ان لوگوں سے رہا ہے جو خوابوں کی دنیا میں رہتے ہیں، گرچہ پھر مجھے بتایا گیا کہ سوات کے ایک مفتی صاحب بھی یہاں آکر مراقبہ ہوئے ہیں اور انہوں نے بھی تصدیق کی تھی پھر میں نے مفتی وہاب منگلوری سے رابطہ کیا تو انہوں نے تصدیق کی اور کہا کہ ہم نے مراقبہ کیا ہے تاہم راقم کا خیال ہے کہ یہ سب ظنیات ہیں۔ کیونکہ ایسا کوئی اشارہ کسی کتاب میں نہیں ملتا کہ صحابہ کی جماعت اس طرف آئی ہو۔

علاوہ ازیں بنوں، میر انشاہ، راجن پور، بھکر، بھاولپور، میلسی، پنج گور، لسبیلہ، لاہور، پشاور، صوابی اور باجوڑ کے بارے میں بھی مشہور ہے کہ وہاں پر اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی قبریں ہیں۔ اس بارے میں حتمی طور پر کچھ کہا نہیں جاسکتا کیونکہ یہ یہاں کے مقامی لوگوں کا کہنا ہے۔ تاہم جہاں تک تحقیق کا تعلق ہے تو راقم کو اس باب میں عربی، اردو اور انگریزی زبانوں میں موجود سینکڑوں کتابوں کی ورق گردانی اور دیگر مستند رسالوں کے مطالعہ کے دوران ایسی کوئی بات نظر نہیں آئی۔ ہاں اگر مذکور کتابوں کو سامنے رکھ کر اندازہ لگایا جائے تو یہ کہنا بے جانہ ہو گا کہ جہاں جہاں اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم گئے ہیں اور ان کا تذکرہ بھی ملتا ہے تو وہاں ان مقدس ہستیوں کی موجودگی بہت

امکان رکھتا ہے مثلاً بنوں، پنج گور، لسبیلہ، لاہور وغیرہ علاقوں میں عین ممکن ہے اور اس کے علاوہ مقامات کے متعلق کچھ کہنا رَجْمًا بِالْغَیبِ ہو گا، اور وہ اس وجہ سے کہ ان جگہوں کے بارے میں ایسا کوئی اشارہ نہیں ملتا۔ اور جہاں تک بزرگ بن شہریار کی بات ہے تو وہ تیسری صدی ہجری کے ایک سیاح تھے بلکہ ایک جہاز راں تھے، ان کی تاریخ وفات 300ھ ہے، اگر ان کی عمر ستر پچھتر سال بھی لگالی جائے تو ان کی یہاں آمد کا اندازہ ہم 250ھ کے لگ بھگ لگا سکتے ہیں۔ گویا رسول اللہ ﷺ کو دنیا سے پردہ کیے ہوئے ڈھائی سو سال، خلفاء راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کو گزرے ہوئے دو سو سال اور مسلمانوں کا یہاں پاکستان میں ورود کے ڈیڑھ سو سال ہو گزرے تھے، یہ بھی یاد رہے کہ وہ وقت صدری علم کا تھا، اور تمام تر علوم کا دار و مدار روایات پر ہوتا تھا، ہاں مگر اس باب میں راویوں کو خصوصی اہمیت حاصل تھی تبھی تو علم اسماء الرجال اس امت کی خصوصیت ہے۔ اب ظاہر ہے کہ یہ بات انہیں یہاں کسی نے بتائی ہو گی اور یہ بھی ملحوظ خاطر رہے کہ محمد بن قاسم کے ساتھ یہاں جو عرب فاتحین آئے تھے، ان میں بہت سارے عرب یہاں رہ گئے تھے، 150ھ کے لگ بھگ سندھ کی تاریخ پر جو سب سے پہلی اور مستند کتاب "فتح نامہ سندھ" جو کہ چچ نامہ سے معروف ہے، یہ بھی عربی میں ایک عرب ہی نے لکھی تھی، جس کا نام ابوالحسن علی مدائنی تھا۔ جس کی پیدائش 135ھ اور وفات 225ھ ہے۔ تو عین ممکن ہے کہ یہ روایت بھی صدراً اولیٰ صدرِ بزرگ تک پہنچ گئی ہو، یہ بھی امکان رکھتا ہے کہ یہ بات انہیں کسی سندھی نے بتائی ہو یا پھر کسی مولدؔ [1] نے یہ روایت بتائی ہو۔ اصل خبر خبیر ذات کو ہو گی، اس روایت کی چونکہ

---

[1] مولد اس عجمی کو کہتے ہیں جس نے عرب میں پرورش پائی ہو۔

مؤید دوسری کوئی روایت موجود نہیں اس لیے اس پر قطعی یقین نہیں کیا جاسکتا تاہم اس کے امکان میں بھی شائبہ ہے کہ عرب لوگ سندھ اور ہند کے نام اور لوگوں سے چونکہ واقف تھے، اور ان کے آپس کے روابط بھی تھے، اور جب صحابہ کرام مختلف علاقوں اور ملکوں میں یہ عظیم پیغام پہنچا رہے تھے۔ بالخصوص خطبہ حجۃ الوداع کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کی زبان اقدس سے نکلے یہ الفاظ "تم میں سے جو یہاں حاضر ہے، وہ غائب تک میری یہ دعوت پہنچائے"[1]، انہوں نے سر آنکھوں پہ لیے اس لیے عین ممکن ہے کہ اس موقع پر وہاں ایسے عرب تاجر حضرات بھی موجود تھے جو قبل ازیں سندھ آجاچکے تھے۔ انہوں نے اجازت چاہی ہو سندھ جانے کی اور دربار اقدس سے اجازت مل گئی ہو کیونکہ آپ ﷺ کے دیوانے پروانے اصحاب رضی اللہ عنہم ایسے تھے جو آپ ﷺ کے لیے اپنی جان دینا سعادت سمجھتے تھے۔ ان کے لیے آپ ﷺ کے حکم کی تعمیل میں تاخیر یا تاویل ناممکن بات تھی۔ ایسے میں ان کو دنیا کے مختلف حصوں تک اسی عظیم پیغام کو پہنچانے میں تاخیر کسی طرح بھی گوارہ نہیں تھی، بلکہ جونہی یہ الفاظ ان کے کانوں میں پڑے جو صحابہ یہاں پہلے تجارتی سلسلے میں آچکے تھے۔ انہوں نے خود اپنے آپ کو پیش کیا یہاں آنے کے لیے یا پھر رسول اللہ ﷺ نے انہیں اس طرف بھیجا ہو گا۔ قاضی اطہر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ خلافت راشدہ میں ہندوستان میں صغار صحابہ اور کبار تابعین تشریف لائے۔ اصاغر واحداث صحابہ سے مراد وہ حضرات ہیں جو رسول اللہ ﷺ کی حیات مبارکہ میں پیدا ہوئے اور ان کے والدین ان کو خدمت اقدس ﷺ میں لائے اور آپ ﷺ نے ان کے حق میں دعا فرمائی یا کسی

---

[1] بخاری، حدیث 67، 105

اور طریقے سے انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے دیدار کا شرف پایا۔ عہد فاروقی سے عباسی دور تک اس ملک میں صحابہ تابعین اور تبع تابعین کی آمد جاری رہی [1]۔

دشت تو دشت ہیں، صحراء بھی نہ چھوڑے ہم نے
بحر ظلمات میں دوڑا دیئے گھوڑے ہم نے

[1] قاضی اطہر مبارک پوری، خلافت راشدہ اور ہندوستان، اسلامک پبلشنگ ہاؤس لاہور، ص 101، س ط ن

باب دوم

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پاکستان میں

اولین صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی پاکستان آمد

12 ربیع الاول 11 ہجری کو سردار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا سے پردہ فرمایا تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے خلیفہ اول بنے۔ دو سال بعد ان کا بھی انتقال ہوا تو 13 ہجری میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے خلیفہ دوم کی حیثیت سے ذمہ داریاں سنبھال لیں اور اللہ کے خاص فضل و کرم سے انہوں نے خلافت کی یہ بہت بڑی ذمہ داری اس احسن طریقے سے ادا کی کہ دنیا دنگ رہ گئی۔ کیونکہ آپ رضی اللہ عنہ کا زمانہ اقتدار اسلام کا سنہری باب ہے، اس دور زریں میں اسلام دنیا کے مختلف خطوں تک پہنچا اور یوں دیکھتے ہی دیکھے کرہ ارض کے 22 لاکھ مربع میل یعنی 57 لاکھ مربع کلو میٹر حصے پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا تھا۔

حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کی بطرف سندھ توجہ

15 ہجری میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حاکم طائف عثمان بن ابی العاص الثقفی رضی اللہ عنہ کو بحرین اور عمان کا گورنر مقرر کیا[1]۔ قبل ازیں 9 ہجری میں جب عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر مشرف بہ اسلام ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے آپ رضی اللہ عنہ کو بنو ثقیف کا پیشِ امام مقرر فرمایا تھا، پھر آپ رضی اللہ عنہ کی قابلیت کو دیکھ کر آپؓ کو حاکم طائف مقرر فرمایا تھا حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے اور آپ رضی اللہ عنہ اسی عہدہ پر متمکن رہے، یہاں تک کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ

---

[1] ابو حنیفہ احمد بن داؤد الدینوری (282ھ)، الاخبار الطوال، 1 / 133، دار احیاء الکتب العربی القاہرہ، 1960ء

نے آپ رضی اللہ عنہ کو بحال رکھا [1]۔ اور یوں خلیفہ اول حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دو سالہ دورِ حکومت میں بھی آپ رضی اللہ عنہ طائف کے حاکم کی حیثیت سے خدمات انجام دیتے رہے، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ رضی اللہ عنہ کو طائف سے ہٹا کر بحرین اور عمان کی گورنری عطا فرمائی [2]۔ اور طائف میں آپ رضی اللہ عنہ کی جگہ سفیان بن عبد اللہ ثقفی رضی اللہ عنہ کی تقرری فرمائی [3]۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے بھائی حضرت حکم بن ابی العاصی رضی اللہ عنہ کو اپنا نائب مقرر کر کے بحرین روانہ کیا اور خود عمان تشریف لے گئے [4]۔

یہاں آپ رضی اللہ عنہ کے جوہر کھلے خلیج عمان کے سواحل پر سے چونکہ تجارتی جہاز سواحل سندھ و ہند پر برابر آتے جاتے رہتے تھے اور زمانہ قدیم سے تجارت نے ادھر سے ایک دریائی راستہ کھول رکھا تھا، دوسری طرف حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو قدرت نے قابل رشک صلاحیتوں سے نوازا تھا تبھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو کم عمری ہی میں حاکم طائف بنادیا تھا۔ پانچ سال بعد آپ رضی اللہ عنہ نے ان ہی قدرتی استعداد کا استعمال کر کے تاریخ اسلام میں وہ کارہائے نمایاں انجام دیئے جو تا قیامت یاد رکھے جائیں گے۔ آپ رضی اللہ عنہ کا شمار خیار صحابہ میں ہوتا تھا [5]، اور یہ اعزاز آپ رضی اللہ عنہ ہی کو حاصل ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ کی وجہ سے سندھ یعنی پاکستان میں سب سے پہلے مسلم مجاہدوں

---

1. ابو عمرو خلیفہ ابن خیاط البصری (240ھ)، تاریخ خلیفہ ابن خیاط، 1/123، دارالقلم دمشق، 1397ھ
2. ابو جعفر بغدادی (245ھ)، المحبر، 1/127، دارالآفاق الجدیدۃ بیروت، س ط ن / عبد اللہ بن مسلم الدینوری (276ھ)، المعارف، 1/268، الھئیۃ المصریۃ العامۃ للکتاب القاہرۃ، 1992ء
3. تاریخ خلیفہ ابن خیاط، 1/155
4. ایضاً، 1/134
5. امام ابن حزم اندلسی (456ھ)، جمہرۃ الانساب العرب، ص266، دارالمعارف قاہرہ، 1382ھ

یعنی صحابہ کرام نے قدم رکھا۔[1]

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بحری جہاد سے ممانعت

اُن دنوں سمندری سفر میں بہت خطرے تھے، اور ان خطروں کے سد باب کیلئے کوئی ٹھوس وسائل بھی موجود نہ تھے، اس لیے اہل عرب بحری سفر اور خاص کر بحری راستے پر فوجی مہم سے قدرے کتراتے تھے، بلکہ بقول مؤرخ سندھ جناب عبد الحلیم شررؒ، عرب اس سے ڈرتے تھے[2]، گو کہ بعد میں ان سے بڑھکر کوئی جہاز راں بھی نہ تھے لیکن اسلام کے پہلے دور میں حقیقت یہ ہے کہ عرب سمندری جہازوں اور کشتیوں کے ذریعے بہت کم سفر کیا کرتے تھے اور رہی بات فوجی مہم کی، تو اس سے بالکل گریزاں رہتے تھے۔ اور پھر ایک واقعہ ایسا پیش آیا کہ اہل عرب بعد ازاں سمندری سفر سے بالکل مایوس ہوگئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت علقمہ بن محرز مدلجی رضی اللہ عنہ کو قریباً بیس ہزار مجاہدین اسلام کا لشکر دے کر جہاد روم کیلئے سمندری جہازوں میں روانہ کیا تھا لیکن بد قسمتی سے وہ ابھی کچھ ہی فاصلہ طے کر پائے تھے کہ سمندری طوفان نے انہیں آگھیرا، اور وہ سمندری طوفان میں بری طرح پھنس گئے۔ بالآخر وہ سب کے سب اسی سمندری طوفان کی نذر ہوگئے، سوئے قسمتی سے سارے جہاز سمندر میں ڈوب کر غرق ہوگئے اور ان مجاہدین میں سے ایک بھی زندہ نہ بچا[3]۔ حضرت

---

[1] گرچہ بلاذری سمیت کئی ایک مؤرخین نے لکھا ہے کہ حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور میں سندھ پر حملہ کیا تھا لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ حملہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہی کے دور خلافت میں ہوا تھا جیسا کہ مدلل تفصیل آگے درج ہے۔

[2] تاریخ سندھ، ص 83

[3] عبد الرحمٰن بن علی جوزی (597ھ)، المنتظم فی تاریخ الامم والملوک، 4/295، دار لکتب العلمیہ بیروت، 1412ھ

عمر رضی اللہ عنہ کو جب اس جانکاہ حادثے کی خبر پہنچی تو نہایت رنجیدہ ہوئے اور جوش غم میں آکر قسم کھالی کہ آئندہ براستہ بحر کوئی فوجی مہم روانہ نہیں کروں گا[1]۔ یہاں تک کہ جب حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے دریائے نیل کے اُس پاس شہر "خیرہ" آباد کیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ خیال کرتے ہوئے کہ امیر المؤمنین سن کر خوش ہوجائیں گے، اس کی اطلاع دی تو حضرت امیر المؤمنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے یہ اطلاع پاتے ہی حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو جواب میں لکھا کہ ایسے مقام پر قیام نہ کرو کہ میرے اور تمہارے درمیان پانی حائل ہو بلکہ ایسا مقام اختیار کرو کہ میں جب چاہوں، اپنے اونٹ پر سوار ہو کر تمہارے پاس پہنچ جاؤں[2]۔

الحاصل حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس بات کے بالکل قائل نہیں تھے کہ کسی بھی حاکم یا فوجی افسر کو یہ اجازت دی جائے کہ وہ براہِ آب کسی ملک پر چڑھائی کریں۔ لیکن تعجب ہے کہ اس بات کے معلوم ہونے کے باوجود حاکمِ عمان حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ، خلیفہ وقت سے اجازت لیے بغیر سمندری مہم پر جرات کر بیٹھے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے چپکے چپکے سمندری جہازوں کا ایک بیڑا تیار کیا اور اس پر بہادرانِ اسلام کو سوار کر کے سندھ کی طرف روانہ کر دیا۔ ان لوگوں نے سواحل سندھ پر پہنچتے ہی شہر تانہ (تھانہ، ممبئی)[3] پر کامیاب حملہ کیا اور اللہ کے فضل و کرم سے بہت سارا مال غنیمت ساتھ لے کر واپس لوٹے۔ یہ لشکر جب نیل د مرام واپس ہوا تو حضرت

---

[1] تاریخ طبری، 4/112

[2] احمد بن اسحاق یعقوبی (292ھ)، البلدان المعروف بہ تاریخ یعقوبی، 1/169، دارالکتب علمیہ بیروت 1422ھ

[3] یہ بندرگاہ گجرات اور کوکن ممبئی کی سرحد پر واقع ہے۔ (تاریخ سندھ از سید سلیمان ندوی، ص 26)

عثمان رضی اللہ عنہ نے ڈرتے ڈرتے امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خوشخبری سنائی کہ شاید اس کامیابی سے خوش ہو کر وہ آئندہ کے لیے بحری جہاد کا دروازہ کھول دیں مگر خلاف توقع دار الخلافہ سے جو جواب آیا، اس نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی امیدوں پر پانی پھیر دیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خط میں لکھا تھا: اے برادر ثقفی! تم نے یہ فوج نہیں بھیجی تھی بلکہ گویا ایک کیڑے کو لکڑی پر بٹھا کر سمندر میں ڈال دیا تھا۔ بخدا اگر یہ لوگ کسی بھی آفت میں مبتلا ہو گئے ہوتے تو ان کا معاوضہ میں تمہاری قوم سے بھر لیتا[1]۔

اطاعت امیر سے روگردانی یا حکمت

حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے صاحب جبروت اور حامل رعب و جلال خلیفہ کے حکم سے روگردانی اور انحراف بڑی خوفناک جرات کا کام تھا، تاہم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اپنے ارادے سے بالکل باز نہیں آئے، اور سندھ و ہند کی طرف اپنی کارروائیاں جاری رکھیں، جیسا کہ آگے تفصیل آرہی ہے۔ ان کا یہ عزم مصمم میں سمجھتا ہوں کہ اللہ کے راز اور حکمت سے خالی نہیں تھا، ملک سندھ میں اسلام کی سربلندی اور اللہ کا دین پہنچانا اسی پر موقوف تھا۔ کیونکہ اسلام ایک عالمگیر مذہب ہے اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبہ حجۃ الوداع کے موقع پر یہ الفاظ کہ فَلْيُبْلِغِ الشَّاهِدُ الغَائِبَ (تم میں سے جو حاضر ہے، وہ غائب تک میرا یہ پیغام پہنچائے)[2]، جس صحابی کے کان میں پڑے، اس نے سنی ان سنی کرنے کے بجائے دل و دماغ سے یہ بات سنی اور اسے اپنی ذمہ داری سمجھتے ہوئے دنیا کے کونے کونے میں جہاں تک ان کے بس میں تھا، بلکہ اس سے بھی ایک قدم آگے جا کر اس عظیم پیغام کو پہنچانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ اس موقع پر چونکہ

---

[1] تاریخ طبری، 4/112

[2] محمد بن اسماعیل البخاری (156ھ)، الصحیح البخاری، دار طوق النجاۃ دمشق، 1422ھ، حدیث 1739

حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے، تو انہوں نے بھی اس ذمہ داری کا احساس کرتے ہوئے سندھ کے لوگوں تک اسلام کا پیغام پہنچانا اپنی ذمہ داری سمجھا، لیکن دوسری طرف خلیفہ وقت جو کہ ماضی قریب میں ایک دردناک اور افسوس ناک واقعہ کی وجہ سے بحری سفر سے دل برداشتہ ہو چکے تھے، ان کا لحاظ بھی ضروری تھا کیونکہ اسلامی شریعت میں امیر کی اطاعت بھی ضروری ہے، اس لیے انہوں نے دونوں کا پاس رکھتے ہوئے، اللہ سے مدد مانگ کر اور اسی وحدہٗ لاشریک کی ذات پر بھروسہ کرتے ہوئے یہ قدم اٹھایا۔ اگر ہم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شخصیت پر نظر دوڑائیں تو یہ بات پوری طرح واضح ہو جائیگی کہ آپ رضی اللہ عنہ کا شمار اُن خیار صحابہ کرام میں ہوتا ہے، جن پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی غائرانہ نظر پڑی تھی اور جن کی قائدانہ صلاحیت کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تاڑ کر آپؓ کو حاکم طائف بنا دیا تھا، حالانکہ ایک تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نو مسلم تھے اور دوسری بات یہ کہ آپ رضی اللہ عنہ کم عمر بھی تھے [1]۔ اس لیے میرے خیال میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا یہ عمل بالکل درست تھا، ہاں جہاں تک امیر کی اطاعت کی بات ہے، تو آپؓ کو اس بات کا بھی پوری طرح احساس تھا، لیکن آپ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مزاج سے بخوبی واقف تھے، کہ ان کی یہ سختی محض اسلام اور مسلمانوں کے مفاد کیلئے ہے، کہ وہ معمولی فائدے کے لیے بڑے نقصان کا خطرہ مول لینے کے حق میں نہیں ہیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل کی اور دوسری طرف امیر وقت کا لحاظ بھی رکھا کہ جب آپؓ نے اپنی کوشش کر کے خلیفہ وقت کو اس بات پر قائل کرنا چاہا کہ اب اہل عرب سمندری سفر کے قابل بن

[1] تاریخ طبری، 3/98

چکے ہیں، اور جہاں تک حضرت علقمہ بن محرز مدلجی رضی اللہ عنہ کے واقعے کا تعلق ہے تو وہ ایک اتفاقی واقعہ تھا، جس کی وجہ سے ایک اہم کام نہیں چھوڑا جا سکتا۔ اور جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے دوبارہ یہ کوشش کی لیکن پھر بھی جب خلیفہ نہ مانے تب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مجبور ہو کر اپنا ارادہ ترک کر دیا تاہم اس وقت تک آپؓ اپنا کام کر چکے تھے یعنی سندھ کے لوگوں کو اسلام سے روشناس کرا چکے تھے۔

پہلے صحابی حضرت مغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پاکستان آمد

حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ نے ایک بار پھر خطرہ مول لے کر سندھ پر حملہ کی ٹھان لی اور اس بار بھی اس ڈر سے کہ اگر خلیفہ کو بتایا جائے تو عین ممکن ہے کہ وہ پھر ناراض ہو کر ہمارے اس ارادے پر پانی پھیرتے ہوئے شد و مد سے منع کر دیں، اس لیے انہیں کانوں کان خبر نہ ہونے دیا اور ایک اور ناکام کوشش کی کہ شاید اس بار جب مجاہدینِ اسلام کامیاب ہو کر لوٹیں تو ممکن ہے، امیر المؤمنین خوش ہو کر آئندہ کے لیے اجازت دے ہی دیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے چونکہ آپؓ کو یہ دھمکی دی تھی کہ اگر کسی کو کچھ ہو گیا تو میں تمہارے خاندان میں سے ان کا بدلہ لوں گا، لہٰذا آپؓ نے اپنے دو بھائیوں کو دو الگ الگ فوجی دستے دے کر ہند و سندھ روانہ کر دیا۔ پہلے بھائی حضرت حکم بن ابی العاص رضی اللہ عنہ [1] کو ہند کی اہم بندرگاہ بروص (بھڑوچ، گجرات) اور اپنے

---

[1] یہ تصریح بلاذری کی ہے لیکن معجم البلدان میں یاقوت حموی نے لکھا ہے کہ دیبل کی مہم بھی حضرت حکم بن ابی العاص رضی اللہ عنہ نے سر کی تھی (3/481) حالانکہ یہ درست نہیں کیونکہ ایک تو علامہ حموی کے علاوہ کسی اور نے اس کی حمایت نہیں کی گویا یہ علامہ حموی کی سہو یا تفرد ہے۔ کیونکہ چچ نامہ جو کہ 150ھ کے لگ بھگ سندھ کی تاریخ پر لکھی گئی اولیں کتاب ہے، اس میں بھی دیبل پر حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں صحابہ کی یہاں آمد درج ہے۔ اور ایک اور سہو جو کہ علامہ عبدالحیٔ الحسنی (1341ھ) سے ہوئی ہے، وہ یہ کہ انہوں نے اس بات کی تردید کی ہے کہ حضرت حکم گجرات نہیں آئے تھے بلکہ وہ تو ☜

دوسرے بھائی حضرت مغیرہ بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کو سندھ کی اہم بندرگاہ دیبل (قریب کراچی) پر حملہ آور ہونے کے لیے روانہ فرمایا[1]۔

حضرت مغیرہ بن ابی العاص رضی اللہ عنہ نے لشکر اسلام ساتھ لے کر بحرین سے براہ سمندر سندھ کی اہم بندرگاہ دیبل پر حملہ کر دیا۔ حضرت مغیرہ بن ابی العاص رضی اللہ عنہ جب یہاں دیبل آئے تو انہوں نے لشکر کی قلت کے باوجود کمال بہادری دکھائی لیکن چونکہ ایک تو مجاہدین اسلام تعداد میں بہت کم تھے اور دوسری بات یہ کہ انہوں نے کوئی خاص منصوبہ بھی تیار نہیں کیا تھا کیونکہ دیبل ایک ساحلی شہر تھا، یہاں اترتے ہی ایک خاص

لہٰ شہر توج کے فاتح تھے۔ (الاعلام بمن فی تاریخ الہند من اعلام المعروف بہ نزہۃ الخواطر، 1/37، دار ابن حزم بیروت، س ط ن)، اس میں شک نہیں کہ حضرت حکم نے توج شہر بھی فتح کیا تھا جیسا کہ بلاذری نے لکھا ہے (فتوح البلدان، ص374) لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ انہوں نے دیگر شہروں پر حملے نہیں کیے، اور یہ بھی صرف ابو الحسن علی ندوی کے والد کی اختراع ہے۔ اور ان کو یہ غلط فہمی شاید چچ نامہ کے اس بیان سے ہوئی ہوگی جس میں راجہ داہر نے محمد بن قاسم کو خط میں لکھا تھا کہ تم سے پہلے بھی ہم نے ابو العاص بن الحکم کو ختم کر دیا تھا، بعض نسخوں میں یہ نام شاید غلط لکھا گیا ہو یا پھر شاید راجہ داہر کو صحیح نام یاد نہ ہو اور اس کے خط کو لفظ بہ لفظ صاحب کتاب نے نقل کیا ہو، بعد میں سرسری مطالعہ کرنے والوں نے سمجھا کہ چونکہ ابو العاص بن الحکم تو ہیں نہیں البتہ اس سے مراد حکم بن ابو العاص ہی ہیں اور ظاہر ہے کہ یہ حکم اس وقت سندھ آئے نہیں تو یہاں شہید کیسے ہوئے؟ اور مزے کی بات یہ کہ یہ تو بعد میں فتح ایران، افغانستان اور خراسان میں شامل تھے، 50ھ میں خراسان کے والی مقرر ہوئے اور وہیں وفات پائی۔ علامہ بلاذری کے الفاظ یہ ہیں: وكان عفيفا وله صحبة وإنما قال لحاجبه قيل ايتني بالحكم وهو يريد الحكم بن أبى العاصي الثقفي، فلما رآه تبرك به، وقال رجل صالح من أصحاب رسول الله ﷺ فولاه خراسان فمات بها فى سنة خمسين وكان الحكم أول من صلى من وراء النهر. (فتوح البلدان، ص374)

[1] فتوح البلدان، ص442

منصوبے کے تحت حملہ کرنا ہی کامیابی کا ضامن ہو سکتا تھا، اور ایک اہم وجہ جو میں سمجھتا ہوں، تمام وجوہ پر بھاری تھی کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا یہ لشکر گرچہ خاص اپنے اللہ کی رضا کی خاطر سمندر پار آیا تھا لیکن امیر اور خلیفہ وقت کی اجازت اور اطاعت بھی بہر حال ضروری تھی۔ اس لیے یہ تمام تر مجاہدین اسلام یہاں دیبل میں شہید ہوگئے۔ امیر لشکر حضرت مغیرہ بن ابی العاص رضی اللہ عنہ نے گو کہ اپنے لشکر کو حمیت دلاتے ہوئے ہر ممکن کوشش کی ہوگی اور انہیں اس بات پر اکسایا ہوگا کہ وہ کسی طرح بھی شکست کو فتح میں تبدیل کر لیں لیکن نتیجتاً ایسا کرنے میں وہ ناکام رہے کیونکہ ایک تو یہ تعداد میں کم تھے، اور نو وارد ہونے کی وجہ سے کوئی منصوبہ بندی بھی نہیں کی تھی جبکہ دیبل کے حاکم سامہ بن دیوائج نے مکمل منصوبہ بندی کے ساتھ اس آنے والے لشکر کا مقابلہ کیا گرچہ تمام تر صحابہ کرام شہید ہوئے تاہم سندھ (پاکستان) کی سرزمین میں اولیں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ہونے کے ناتے انہوں نے اپنی مبارک شہادت اور مقدس خون سے اسلام کا پیغام پہنچا دیا۔ حقیقت حال سے خبیر ذات ہی کو خوب آگاہی ہوگی کہ کیا ہوا تھا، تاہم ان پاک ہستیوں کو بے اختیار تہ دل سے سلام پیش کیا جاتا ہے جنھوں نے اپنے تن من دھن کی پرواہ کیے بغیر اسلام کا بول بالا کیا اور اعلائے کلمۃ اللہ کیلئے اپنی قیمتی جانوں کا نذرانہ تک پیش کیا، تبھی تو قرآن نے انکی جا بجا تعریف کی ہے۔

حضرت مغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دیبل میں شہادت

اگرچہ مؤرخین کا خیال ہے کہ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے یہاں دیبل میں کامیابی حاصل کی تھی جیسا کہ بلاذری فرماتے ہیں؛

ووجه أخاه المغيرة بْن أبى العاصي إِلَى خور الديبل، فلقي العدو فظفر [1]

[1] ایضاً

لیکن یاد رہے کہ اس عبارت میں کامیابی کے الفاظ درست نہیں کیونکہ حضرت مغیرہ بن ابی العاص رضی اللہ عنہ تو اس معرکے میں شہید ہوئے تھے تبھی تو ان کا نام اس جنگ کے بعد ڈھونڈنے سے بھی کہیں نہیں ملتا کہ بعد ازاں وہ تھے ہی نہیں تو۔ اور جیسا کہ فتح نامہ سندھ جو کہ تقریباً 150 ہجری کے لگ بھگ لکھی گئی سندھ کی تاریخ پر اولیں اور مستند کتاب ہے، اس میں مسلمانوں کے اس اولیں حملہ کے بارے میں یوں لکھا ہے؛

''ان خبروں کے راویوں اور ان روایتوں کے جاننے والوں نے اسی طرح بیان کیا ہے کہ ہند اور سندھ کے شہروں میں لشکر اسلام کی پہلی جنگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے پندرہ سال بعد امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ہوئی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ والی بحرین نے مغیرہ کی سرداری میں سمندر کی راہ سے بحری بیڑہ بحرین بھیجا، تاکہ وہ اس راستے سے دیبل روانہ ہوں۔ اس وقت سندھ کا راجہ چچ بن سیلائج تھا اور چچ کی طرف سے سامہ بن دیوائج دیبل کا حاکم تھا، دیبل کے باشدے تاجر تھے۔ اس وقت راجہ چچ کی حکومت کو 35 برس ہو چکے تھے [1]۔ جب اسلامی لشکر دیبل پہنچا تو اس (شہر کے مقامی لوگوں) نے قلعے سے

---

[1] یہاں پر بھی کاتب سے یا مؤلف سے بھول چوک ہوئی ہے کیونکہ صحیح تحقیق کے مطابق راجہ چچ کو اس وقت حکومت کرتے ہوئے 15 برس ہو چکے تھے کہ وہ ہجرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلے سال سندھ کے بادشاہ بنے تھے اور پورے 40 برس حکومت کرنے کے بعد اسی سال وفات پائی جس سال خلافت راشدہ کا دور ختم ہوا، اس کے بعد اس کا بھائی چندر 8 سال تک حکومت کرتا رہا اور پھر چچ کا بیٹا داہر سندھ کا راجہ بنا اور 93ھ تک وہ شاہِ سندھ رہا۔ لہٰذا یا تو چچ کی حکومت پھر 60 سال ماننا پڑیگی اور یہ درست نہیں کیونکہ اس کی کل عمر تقریباً اتنی بنتی ہے اور یا پھر راجہ داہر کا دور حکومت طویل ماننا پڑے گا کیونکہ اگر یہ 35 سال درست تسلیم کیے جائیں تو جب 40 سال حکمرانی کے بعد 20ھ میں وہ چل بسا اور پھر اس کا بھائی چندر 8 سال بعد فوت ہوا تو داہر کی تخت نشینی پھر 28ھ کو ہوئی ہوگی، اور ظاہر ہے کہ وہ جب مسند تخت آراء

باہر جنگ کی۔ ثقفین میں سے ایک آدمی (1) بیان کرتا ہے کہ جب دونوں لشکر ایک دوسرے کے سامنے ہوئے تب حضرت مغیرہ بن ابی العاص رضی اللہ عنہ تلوار کھینچ کر بسم اللہ اور فی سبیل اللہ کہتے کہتے اور لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔ اس آدمی جو یہ بات نقل کر رہا تھا، سے پوچھا گیا کہ تم تو جنگ کر رہے تھے تو تمہیں یہ خبر کیسے معلوم ہوئی؟ اس نے جواب دیا کہ میں ہاتھوں سے جنگ کر رہا تھا، دل اور آنکھوں سے دیکھ اور کانوں سے یہ حال سن رہا تھا (2)۔ لہٰذا فتوح البلدان اور اس کے بعد والے عرب مؤرخین و مصنفین نے جو یہ لکھا ہے کہ حضرت مغیرہ بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کامیاب ہو کر لوٹے تھے، اس

بقیہ ہو رہا تھا تو اس کی عمر کم از کم بیس برس تو ہوئی ہو گی کہ اس کا باپ 8 سال پہلے مر گیا تھا اور ظاہر ہے کہ ساٹھ سال کے بعد اولاد بھی کم ہی ہوا کرتی ہے، پس اگر ہم اس کی عمر 20 برس بھی تسلیم کر لیں تو یوں اس کی عمر سو سال کے قریب بنتی ہے۔ اور اس عمر میں اس کی اتنی پھرتی، جسمانی اور ذہنی تندرستی کیسی سلامت رہ سکتی ہے۔ اس لیے صواب اور محقق بات یہی ہے کہ اس کی حکومت کو اس وقت 15 برس ہو چکے تھے اور مستشرق ایلیٹ اور عبدالحلیم شرر نے بھی اسی حساب کو درست لکھا ہے۔

(1) یہ آدمی مقامی لگتا ہے جو کہ اس جنگ کا عینی شاہد تھا۔ مزید برآں اس سے چند باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ ایک، چونکہ یہ غیر مسلم تھا اس لیے اس نے عام مستعمل الفاظ بسم اللہ اور فی سبیل اللہ یاد کر لیے اور باقی وہ کلمات جو صحابہ نے دوران جنگ جذباتی ہو کر منہ سے نکالے تھے یا وہ اشعار جو انہوں نے رجز میں پڑھے تھے، وہ اس کو اس لیے یاد نہ ہو سکے کہ وہ عربی میں تھے اور ظاہر ہے کہ یہ لوگ ابھی عربی زبان سے ناشنا تھے۔ دوم، یہ صحابہ تعداد میں بہت زیادہ نہ تھے کیونکہ ایک عام آدمی کو بھی سالار لشکر کا نہ صرف پتہ تھا بلکہ وہ اسے لڑتے اور رجز پڑھتے دیکھ اور سن رہا تھا، یا پھر ایسا بھی ممکن ہے کہ حضرت مغیرہ بن ابی العاص رضی اللہ عنہ سالار لشکر ہو کر سب سے آگے لڑ رہے تھے، سوم، اس آدمی کی یہ گواہی کہ حضرت مغیرہ بن ابی العاص رضی اللہ عنہ بہادری سے لڑتے ہوئے شہید ہوئے، اس بات پہ دال ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی یہ جماعت فتح سے ضرور بہرہ مند ہوئی تھی لیکن وہ فتح معنوی تھی یعنی شہادت سے سرفراز ہوئے تھے نہ کہ شہر پر غلبہ حاصل کر لیا تھا۔

(2) چچ نامہ، ص 101

لیے صحیح نہیں کہ ایک تو اس واقعہ کے بعد حضرت مغیرہ بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کا نام تک پوری تاریخ میں کہیں نہیں ملتا[1]۔ اور دوم، چونکہ حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے غصے اور جلال کا پتہ تھا کہ انہوں نے اِس سے پہلے واقعہ پر اس کو کڑی تنبیہ کی تھی کہ اگر کوئی ایک مجاہد بھی ضائع ہو گیا تو میں اس کا بدلہ تمہارے خاندان سے لوں گا، غرض سختی سے منع کیا تھا، اس لیے تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے ہی بھائیوں کا انتخاب کیا تا کہ پھر خلیفہ کو کوئی شکایت کا موقع ہی نہ ملے۔ سوم، اس معرکے کے عینی شاہد نے ان کی شہادت کی گواہی دی۔ چہارم، اس واقعہ کے بعد جب حضرت مغیرہ بن ابی العاص رضی اللہ عنہ اپنے تمام ساتھیوں سمیت شہید ہو گئے، تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اب کے بار امیر المؤمنین کی دور اندیشی سمجھ گئے اور یوں انہوں نے بھی اپنا ارادہ ترک کر دیا۔ پھر اس کے بعد جب تک حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ زندہ رہے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے پھر کبھی بحری سفر خصوصاً سندھ پر فوجی مہم کے بارے میں کوئی ارادہ نہیں فرمایا۔ اور اس بات کی خبر بھی حضرت امیر المؤمنین کو نہیں دی کہ ان کے پاس اِس بار عذر کیلئے بھی کچھ نہیں بچا تھا۔ اس لیے عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ نے اس واقعہ پر مکمل چشم پوشی اختیار کر لی اور کسی کو بھی اس کا ذکر تک گوارا نہیں کیا کہ ایک تو خود اپنے بھائی کی جدائی پر دکھی تھے اور دوسری اہم بات یہ کہ کہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو

---

[1] یاد رہے اس نام پر ایک اور شخص مغیرہ بن ابی العاصی بن امیہ ہیں، جو کہ خلیفہ سوم حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے چچا ہیں، اور اسکے بیٹے معاویہ کو جنگ احد کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ سے باہر قتل کروایا تھا، باب سوم میں اسکی تفصیل آئیگی انشاءاللہ۔ بہر حال یہ کافر مغیرہ اموی ہے اور مذکور صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت مغیرہ بن ابی العاصی بن بشر بن دھمیان جو دیبل پر حملہ آور ہوئے تھے، وہ ثقفی ہیں۔ (جمہرۃ الانساب لابن حزم، 1/87)

پتہ نہ چلے کیونکہ جیسا کہ عرض ہوا، اب ان کے پاس جواب دہی کے لیے کچھ نہیں بچا تھا۔ یہ تو جب حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ عراق پر حاکم مقرر ہوئے۔ تو انہوں نے حضرت ربیع بن زیاد رضی اللہ عنہ کو یہاں سندھ بھیج دیا، اور پھر یہاں آکر انہیں معلوم ہوا کہ حضرت مغیرہ بن ابی العاص رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے ہیں، چونکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت خلیفہ کے ڈر سے اس بات کو چھپائے رکھا تھا اور یہی بات ظاہر ہے کہ عرب میں تو کسی اور کو معلوم تھی نہیں، اور سندھ سے عرب تب جاکر پہنچی جب یہاں کئی سال بعد اہل عرب آگئے، تو انہیں اس طرح معلوم ہوا کہ مقامی راجہ نے ربیع بن زیاد رضی اللہ عنہ کو بتادیا کہ ہم نے جس طرح تم سے پہلے حضرت مغیرہ بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کا حال کیا تھا، تم لوگوں کا بھی وہی حشر کر دیں گے، یہ بات چچ نامہ سے معلوم ہوتی ہے کہ جب حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا کہ ایسا واقعہ پیش آیا تھا تو انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو باخبر کر دیا کہ ان لوگوں نے حضرت مغیرہ بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا ہے اور وہاں کے حاکم بہت متکبر اور سرکش ہو گئے ہیں لہٰذا آپ سندھ پر حملہ کی اجازت دیجیے تاکہ ہم ان کے دماغ سے سرکشی دور کر دیں اور اپنے بھائی مغیرہ بن ابی العاصی رضی اللہ عنہ کا بدلہ بھی لے لیں لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں سختی سے منع کیا[1]۔ نیز جب راجہ داہر نے محمد بن قاسمؒ کو خط لکھا تو اس موقع پر بھی راجہ داہر نے یہی کچھ کہا تھا کہ تم عرب لوگ اپنے ارادے سے باز آجاؤ ورنہ تمہاری درگت بھی حضرت مغیرہ بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کی طرح بہت بُری ہو گی۔ راجہ داہر کے خط کے الفاظ یہ تھے؛

---

[1] چچ نامہ، ص 101

”یہ خط ہے سندھ کے بادشاہ، ہند کے راجہ، بر و بحر کے حاکم راجہ داہر بن چچ کی طرف سے مغرور اور فریب زدہ محمد بن قاسم کی طرف کہ جو قتل عام اور جنگ کا اتنا شوقین اور بے رحم ہے کہ خود اپنے لشکر پر رحم نہیں کرتا اور سب کو بربادی کے غار کی طرف دھکیل دیا ہے۔ اس سے پہلے ایک دوسرے شخص مغیرہ بن ابو العاص رضی اللہ عنہ [1] کے سر میں بھی ایسا ہی غرور پیدا ہوا تھا اور سیاست کا تیر لے کر آیا تھا۔ اس کے دماغ میں یہ سودا تھا کہ میں سندھ اور ہند فتح کر کے اپنے قبضے میں کرلوں گا لیکن ہمارے ایک ادنیٰ درجے کے ٹھاکر جو دیبل شکار کرنے گیا تھا، نے اسے وہاں قتل کر دیا........ خود کو غرور میں مبتلا نہ کرو ورنہ ہم تمہاری حشر بھی بُدیل [2] کی طرح کریں گے، کہ تم لوگوں میں

---

[1] جیسا کہ پیچھے تفصیل گزر چکی کہ یہاں پر بعض نسخوں میں یہ نام شاید غلط لکھا گیا ہے یا پھر شاید راجہ داہر کو صحیح نام یاد نہ تھا کیونکہ یہ عربی نام ظاہر ہے کہ ان مقامی ہندوؤں کیلئے عجیب تھے اور صاحب چچ نامہ نے اس کے خط کو من و عن یعنی لفظ بہ لفظ نقل کیا ہو، بعد میں سرسری مطالعہ کرنے والوں نے سمجھا کہ چونکہ ابو العاص بن الحکم تو ہیں نہیں البتہ اس سے مراد حکم بن ابو العاص ہی ہیں اور ظاہر ہے کہ یہ حضرت حکم اس وقت سندھ آئے نہیں تو یہاں شہید کیسے ہوئے؟ اور مزے کی بات یہ کہ یہ تو بعد میں فتح ایران، افغانستان اور خراسان میں شامل تھے، 50ھ میں خراسان کے والی مقرر ہوئے اور وہیں وفات پائی۔ بلاذری کے الفاظ یہ ہیں؛ وكان عفيفا وله صحبة وإنما قال لحاجبه قيل ايتني بالحكم وهو يريد الحكم بن أبى العاصي الثقفي، فلما رآه تبرك به، وقال رجل صالح من أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم فولاه خراسان فمات بها فى سنة خمسين وكان الحكم أول من صلى من وراء النهر. (فتوح البلدان، ص374)

[2] حضرت بدیل بن طہفہ بجلی کو حجاج بن یوسف نے محمد بن قاسم سے پہلے سندھ پر حملہ کرنے کی غرض سے بھیجا تھا لیکن وہ دیبل کے مقام پر لڑتے ہوئے شہید ہو گئے تھے۔ ان کا آمنا سامنا راجہ داہر کے بیٹے جیسینہ کے ایک بڑے لشکر سے ہوا تھا، ان کے ساتھ صبح سے لے کر شام تک لڑتے رہے اس دوران انہوں نے کئی کافر واصل جہنم کیے اور آخر میں خود بھی جام شہادت نوش کیا۔ (چچ نامہ، ص 117)

ہم سے مقابلے کی سکت نہیں ہے۔"[1]

مؤرخ سندھ مولانا عبدالحلیم شررؒ کو بھی لگتا ہے کہ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ یہاں دیبل میں شہید ہوگئے تھے، لکھتے ہیں: معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مغیرہ بن ابی العاصی رضی اللہ عنہ شہر دیبل کی لڑائی میں واصل بحق ہوئے تھے[2]۔ مولانا سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنی کتاب "تاریخ سندھ" کے حاشیہ میں بحوالہ چچ نامہ اسی بات کا ذکر کیا ہے کہ حضرت مغیرہ بن ابی العاص رضی اللہ عنہ دیبل میں شہید ہوئے تھے[3]۔ بعض حضرات کے خیال میں حکم بن ابی العاص رضی اللہ عنہ اور مغیرہ بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کے علاوہ ان کے بھائی حاکم بحرین عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ بھی یہاں سندھ تشریف لائے تھے[4]۔

صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے یہاں آنے کا مقصد

اس بحری حملے کے علاوہ کیا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے سندھ پر اور بھی حملے کیے تھے کہ نہیں؟

کون کون صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین یہاں سندھ کب کیسے اور کہاں آئے؟

کیا ان میں جلیل القدر صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی تھے کہ نہیں؟

کیا ان کا مقصد یہاں اسلام کا پیغام پہنچانا تھا بس؟ یا کہ ان سمندری قزاقوں کا سدباب کرنا تھا جو عرب تاجروں کے لیے رکاوٹ تھے اور جو عرب جہازوں پر چھاپے مارتے تھے اور پھر بوقت ضرورت دیبل میں پناہ لیتے تھے؟ اس قسم کے بے شمار ایسے سوالات

---

1. چچ نامہ، ص134
2. تاریخ سندھ از شررؒ، ص84
3. تاریخ سندھ از سلیمان ندویؒ، ص27
4. جمہرۃ الانساب، ص266

22ھ میں ایران کے اکثر صوبے مسلمانوں کے قبضے میں آچکے تھے۔ جس سے حقیقت میں ساسانی سلطنت کا خاتمہ ہو چکا تھا۔ ہاں ابھی مکران، کرمان اور سیستان فتح کرنا باقی تھے۔ اب مجاہدین اسلام کی نظر ان تین صوبوں پر تھی کیونکہ خود یہ صوبے بھی اہم تھے اور یہ کہ تینوں صوبے سندھ کیلئے دروازے کی حیثیت رکھتے تھے۔ جن پر دولت خسروی کے مٹنے کے بعد وہاں کے صوبہ دار جو اس دور میں مرزبان کہلاتے تھے، متصرف تھے۔ اللہ کا کرنا کہ 23ھ میں یہ تینوں صوبے بھی مسلمانوں کے ہاتھوں میں آگئے، اب سندھ پر بری راستے کے ذریعے حملہ آسان ہو گیا تھا۔ مکران پر گرچہ سب سے پہلے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے اپنی عراق کی گورنری کے زمانے میں حضرت ربیع بن زیاد رضی اللہ عنہ کو بھیج کر قبضہ کر لیا تھا مگر چونکہ ابھی اچھی طرح تسلط قائم نہیں ہوا تھا کہ عرب لوگ واپس اپنے وطن چلے گئے، اس لیے پیچھے رہ جانے والوں نے پھر سے بغاوت کر کے ایک چھوٹی سی ریاست قائم کر لی تھی [1]۔ علی بن حامد کوفی فرماتے ہیں کہ حضرت مغیرہ بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت ربیع بن زیاد رضی اللہ عنہ پہلے آدمی ہیں جو سندھ آئے تھے [2]۔ آپ رضی اللہ عنہ کو گورنر عراق حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے 17ھ میں مکران [3] کی طرف روانہ کیا تھا، آپ رضی اللہ عنہ نے یہاں آکر فتوحات کی

---

[1] علی بن محمد بن محمد المعروف بہ ابن اثیر (م630ھ)، الکامل فی التاریخ، 2/424، دار الکتاب العربی بیروت 1997ء

[2] منہاج الدین، ص 73

[3] مکران، موجودہ بلوچستان کا ساحلی علاقہ ہے۔ دیبل کے بعد یہی مقام اس باب میں بہت ہی اہمیت کا حامل ہے جہاں سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سندھ میں ورود کیا۔ اس کی مختصر تاریخ یہ ہے کہ یونانی اس کو "گیڈریا" کہتے تھے۔ یہاں ماہی خور لوگ رہتے تھے۔ ایرانی روایات کے مطابق کیخسرو شاہ ایران نے یہ علاقہ افراسیاب شاہ توران سے فتح کیا تھا اور کوروش (سائرس) اور سیرمس دونوں اس کے بیچ میں سے ☜

ابتدا کی ❶۔ پھر 23ھ میں ممالک مشرقیہ کی طرف بھیجا جہاں آپ رضی اللہ عنہ نے بیروذ اور اھواز فتح کیے ❷۔ اسی دور فاروقی میں آپ رضی اللہ عنہ نے سبی (سندھ) اور عنوہ بھی اسلامی سلطنت میں شامل کر لیے ❸۔ اور جب آپ رضی اللہ عنہ نے سبی فتح کر لیا اور سندھ میں مزید آگے بڑھنے کا ارادہ کیا تو اس وقت سندھ کے راجہ چچ نے آپ رضی اللہ عنہ کو خبردار کیا کہ اگر اس نے ایسی کوئی کارروائی کرنے کی کوشش بھی کی تو اس کا انجام بھی حضرت مغیرہ بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کی طرح برا ہی ہوگا ❹۔ چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ نے اسی وقت گورنر عراق صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو لکھ بھیجا، انہوں نے امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو صورتحال سے خبردار کیا، جنہوں نے سندھ میں مزید پیش

بقیہ گزرے تھے۔ 325 ق م میں ہندوستان سے واپس جاتے ہوئے سکندر نے اس علاقے کو عبور کیا۔ اس کے بعد یہ علاقہ ساسانیوں کے قبضے میں آیا لیکن کبھی کبھار اس کا الحاق سندھ کی ہندو سلطنت سے ہو جایا کرتا تھا۔ صحابہ کی یہاں آمد کے وقت بھی یہ علاقہ سندھ کے ماتحت تھا۔ محمد بن قاسم نے بھی اس راستے سے سندھ پر حملہ کیا تھا۔ 1290ء میں مارکوپولو یہاں آیا تھا۔ اٹھارویں صدی کے وسط میں قلات کے خان احمد زئی نے اس ملک پر اپنی فرمانروائی کا حق قائم کیا اور 1879ء میں کرنل گولڈزمل نے ایران مکران میں حد بندی قائم کر دی۔ مشرقی مکران خان قلات کے ماتحت رہا، گو انگریزوں کی مداخلت اکثر اوقات ضروری سمجھی گئی، تاکہ اس کے اور اد صوبہ کے متسلط قبائل جیجگی، نوشیروان، بزنجانیوں اور میدواریوں کے جھگڑوں کا فیصلہ کر لیا جائے۔ کاشتکاران اراضی یہاں کے بلوچی اور چھوٹے درجے کے قبائل ہیں۔ اس کے مشرقی حصہ کو اب کیچ کہا جاتا ہے جہاں موسم گرما میں سخت گرمی اور موسم سرما میں سخت سردی پڑتی ہے۔ (اردو دائرہ معارف: 21/485)

❶ العقد الثمین، ص 58

❷ الکامل فی التاریخ، 2/425

❸ تاریخ الطبری: 4/184، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب لابن عبد البر: 2/488

❹ چچ نامہ، ص 101

قدمی سے انہیں روکا۔ گرچہ قبل ازیں اسی برس یعنی 23ھ میں حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ نے اپنے بھائی حکم بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کو مکران کی طرف بھیجا تھا اور انہوں نے یہاں آکر کامیابی حاصل کی تھی۔ علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں؛

وفيها فتحت مُكْران، وأميرها الحَكَم بْن عثمان، وهي من بلاد الجبل. (1)

تاہم اس عبارت میں امام ذہبی سے سہو سرزد ہو گیا ہے کیونکہ انہوں نے حضرت حکم بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کے بجائے حکم بن العاص لکھا ہے، میرے خیال میں یہ ''بن'' کی جگہ ''اخو'' تھا۔ جیسا کہ امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کے مشہور شاگرد امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تصحیح کرتے ہوئے لکھا ہے، اپنی معروف کتاب ''البدایہ والنہایہ'' میں رقم کرتے ہیں؛

وَقَالَ شَيْخُنَا أَبُو عَبْدِ اللهِ الذَّهَبِيُّ فِي تَارِيخِهِ فِي سَنَةِ ثَلَاثٍ وَعِشْرِينَ وفيها تحت مَكْرَانُ، وَأَمِيرُهَا الْحَكَمُ بْنُ أَبِي الْعَاصِ، أَخُو عُثْمَانَ، وَهِيَ مِنْ بِلَادِ الْجَبَلِ. (2)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں 23 ہجری میں حضرت حکم بن عمرو غفاری رضی اللہ عنہ کو مکران کی طرف بھیجا گیا۔ آپ رضی اللہ عنہ ایک اعلیٰ درجے کے قابل سیاستدان تھے، آپؓ نے جاکر علاقے کا خوب سروے کیا اور جب آپؓ علاقہ بھر سے بخوبی آگاہ ہوئے تو اس کے بعد آپؓ نے وہاں کے لوگوں کے مزاج سے آگاہی ضروری سمجھی۔ بعد ازاں آپؓ نے وہاں کے لوگوں کی چال ان پر چلائی کہ ان کے اندر اس قدر بد دلی اور مایوسی پھیلا دی کہ ان میں اسلامی لشکر کا مقابلہ کرنے کی سکت باقی نہ رہی الغرض ان میں باہمی پھوٹ ڈال کر تقسیم کر دیا اور یوں بآسانی ان پر حملہ کر کے پورے مکران کو اپنے زیر اثر

---

(1) تاریخ اسلام لامام ذہبی، 3/250

(2) البدایہ والنہایہ لابن کثیر، 7/159

لے لیا۔ بعد ازاں آپ ہی مکران کے والی مقرر ہوئے، گرچہ آپؓ سے قبل بھی حضرت ربیع بن زیاد یہاں آکر کامیاب ہوچکے تھے لیکن وہ کامیابی مستقل نہیں تھی کیونکہ یہ لوگ منافق قسم کے لوگ تھے، اپنے قول کا پاس نہیں رکھتے تھے۔ مسلمانوں کی رحم دلی دیکھ کر سر اطاعت خم کر دیتے تھے اور پھر موقع پاکر بغاوت پر اتر آتے تھے۔ لیکن اس بار حضرت حکم بن عمرو رضی اللہ عنہ نے ایسی یلغار کی کہ مکرانی چکرا گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس جب صحار عبدی رضی اللہ عنہ نے جا کر مال غنیمت پہنچا کر خوشخبری سنائی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ بہت خوش ہوئے اور صحار عبدی رضی اللہ عنہ سے یہاں کے حالات دریافت کیے۔ حضرت صحار رضی اللہ عنہ کے جواب پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سندھ میں مزید پیش قدمی سے منع فرمایا۔ مکران کا یہ حصہ موجودہ بلوچستان میں شامل تھا۔ اس وقت یہاں کا حکمران ہندو راجہ راسل تھا۔ اور مکران اس وقت ملک سندھ کا ایک اہم صوبہ تھا۔

حضرت سہل بن عدی رضی اللہ عنہ نے حضرت عبد اللہ بن عبد اللہ بن عتبان رضی اللہ عنہ کی معیت میں کرمان پر اس زور سے حملہ کیا کہ وہاں کے لوگ اسلامی فوج کی تاب نہ لاکر شکست کھا گئے۔ دریں اثناء نسیر بن عمرو عجلی رضی اللہ عنہ نے وہاں کے مرزبان کا کام تمام کر دیا۔ اور مسلمانوں نے وہاں پر اسلامی علم بلند کر دیا۔ دوسری طرف عاصم بن عمرو رضی اللہ عنہ نے حضرت عبد اللہ بن عمیر رضی اللہ عنہ کی معیت میں سیستان کا رُخ کیا[1]۔ اور اللہ کے

---

[1] ملک سیستان تاریخ میں جس کے دوسرے نام سجستان، سکستانہ اور نیمروز بھی مذکور ہیں، یہ ایران کے مشرق، خراسان کے جنوب اور سندھ کے مغرب میں واقع تھا۔ یہ انگریزوں کے دور تک اپنی حالت پر تھا، اس کا کل رقبہ 7006 مربع میل تھا۔ اور جب 1872ء کے "سیستانی مشن" کی مجوزہ کاغذی حد بندی کی وجہ سے یہ دو ملکوں میں منقسم ہوا تو اس کا 2847 مربع میل علاقہ ایرانی اور 4159 مربع میل افغانی حصہ میں آیا۔ (اردو دائرہ معارف ا؛ 11/517)

فضل وکرم سے پہلی ہی لڑائی میں دشمنوں کو شکست ہوئی اور وہ اپنے شہر زرنج میں محصور ہو گئے۔ آخر محاصرے سے تنگ آکر وہاں کے حاکم نے سر اطاعت خم کر لیا اور مسلمان ان پر خراج مقرر کر کے واپس ہوئے۔ ان دونوں ملکوں کے فتح ہونے کے بعد حضرت حکم بن تغلبی رضی اللہ عنہ نے مکران پر فوج کشی کی۔ حضرت حکم رضی اللہ عنہ سرحد مکران میں داخل ہوئے ہی تھے کہ شہاب بن مخارق رضی اللہ عنہ اور سہیل بن عدی رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن عبداللہ بن عتبان رضی اللہ عنہ جو کہ کرمان اور سیستان کی مہمیں سر کر چکے تھے، ان سے آکر ملے۔ اُدھر شاہِ مکران نے راجہ سندھ سے مدد مانگ لی۔ راجہ سندھ نے اپنے ایک معتمد اور بہادر جرنیل کو ایک پہاڑی فوج دے کر بڑے جوش وخروش کے ساتھ ان کی مدد کے لیے بھیجا۔ دونوں فوجیں آمنے سامنے ہوئیں اور گھمسان کی جنگ لڑی گئی۔ گرچہ مقامی لوگوں نے بڑی پامردی سے جنگ کی لیکن ناکامی ان کی تقدیر میں لکھی تھی، نہ صرف شاہِ مکران جس کا نام رتبیل تھا، ڈھیر ہوا بلکہ بڑے غرور میں آئے ہوئے سندھ کے راجہ اور اس کے لشکر جرار کا بھی براحشر ہوا۔ سندھی اور مکرانی شکست کھا کر منتشر ہوئے اور بہت سارے ان میں سے بھاگ نکلے، مجاہدین نے ان کا تعاقب کیا اور جہاں پایا، وہاں انہیں قتل کر دیا۔ میدان جنگ میں لاشیں ہی لاشیں پڑی تھیں، ہر طرف خون ہی خون تھا۔ حضرت حکم نے مالِ غنیمت میں سے خمس جدا کیا اور حضرت صحار عبدی رضی اللہ عنہ کی حفاظت میں حضرت امیر المؤمنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں روانہ کیا، جونہی یہ مدینہ پہنچے تو وہاں خوشی کی ایک لہر دوڑ گئی اور اللہ کا شکر ادا کیا گیا۔ وہ تمام مال بیت المال میں داخل کیا گیا۔ [1]

---

[1] ایضاً، 2/425

حضرت عبد اللہ بن عامر بن کریز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کرمان پر حملہ

حضرت عبد اللہ بن عامر بن کریز بن ربیعہ رضی اللہ عنہ نے کرمان پر حملہ کیا۔ کرمانیوں نے اپنی بہادر کوہستانی قوموں کوج اور بلوچ کو مدد کیلئے بلایا لیکن ان کی کمک سے کوئی خاص فائدہ نہیں ہوا اور یوں حضرت عبد اللہ بن عامر رضی اللہ عنہ برابر کرمان میں گھستے اور آگے بڑھتے گئے اور سرکشوں کو تہہ تیغ کرتے چلے گئے۔ گویا وہ بجلی بن کر آئے اور دیکھتے ہی دیکھتے پورے کرمان پر چھا گئے [1]۔ کرمان [2]، مکران اور سیستان تینوں صوبوں میں گرچہ اس سے قبل اسلامی لشکر نے فتوحات حاصل کرلی تھیں لیکن جونہی مسلمان یہاں سے واپس ہوئے، یہ لوگ پھر سے سرکش ہوکر بغاوت پر اتر آئے۔ لیکن اس بار جب مسلمان مجاہدین نے ایک خاص منصوبے کے تحت مذکورہ تینوں صوبوں پر چڑھائی کا فیصلہ کرلیا اور اللہ کے فضل سے انہیں ہر ڈگر پر فتح نصیب ہوئی۔ اور یوں یہ تینوں صوبے اسلامی سلطنت کا حصہ بنے۔ حافظ ابن اثیر (م 630ھ) نے اپنی کتاب الکامل فی التاریخ میں یہ تمام واقعات بڑی تفصیل سے لکھے ہیں۔

---

[1] ایضاً، 2/424

[2] کرمان، ایران کے ایک اہم صوبے اور اس موجودہ صدر مقام کا نام ہے۔ شہر کا نام بعد میں صوبے کے نام پر رکھا گیا۔ گرچہ اس کا عام تلفظ کرمان کیا جاتا ہے لیکن اہل علم بالخصوص عرب اہل قلم اسے کرمان بتاتے ہیں۔ اس کی وجہ تسمیہ کے بارے میں بھی کئی اقوال ہیں؛ یہ لفظ کرمنیہ سے ماخوذ ہے جو ایک قدیم دارالحکومت کے نام کرمنہ سے مشتق بتایا جاتا ہے، البتہ عرب لکھاریوں نے اس کو کرمان بن مفلوج کے نام پر موسوم بتایا ہے جو یافث کی نسل میں سے تھا، کہتے ہیں کہ وہ یہاں آکر آباد ہوگیا تھا۔ مابعد کی مقبول اشتقاقات میں اس کا تعلق اسم کرم سے بتایا گیا ہے جس کے معنی ہیں کیڑا یا اژدہا۔ اس کا اشتقاق قصہ ہفتان بخت اور کرمان کے اس اژدہے سے کیا گیا ہے جس کا ذکر اردشیر کے افسانے میں ملتا ہے۔ (اردو دائرہ معارف: 17/240)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سندھ کے حالات دریافت کرنا

حضرت صحار عبدی رضی اللہ عنہ چونکہ سندھ کے خاص اور اہم صوبے مکران کی سرزمین کو دیکھ چکے تھے۔ اور انہیں یہاں کے لوگوں اور مقامات کا خاصہ تجربہ ہو چکا تھا، لہٰذا جب وہ بارگاہِ خلافت میں پہنچے تو امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان سے ملک سندھ کے حالات دریافت کیے۔ حضرت صحار عبدی رضی اللہ عنہ نے بڑی فصاحت وبلاغت اور جامع ومانع الفاظ میں عرض کیا:

يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ، هِيَ أَرْضٌ سَهْلُهَا جَبَلٌ، وَمَاؤُهَا وَشَلٌ، وَتَمْرُهَا دَقَلٌ، وَعَدُوُّهَا بَطَلٌ، وَخَيْرُهَا قَلِيلٌ، وَشَرُّهَا طَوِيلٌ، وَالْكَثِيرُ فِيهَا قَلِيلٌ، وَالْقَلِيلُ فِيهَا ضَائِعٌ، وَمَا وَرَاءَهَا شَرٌّ مِنْهَا. فَقَالَ: أَسَجَّاعٌ أَنْتَ أَمْ مُخْبِرٌ؟ لَا وَاللهِ لَا يَغْزُوهَا جَيْشٌ لِي أَبَدًا. وَكَتَبَ إِلَى سُهَيْلِ وَالْحَكَمِ بْنِ عَمْرٍو: أَنْ لَا يَجُوزَنَّ مُكْرَانَ أَحَدٌ مِنْ جُنُودِكُمَا[1].

"اے امیر المؤمنین! میں اس سرزمین یعنی سندھ ومکران کے حالات خود اپنی آنکھوں سے دیکھ کر اور دریافت کر کے آیا ہوں، وہاں کے حالات کا خلاصہ یہ ہے کہ وہاں کی زمین ریگستان ہے، پانی کی کمی ضرور ہے لیکن میوہ جات کی البتہ بہتات ہے۔ اس کے چور ہوشیار اور جری ہیں۔ وہاں پر خیر بہت کم اور شر بہت زیادہ ہے۔ اگر وہاں تھوڑی فوج بھیجی جائے تو ضائع ہونے کا خدشہ ہے (کہ وہاں کے لٹیرے بہت شاطر ہیں) اور اگر زیادہ بھیجی جائے تو بھوکوں مرنے کا اندیشہ ہے (کیونکہ وہاں کی آب وہوا اہلِ عرب کو راس نہیں، اور دوسری وجہ یہ کہ وہاں پانی کی بھی قلت ہے)۔ (یہ تو سندھ کے اِس پار یعنی مکران کا حال ہے حالانکہ) اس کے آگے والے علاقے (باقی سندھ)

---

[1] ایضا، 2/425

بھی شر سے خالی نہیں۔"

چونکہ یہ سارے الفاظ مقفیٰ و مسجع تھے اس لیے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے یہ سنا تو صحار عبدی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ تم وہاں کے حالات بیان کر رہے ہو کہ شاعری کر رہے ہو؟ حضرت صحار عبدی رضی اللہ عنہ نے جب سنجیدگی سے دوبارہ تصدیق کی تو امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سنتے ہی قسم کھائی کہ اللہ کی قسم! کوئی بھی لشکر وہاں کبھی بھی ہمارے لیے نہیں لڑے گا۔ اور پھر انہوں نے فوراً سہیل بن عدی رضی اللہ عنہ اور حکم بن عمرو رضی اللہ عنہ کو لکھ بھیجا کہ خبردار آگے بڑھنے سے گریز کرو اور تم میں سے ایک شخص بھی مکران کی حدود سے آگے نہ بڑھے [1]۔ مؤرخ بلاذری نے اس واقعہ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے منسوب کیا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے عراق کے والی حضرت عبداللہ بن عامر بن کریز رضی اللہ عنہ کو لکھ بھیجا تھا کہ کسی معتبر اور دانا آدمی کو سندھ روانہ کرو کہ وہ وہاں کا جائزہ لے کر ہمیں حالات سے آگاہ کر دیں۔ لہٰذا حضرت عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے حضرت حکیم بن جبلہ رضی اللہ عنہ کو سندھ بھیج دیا تھا، جنہوں نے واپس آکر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر مذکورہ تقریر کی جو یہاں صحار عبدی رضی اللہ عنہ کی زبانی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے بیان کی گئی۔ لیکن بلاذری کا یہ بیان قرین قیاس نہیں کیونکہ

---

[1] مکران کی وجہ تسمیہ تو راقم کو نہیں مل سکا، شاید یہ بھی کرمان کی طرح مکران نامی کسی شخص کے نام پر موسوم ہو۔ تاہم ایک علمی لطیفہ اس بارے میں عرض کر دوں کہ اُس وقت یہاں کے لوگ چونکہ اپنی دھوکہ دہی اور مکر و فریب میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے، اس لیے تو عربی، ہندی، سنسکرت اور اردو زبانوں میں بھی یہی لفظ "مکر" بعینہٖ بمعنی حیلہ، دھوکہ، نفاق، دورنگی، چالاکی اور عیاری مستعمل ہے۔ عجیب اتفاق دیکھئے کہ اس زمانے میں اہل مکران بھی ان ہی صفات کے حامل تھے۔ اس لیے عین ممکن ہے کہ یہ مکر لفظ یہاں سے لیا گیا ہو، یا پھر اس جگہ کا نام اہل عرب نے انکی مکر کی وجہ سے ایسا ایک نام رکھا ہو جو بعد میں مکران میں تبدیل ہو گیا ہو۔ واللہ اعلم

ایک تو اس بیان میں وہ متفرد ہیں بلکہ میرے خیال میں بلاذری نے چچ نامہ سے اقتباس لیا ہے جس میں یہ بھی لکھا ہے کہ کسی صائح، پاک دامن اور عقلمند آدمی کو بھیج دینا[1]۔ اور ظاہر ہے کہ حکیم میں یہ تینوں نہیں تھے وگرنہ وہ کیوں حضرت ذوالنورین رضی اللہ عنہ جیسی ہستی کے خلاف جاتے دوسرے یہ کہ حکیم بن جبلہ عبدی کا نام خلافت عثمانی کے دور کے نامور حضرات میں بہت کم نظر آتا ہے اور اگر نظر آتا بھی ہے تو کسی کارنامے میں نہیں، اور نہ ہی محبوب لوگوں میں بلکہ اس کا شمار ان لوگوں میں آتا ہے کہ جو مبغوض اور نفرت کے قابل ہیں، کیونکہ وہ تو حضرت ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے سخت مخالفوں اور جانی دشمنوں میں سرفہرست تھا۔ خود سوچیۓ کہ ایک ایسے شخص سے کیسے توقع رکھی جاسکتی ہے کہ وہ "معتمد و معتبر" ہو کر امیر کی اطاعت کرے؟ باغیانہ طور پر خروج کرنے والوں میں حکیم بن جبلہ بھی تھا جو کہ باغیان بصرہ پر ایک سردار کی حیثیت رکھتا تھا۔ پھر جنگ جمل میں یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف لڑا۔ اور لڑائی میں یہ امی عائشہ رضی اللہ عنہا کو اعلانیہ گالیاں دیتا تھا۔ یہاں تک کہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے ہمرائیوں میں سے کسی نے اسکی ٹانگ اڑادی اور اسی زخم سے نذر اجل ہوا[2]۔ بہر تقدیر ایسے شخص کے ہاتھوں بھلا کیسے خود حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ یا آپؓ کے کوئی گورنر اور گورنر بھی ابن عامر رضی اللہ عنہ جیسے دانا اور زیرک آدمی، خلافت کا ایک اہم کام سرانجام دینے کو سونپے؟ یہ بات بہت عجیب لگتی ہے۔ عبدالحلیم شررؒ نے بھی اس کی شد و مد سے تردید کی ہے، لکھاہے "سب سے زیادہ ثبوت بلاذری کے بیان کے غلط ہونے کا یہ ہے کہ جو حالات بیان کیے گئے ہیں یہ مکران کی حالت سے زیادہ مطابق پائے جاتے ہیں۔ اسلئے کہ وہاں ریگستان بھی ہے،

---

[1] چچ نامہ، ص 101

[2] الکامل فی التاریخ لابن اثیر، 2/529

پانی کی کمی بھی ہے اور وہاں کے ڈاکو بھی اس عہد میں مشہور تھے، بر خلاف سندھ کے، اسلئے کہ سندھ کی نسبت کوئی واقف کار ایسے خیالات ظاہر نہیں کر سکتا"۔ [1]

تاہم تحقیق کا ایک اور رُخ بھی ہے کہ اس میں کوئی تعارض بھی تو نہیں اور وہ یوں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور میں حضرت صحار عبدی رضی اللہ عنہ سے پوچھا ہو، اور پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت حکیم بن جبلہ رضی اللہ عنہ سے الگ سے اور ایک بار پھر دریافت کیا ہو، اس میں کوئی تضاد نہیں کیونکہ دونوں قبیلہ عبد القیس سے تعلق رکھتے تھے اور بلاغت و فصاحت میں امام و ممتاز تھے، نیز تجربہ کار بھی تھے جیسا کہ تیسرے باب میں ان کے تراجم میں تفصیل آئے گی۔ اور رہی بات حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت حکیم بن جبلہ رضی اللہ عنہ کی آپس میں چپقلش کی تو اس بات کے تو ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے جانی دشمن بھی قائل ہیں کہ ان سے گرچہ بہت سارے لوگوں کو نفرت تھی لیکن اللہ کے اس پاک صاف انسان کے دل میں کسی کیلئے بھی کسی قسم کی کوئی کدورت تک موجود نہیں تھی۔ کیونکہ دوہرے دامادِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تو خاص اور محض اللہ کی رضا کیلئے خلافت کر رہے تھے۔ اس لیے میرا خیال ہے کہ دونوں الگ سے واقعات ہیں [2]۔ بلکہ تاریخ میں تو اسی قسم کا سوال و جواب حجاج بن یوسف اور ایوب بن یزیدؒ کے بارے

---

[1] تاریخ سندھ، ص88

[2] حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ تو اس قدر رحم دل تھے کہ قتل کے دنوں میں بھی جب آپ کو پورا یقین ہو چلا تھا کہ مجھے بہر حال قتل کیا جائے گا۔ آپ کے انہی ایام کی بات ہے کہ آپ فَصَعِدَ يَوْمًا عُثْمَان على السَّطْح فَسمع بعض النَّاس يَقُول ابْتَغوا إِلَى قَتله سَبِيلا فَقَالَ وَالله مَا أحل الله وَلَا رَسُوله قَتْلِي سَمِعت رَسُول الله ﷺ يَقُول لَا يحل دم امْرِئ مُسلم إِلَّا بِإِحْدَى ثَلَاث كفر بعد إِسْلَام أَو زنا بعد إِحْصَان أَو قتل نفس بِغَيْر نفس وَمَا فعلت من ذَلِك شَيْئا ثمَّ قَالَ لَا أخلف رَسُول الله ﷺ فِي أمته بإراقة محجمة دم حَتَّى أَلْقَاهُ يَا معشر أَصْحَاب رَسُول الله.(الثقات لابن حبان 2/ 260)

میں بھی منقول ہے جو تقریباً 84ھ میں پیش آیا۔ بہر حال بعض بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ جب صحار عبدی رضی اللہ عنہ دربارِ خلافت جارہے تھے تو یہاں کے مجاہدین اسلام نے اُن کے ذریعے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں یہ پیغام بھی بھیجا کہ اگر امیر المؤمنین کی اجازت ہو تو وہ سندھ کے آگے والا علاقہ اور ہند کے ملک پر فوج کشی کریں کیونکہ اب تو نہ بحری سفر کا ڈر تھا اور نہ ہی یہاں کے مقامی لوگوں کی چالوں کا، بلکہ اب تو مسلمان یہاں کے ہر چیز سے واقف ہو چکے تھے۔ جب حضرت صحار رضی اللہ عنہ نے خلیفہ کے سامنے مجاہدین کی یہ درخوست پیش کی تب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اُن سے مکران، سندھ اور ہند کے حالات معلوم کرنا چاہے، لیکن جب خلیفہ رضی اللہ عنہ یہاں کے حالات سے باخبر ہوئے تو آپ رضی اللہ عنہ نے انہیں آگے بڑھنے سے منع فرمایا اور سختی سے تاکید فرمائی کہ تمہارے لشکر سے ایک بھی شخص آگے نہ چلے، ہمیں کوئی ضرورت نہیں آگے بڑھنے کی اور وہاں جہاد کرنے کی۔ اور یوں والی عراق حضرت عبد اللہ بن عامر بن کریز رضی اللہ عنہ نے مجاہدین اسلام کو مزید کارروائی سے منع فرمایا[1]۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اس ممانعت کی وجہ سے مسلمان مکران سے آگے نہ بڑھ سکیں۔ ورنہ ان کی تلوار کے سامنے کسی کی کیا مجال تھی کہ ٹھہر جائے۔ ان کا لشکر مکران ہی

---

[1] یاد رہے کہ حضرت عبد اللہ بن عامر بن کریز رضی اللہ عنہ اور عبد اللہ بن عامر بن ربیعہ ایک ہی ہیں کیونکہ آپ کا پورا نام اس طرح ہے؛

حضرت عبد اللہ بن عامر بن کریز بن ربیعہ بن حبیب بن عبد الشمس (الکامل فی التاریخ لابن اثیر 2/472)۔ البتہ کسی مؤرخ نے صرف عبد اللہ بن عامر لکھ دیا، کسی نے عبد اللہ ابن عامر، اور کسی نے عبد اللہ ابن کریز اور کسی نے عبد اللہ ابن ربیعہ...... بہر تقدیر یہ سارے نام ایک ہی صحابی کے ہیں، بعض حضرات اس سے دھوکہ کھا گئے ہیں جیسا کہ مؤرخ سندھ مولانا عبد الحلیم شرر صاحب غلط فہمی کا شکار ہو گئے ہیں۔ دیکھئے ان کی تاریخ سندھ ص 88

میں ٹھہر گیا اور آگے سندھ و ہند نہ جا سکا، وگرنہ شاید اسی سال سندھ و ہند پر اسلام کا غلبہ ہو جاتا۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نہیں چاہتے تھے کہ ان کے سپاہی خوامخواہ مصیبت میں پڑ جائیں اور ویسے بھی انہیں یہاں سے کوئی خاص فائدہ نظر نہیں آرہا تھا جتنا نقصان کا اندیشہ موجود تھا۔ بحری جہاد سے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پہلے ہی سے منع فرمایا تھا، خشکی کے راستے فوج کشی کا ایک آپشن رہ گیا تھا، وہ بھی حضرت صحار عبدی رضی اللہ عنہ کے اس بیان سے مسدود ہو گیا۔ اور جب تک حضرت عمر رضی اللہ عنہ موجود تھے کسی نے اس طرف دھیان تک دینے کی بھی جرات نہیں کی۔

عہدِ عثمانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

اسی سال یعنی 23ھ کے آخری دنوں میں خلیفۃ المسلمین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ پر قاتلانہ حملہ ہوا، جس سے آپ رضی اللہ عنہ اس قدر زخمی ہوئے کہ جس سے جانبر ہونے کے بجائے وہی خطرناک وار آپ رضی اللہ عنہ کی رحلت کا سبب بنا، اور یوں آپ اگلے ہجری سال کے پہلے دن یعنی یکم محرم 24ھ کو شہید ہوئے۔ آپ رضی اللہ عنہ کے بعد 3 محرم 24ھ کو دوہرے دامادِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے تیسرے خلیفہ منتخب ہوئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے 25ھ میں حضرت عبد اللہ بن عامر بن کریز رضی اللہ عنہ کو ایک بار پھر سیستان کی جانب جہاد کے لیے روانہ کیا جو کہ آٹھ سال پیشتر سیستان کے فاتح بن کر لوٹے تھے۔ سیستان جس کا اکثر حصہ آج کے افغانستان میں شامل ہے، اس وقت بھی اس کا اہم شہر کابل ہی تھا۔ لہٰذا حضرت ابن عامر رضی اللہ عنہ نے جا کر ہی کابل پر حملہ کیا اور اسے ایک بار پھر فتح کیا، کیونکہ یہاں کے لوگ پھر سے سرکشی اختیار کر چکے تھے۔ گرچہ کابلیوں نے بڑی دلیری سے مقابلہ کیا لیکن غلبہ مسلمانوں ہی کا رہا اور

بالآخر کابل پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا[1]۔

یہ خشکی کے راستے سندھ (پاکستان) کا دوسرا پھاٹک تھا مکران کے بعد۔ کیونکہ ہلمند تک تو سندھ کی ملکیت تھی اور اس کے اُس پار تو علاقہ سیستان، کابل اور زابلستان تھا پھر اس کے بعد خراسان کا ملک آتا تھا۔ کابل پر مسلمانوں نے قبضہ کر تو لیا لیکن اس بار بھی یہ قبضہ عارضی ہی تھا کیونکہ جونہی مسلمان وہاں کے لوگوں پر جزیہ لاگو کر کے واپس چلے گئے تو کابلیوں نے پھر سے خود سری کر کے بغاوت کر لی۔ یہاں یہ حالت تھی جبکہ وہاں چار سال بعد 29ھ میں لوگوں نے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ والی بصرہ کی شکایت اس زور و شور سے کی کہ خلیفۃ المسلمین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مجبور ہو کر ان کو معزول کر کے ان کی جگہ عبد اللہ بن عامر رضی اللہ عنہ کو مامور کر دیا[2]۔ عبد اللہ بن عامر رضی اللہ عنہ، حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی طرح زاہد شب زندہ دار اور عزلت نشین شخص تو نہ تھے لیکن وہ ایک ایسے مجاہد تھے جو بچپن ہی سے مشق سپہ گیری کی وجہ سے اعلیٰ کردار کے حامل فوجی جنرل بن گئے تھے۔ ابھی ان کی عمر صرف پچیس برس تھی۔ اور دل میں اولو العزمی کے جذبات بھرے تھے، جن کے ابھرنے کیلئے بصرہ کی گورنری کا میدان کافی وسیع تھا۔ اس وجہ سے اسلام کے وہ تمام مقبوضات جو مشرق کی طرف تھے سب والی بصرہ کے ماتحت ہوتے تھے اور ادھر کے تمام ممالک میں جتنے والی مقرر و مامور ہوتے تھے، سب کو احکام خلافت والی بصرہ کے انتخاب سے جاری ہوتے تھے، گویا وہ اس دور کا گورنر جنرل ہوا کرتا تھا جس کے تحت تمام مشرق ممالک کے گورنر ہوا کرتے تھے اور مکران اور سندھ وغیرہ ممالک بھی اسی کے ماتحت تھے۔ اسی طرح مغربی

---

[1] الکامل فی التاریخ لابن اثیر، 2/529

[2] تاریخ خلیفہ ابن خیاط، 1/204

ممالک کے لیے مصر کی گورنری تھی، یہاں کے گورنر جنرل فاتح مصر حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ تھے [1]۔ لہٰذا افریقہ اور بعد میں یورپ یعنی اندلس (سپین) وغیرہ ممالک کے حکام کا انتخاب و تقرر مصر سے ہوا کرتا تھا۔ یہ سلسلہ بنو امیہ کے دور تک جاری رہا پھر بنو عباس نے یہ طریقہ بدل دیا اور گورنر خراسان کو یہاں کا گورنر جنرل بنا دیا گیا [2]۔

حضرت ابن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا والی خراسان مقرر ہونا

حضرت عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے اس عہدے پر ممتاز ہوتے ہی اس دیرینہ اور حل طلب مسئلے کا بندوبست کرنا چاہا کیونکہ وہ چونکہ خود ان علاقوں میں رہ چکے تھے اسلئے انہیں ان ممالک کا خوب اندازہ تھا۔ اور انہیں اس بات کا بھی اندازہ ہو چکا تھا کہ انکی فتوحات کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ یہی صورتحال تھی جن کا سدباب بہرحال ضروری تھا۔ اس لیے انہوں نے سب سے پہلے حضرت عبداللہ بن عمیر لیثی رضی اللہ عنہ کو والی سیستان مقرر کیا۔ ابن عمیر رضی اللہ عنہ ایک بہادر فوجی آفیسر تھے۔ قدرت نے جنہیں قابل رشک صلاحیات سے نوازا تھا۔ لہٰذا وہ بجلی کی طرح آئے اور گرجتے ہوئے کابل اور تمام ملک سیستان پہ چھا گئے۔ اور یوں ابن عمیر رضی اللہ عنہ اس بار سیستان پر قابض ہو کر یہاں رہ گئے۔ دو تین سال بعد حضرت عمران بن فضیل برجمی کو والی سیستان مقرر کر دیا گیا۔ دوسری طرف عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے عبید اللہ بن معمر رضی اللہ عنہ کو مکران کا والی مقرر کر کے روانہ کیا۔ ابن عمیر رضی اللہ عنہ کی طرح ابن معمر رضی اللہ عنہ بھی باصلاحیت سردار تھے۔ انہوں نے مکران پر حملہ کیا اور دیکھتے ہی دیکھتے انہوں سرکشوں کا قلع قمع کر کے انہیں دور بھگانے

---

[1] تاریخ خلیفہ ابن خیاط: 1/204، الاخبار الطوال: 1/139، تاریخ ابن خلدون: 2/572۔

[2] الکامل فی التاریخ لابن اثیر: 2/529

پر مجبور کر دیا اور مکران فتح کر لیا [1]۔ تیسری طرف کرمان پر عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے عبدالرحمٰن بن عبیس رضی اللہ عنہ کو وہاں کا والی مقرر کیا، جنہوں نے اس علاقے کی ہر طرح زیر و زبر کر کے اسلام کا بول بالا کیا۔ گو کہ یہ انتظامات نہایت عمدگی اور استقلال سے کیے گئے تھے مگر چند روز بعد جو عبداللہ ابن عامر رضی اللہ عنہ نے دیکھا تو ان مقامات میں وہی شور و ہنگامہ تھا اور پھر اسی طرح بغاوت، سرکشی اور خود سری کا علم ہر طرف سے بلند ہونے لگا [2]۔

اگر تجزیہ کیا جائے تو ابن عمیر رضی اللہ عنہ اور ابن معمر رضی اللہ عنہ کی طرح حضرت عبدالرحمٰن بن عبیس رضی اللہ عنہ وہ کنٹرول نہ لا سکے تھے جو ہونا چاہیے تھا۔ حضرت عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ جب ان حالات سے باخبر ہوئے تو ان سے رہا نہیں گیا اور وہ خود یہاں تشریف لائے۔ خراسان آ کر وہ مقامی حالات کا صحیح جائزہ لینے لگے کیونکہ یہاں بیٹھ کر ان ممالک کا انتظام بسہولت کیا جا سکتا تھا۔ حالات کا بخوبی جائزہ لینے کے بعد انہوں نے حضرت مجاشع بن مسعود سلمی رضی اللہ عنہ کا انتخاب کیا اور انہیں یہ کہتے ہوئے کرمان روانہ کر دیا کہ وہاں کی حکومت بھی اپنے قبضے میں لے لینا۔ اور سیستان پر ربیع بن زیاد حرثی رضی اللہ عنہ کو والی مقرر کر کے روانہ کیا اور حکم دیا کہ باغیوں کی سرکوبی میں کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھیں [3]۔

حضرت مجاشع رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کرمان پر حملہ

حضرت مجاشع بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کرمان کا رخ کیا اور جاتے ہی شہر ہمید پر حملہ

---

[1] ایضاً، 2/530

[2] ایضاً، 2/530

[3] ایضاً، 2/531

آور ہوئے۔ مقابلے کے بعد شہر فوراً فتح ہو گیا، کیونکہ شہر والوں نے اپنی عادت کے موافق اطاعت قبول کی اور گرچہ مجاشع بن مسعود رضی اللہ عنہ کے دل میں ان کے لیے بہت کچھ غصہ بھرا تھا لیکن اپنی فطری رحمدلی اور اسلامی اصولوں سے مجبور ہو کر اہل شہر کو پناہ تو دے دی لیکن اب کے مرتبہ بالاستقلال حکومت قائم رکھنے کی غرض سے انہوں نے شہر ہمید میں مستقل قیام کیلئے اپنے واسطے ایک عالی شان قصر بنوایا جو مدتوں "قصر مجاشع" کے نام سے مشہور رہا۔ یہاں کا بخوبی انتظام کر کے حضرت مجاشع رضی اللہ عنہ نے آگے قدم بڑھایا اور قدیم دارالسلطنت کرمان شہر سیر جان پر حملہ کر دیا۔ چند ہی روز کے محاصرے میں اہل سیر جان بدحواس ہو گئے اور آخر مجبور ہو کر انہوں نے اپنی قسمت مسلم مجاہدین کے ہاتھوں میں دے دی۔ حضرت مجاشع رضی اللہ عنہ نے شہر پر قبضہ کر کے اگرچہ براہ رحم دلی کسی کی جان لینا پسند نہ کی مگر مصلحتاً اتنا ضرور کیا کہ اکثر اہل شہر جو فتنہ و فساد میں ملوث تھے، انہیں جلاوطن کر دیا۔ بعد ازاں حضرت مجاشع رضی اللہ عنہ نے بڑھ کر جیرفت پر حملہ کیا۔ یہاں کے لوگوں نے بھی مقابلہ کیا اور جب ایک سخت شکست کھالی تو عربی تلواروں کے آگے سر جھکا کے کھڑے ہو گئے۔ اور جب حضرت مجاشع رضی اللہ عنہ وہاں پہنچے تو سیر جان کے جلا وطنوں، جو یہاں آ کے قیام پذیر ہو گئے تھے، انہوں نے سخت مقابلہ کیا لیکن حضرت مجاشع رضی اللہ عنہ نے انہیں ایسی شکست دی کہ وہ گھر بار چھوڑ چھاڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ یہاں پر حضرت مجاشع رضی اللہ عنہ نے عرب خاندانوں کو بسایا۔ الغرض اس طرح حضرت مجاشعؓ نے سارا امید ان دشمنوں اور سرکشوں سے خالی کرالیا اور خود واپس آ کر قصر مجاشعؓ میں بیٹھ کر ملک سندھ کے اس اہم صوبے پر حکومت کرنے لگے۔ [1]

---

[1] ایضاً، 2/ 56

حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تقرری

ادھر سیستان میں حضرت ربیع بن زیاد حرثی رضی اللہ عنہ نے زرنج، راشت اور سناروز وغیرہ اہم مقامات فتح کرکے خود زرنج میں آکر اقامت اختیار کرلی۔ ایک سال اس شہر میں رہنے کے بعد وہ واپس حضرت ابن عامر رضی اللہ عنہ کے پاس چلا گیا اور یہاں اپنی جگہ ایک عامل مقرر کیا۔ لیکن جونہی حضرت ربیع رضی اللہ عنہ نے یہاں سے کوچ کیا، حسب عادت مقامی لوگوں نے پھر سے بغاوت کردی اور نتیجتاً انہوں نے حضرت ربیع رضی اللہ عنہ کے مقرر کردہ عامل کو وہاں سے باہر نکالنے پر مجبور کردیا۔ حضرت ابن عامر رضی اللہ عنہ ایسے لوگوں کی سرکوبی کے لیے خراسان میں تیار بیٹھے تھے، انہوں نے حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ بن حبیب رضی اللہ عنہ کو والی سیستان مقرر کرکے روانہ کیا۔ حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ، صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھے اور پرانے تجربہ کار فوجی آفیسر بلکہ ایک مسلّم جنرل تھے۔ انہوں نے فوراً جاکر زرنج کا محاصرہ کیا اور ایسے سخت حملے کیے کہ اہل شہر نے پناہ مانگی اور پھر عہد اطاعت کیا۔ تاہم حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے اس پر بس نہ کیا بلکہ زرنج سے بڑھ کر سندھ کے تمام اس علاقے پر تسلط کیا جو زرنج اور کش کے درمیان میں واقع تھا۔ براہ خشکی جب عساکر اسلامیہ سرحد ہند یعنی بلوچستان پہنچے تو پہلے پہل جو زمین کا حصہ مسلمانوں کے قبضے میں آیا، وہ یہی تھا۔ اور حضرت ابن سمرہ رضی اللہ عنہ ہی وہ ممتاز صحابی ہیں جنہوں نے سندھ (پاکستان) میں اپنی تلوار کا زور دکھایا[1]۔ گرچہ ان سے پہلے بھی صحابہ یہاں آئے تھے لیکن انہیں اس طرح کی کامیابی نہیں ملی تھی جس طرح اب کے

---

[1] یاد رہے کہ اس وقت عرب لوگ آج کے بلوچستان کو "ثغر ہند" کہتے تھے۔ کیونکہ یہ ہند و سندھ کی سرحد پر واقع تھا۔ اور جیسا کہ پہلے ذکر ہوا کہ عرب سندھ کو بھی کبھی کبھار بلکہ اکثر ہند ہی بولتے تھے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ بلوچستان کا یہ علاقہ سندھ کا حصہ تھا نہ کہ ہند کا۔

بار اس جلیل القدر صحابی کو ملی تھی۔ اس زمانے میں سیستان کی حدیں ملک سندھ سے ملی ہوئی تھیں۔ حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ نے رخج اور ودان پر قبضہ کرلیا۔ اور ودان کے کوہ زرد میں ایک مندر کے اندر پڑے ایک سونے سے بنے بت کو توڑ ڈالا۔ اور وہاں کے مرزبان کو مخاطب ہو کر فرمایا کہ ہمیں ان چیزوں کی چنداں ضرورت نہیں صرف تم لوگوں کو دکھانا تھا کہ دیکھو یہ بت کسی کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا اور نہ ہی بنا سکتا ہے۔ اور پھر آپ رضی اللہ عنہ کابل وزابلستان کو بھی فتح کرنے میں کامیاب ہوئے [1]۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ بدقسمتی سے مسلمانوں میں باہمی مخالفت و منافرت شروع ہوئی اور اس فتنے نے جو شکل اختیار کی، اس سے عالم اسلام کو بہت نقصان پہنچا۔ اور سب سے بڑا نقصان خلیفہ سوم کی شہادت کی صورت میں مسلمانوں کو ملا۔ صد افسوس کہ اس کے بعد باہمی خونریزی کے لیے اس وقت جو تلوار چلی تھی وہ پھر رو کے بھی نہ رُک سکی اور یوں ہزاروں پاک و مقدس قیمتی جانیں اسی کی نذر ہوئیں۔

خلافت علوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے بعد مسند خلافت پر 35ھ کے اواخر میں حضرت علی رضی اللہ عنہ رونق افروز ہوئے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے خلافت پر متمکن ہوتے ہی حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے مقرر کردہ تمام تر والیوں کو معزول کر کے اپنے ہی خاندان یعنی اہل بیت سے والی مقرر کیے۔ ان میں ایک حضرت عبداللہ بن عامر بن کریز رضی اللہ عنہ بھی نشانہ بنیں جو

---

[1] اگر جغرافیائی لحاظ سے دیکھا جائے تو موجودہ افغانستان اُس وقت صوبہ کابل، زابلستان، سیستان اور بعض حصہ خراسان پر مشتمل تھا مذکورہ علاقوں میں ذکر کردہ اول تین صوبے ملک سندھ سے لگے ہوئے تھے۔ اس لیے ان تینوں صوبوں کے مختصراً واقعات ذکر کیے گئے تاکہ سندھ کے حالات سمجھنے میں دشواری نہ ہو۔ اور دوسری بات یہ کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ان علاقوں سے ہو کر سندھ جاتے تھے۔

کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ماموں زاد بھائی تھے جنہوں نے سیستان، زابلستان اور خراسان کے علاوہ سندھ کے بعض حصوں پر بڑی محنت اور کافی وقت لگانے کے بعد کنٹرول حاصل کر کے اسلامی حکومت نافذ کی تھی اور بہت مشکل سے سرکشوں کی سرکوبی کی تھی کہ جن کے مزاج سے درحقیقت وہی صحیح معنوں میں آگاہ تھے۔ اب جونہی انہیں اس عہدے سے ہٹایا گیا، وہی پہلے والے حالات پھر سے لوٹ کر آئے، سرکشوں نے پھر سے سر اٹھا کر علم بغاوت بلند کیا۔ اور چند ہی دنوں میں دیکھتے ہی دیکھتے ہر طرف آتش فساد بھڑک اٹھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے گرچہ کوشش کی لیکن وہ چونکہ خلافت کے اندرونی حالات کے سدھارنے میں مصروف تھے، اس لیے وہ یہاں کے حالات پر اتنی توجہ نہ دے سکے، تاہم وہ یہاں کے حالات سے اپنے آپ کو باخبر ضرور رکھتے تھے اور پے درپے والی بھیجتے رہے لیکن کسی سے کچھ بن نہیں پا رہا تھا۔ 36ھ میں واقعہ جمل کے بعد جب حامیان امی عائشہ رضی اللہ عنہا پریشان ہو کر اِدھر اُدھر منتشر ہوئے تو ان میں حسکہ بن عتاب حبطی اور عمران بن فضیل برجمی بھی تھا جو اپنے ہم خیال ساتھیوں کو ساتھ لے کر ادھر مشرق کی طرف بھاگ آیا[1]۔ یہ سب جب سیستان پہنچے تو انہوں نے یہاں کے ملک پر آسانی سے قبضہ کر لیا، وہ اس طرح کہ عرب کی اسلامی خلافت میں باہمی خونریزی ہونے کی وجہ سے وہاں کے لوگ ایک گونہ بے غم اور غفلت میں تھے کہ انہیں ایسے حالات میں عرب سے کسی جدید فوج کے آنے کی قطعاً امید نہ تھی۔

ان کے خلاف توقع جب ان وارد حملہ آوروں کا چھوٹا گروہ ان کی سرزمین میں داخل

---

[1] تاریخ خلیفہ بن خیاط، 1/182

ہوا تو دو وجوں سے انہوں نے سر اطاعت خم کر دیا۔ ایک، وہ جنگ کے لیے بالکل تیار نہ تھے کہ انہیں اس قسم کے خطرہ کی قطعاً امید نہ تھی۔ دوم، عربوں سے مقابلہ کرنے کی گزشتہ مصائب کی تصویر ان کی آنکھوں کے سامنے پھر گئی اور یوں زرنج پر عربی سردار حسکہ نے قبضہ کر لیا اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ ملک سیستان پر قابض ہو گئے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جب پتہ چلا تو انہوں نے عبدالرحمٰن بن جرد طائی کو روانہ کیا، تاکہ وہ جا کر حسکہ کو ان کی دستبرد پر سزا دیں، مگر معاملہ دگرگوں بلکہ برعکس ہو گیا۔ عبدالرحمٰن جو مجرموں کو سزا دینے آئے تھا، خود مقابلے میں مارا گیا اور اس کی فوج کو بھی شکست ہوئی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جب یہ خبر سنی تو اور بھی پریشان ہوئے اور اپنے چچازاد بھائی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ جو کہ والی بصرہ تھے، اور جیسا کہ عرض ہوا کہ ممالک مشرق یعنی سیستان، خراسان، مکران، کرمان اور سندھ وغیرہ علاقے اسی والی بصرہ کے ماتحت ہوتے تھے، ان کو لکھ بھیجا کہ کسی بہادر فوجی آفیسر کو چار ہزار سپاہی دے کر سیستان روانہ کرو تاکہ وہ اہل سیستان جا کر حالات اپنے قابو میں لے سکے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت ربعی بن کاس عنبری رضی اللہ عنہ کو چار ہزار فوجیوں کا دستہ دے کر روانہ کیا۔ ان کے ساتھ حصین بن ابی اجر عنبری بھی تھے جو نہایت زبردست جنگجو تھے۔ یہ لوگ جب زرنج پہنچے تو انہوں نے حسکہ کے سپاہیوں کی ایسی درگت بنائی کہ یا تو وہ تہ تیغ ہوئے اور یا پھر وہ جان بچا کر بھاگ نکلے [1]۔ بعد ازاں ربعی بن کاس وہاں مقیم ہوا اور وہیں پر فوت ہوا [2]۔

---

[1] ایضاً، 1/200

[2] علی محمد الصلابی، سیرۃ علی ابن ابی طالب، ص 474، مکتبۃ الصحابہ امارات 2004ء

حضرت حارث بن مرہ عبدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سندھ پر حملہ

اسی زمانے میں سندھ پر ایک مستقل اور سخت حملہ کیا گیا اور یہی وہ پہلا حملہ تھا جو خشکی کی طرف سے خاص ملک سندھ پر ہوا تھا۔ اور در حقیقت یہ ایک ایسا حملہ تھا جو کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور میں کسی غیر ملک پر جہاد کی غرض سے ہوا، وگرنہ اس کے علاوہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عہد میں کوئی بھی ایسا واقعہ نہیں ملتا اور اس کی وجہ شاید یہ ہو کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سلطنت کے اندرونی حالات کے سنوارنے سے کبھی فارغ نہیں ہو سکے تھے۔ بہر کیف یہ حملہ گرچہ تغار [1] بن ضیغر رضی اللہ عنہ کی سرداری میں ہوا لیکن ان کے ساتھ عرب کے نامور سردار حضرت حارث بن مرہ عبدی رضی اللہ عنہ بھی تھے جو نہایت ہی تجربہ کار اور سربرآوردہ شخصیت کے مالک تھے۔ [2]

اس اسلامی لشکر نے 38ھ کے اواخر میں بہرج اور کوہ پایہ کے راستے سے سندھ کی طرف کوچ کیا۔ یہ لشکر جرار برابر اور مسلسل کامیابی کے ساتھ چھوٹے چھوٹے علاقے فتح کرکے آگے بڑھ رہا تھا، یہاں تک کہ وہ قیقان (قلات) جا پہنچا۔ انہوں نے قیقان پر ایک زبردست حملہ کیا اور وہاں پر موجود دشمنوں کے ساتھ ایک خونریز لڑائی لڑی۔ کیونکہ قیقان یعنی قلات کے باشندے انتہائی جنگجو اور نڈر لوگ تھے نیز وہ اپنے علاقے کے ایک ایک راستے اور درے سے واقف تھے اور ایک اہم بات یہ بھی تھی کہ وہاں جنگ کا نقشہ ہی عجیب تھا کہ ایک طرف قیقانی لشکر تقریباً بیس ہزار سپاہیوں پر مشتمل تھا، تو دوسری طرف اہل عرب محض دو ڈھائی ہزار جنگجو تھے۔ اب اگر عقلی لحاظ سے اس کا موازنہ کیا جائے تو کوئی نسبت ان کے مابین بنتی ہی نہیں، وہی قرون اولیٰ کی

---

[1] یہ نام تاریخ ابن اثیر میں تغار ضیغر جبکہ چچ نامہ میں ثاغر بن ذغر لکھا گیا ہے۔ (چچ نامہ ص 101)

[2] تاریخ ابن اثیر، 3/574

جنگوں کا سا حال تھا۔ الحاصل مسلم فوج کو بیس ہزار قیقانی اسلحہ بردار فوج سے مزاحمت ہوئی جس نے تمام راستے اور درے روک رکھے تھے۔ اور چونکہ قیقان میں پہاڑ زیادہ تھے، اس لیے یہ کوہستانی فوج کافی تجربہ کار تھی اور اپنے علاقے سے ظاہر ہے بخوبی واقف بھی تھی۔ اس لیے ان کے ساتھ یہ لڑائی عام لڑائی بالکل نہیں تھی۔ ویسے بھی یہ علاقہ ملک سندھ کی سرحد پر واقع اہم علاقہ تھا، تو راجہ چچ بن سیلائج (شاہ سندھ) نے اس کو بڑی مہارت کے ساتھ کسی بھی بیرونی خطرے سے نمٹنے کے لیے محفوظ کر لیا تھا۔ اور وہاں پر نامور جنگجو اور سپاہی تعینات کر لیے تھے کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ قیقان اگر ہاتھوں سے نکل گیا تو سندھ کی سلطنت میں ایک بہت بڑی دراڑ پڑ جائیگی۔ اور پھر اس بیرونی سیلاب کا روکنا مشکل بلکہ ناممکن ہو جائیگا اور یقیناً ایسا ہی ہوا۔ لہٰذا اس جنگ کی کیفیت اب تک کی لڑی جانے والی جنگوں سے یکسر مختلف تھی۔ دونوں طرف سے جنگجو فتح کے امیدوار تھے۔

فتح قیقان (قلات)

جب لڑائی شروع ہوئی تو دونوں طرف سے خوب بہادری کا مظاہرہ دیکھنے میں آیا۔ لڑائی زوروں پر تھی اور گھمسان کی اس رن میں یوں لگ رہا تھا کہ عرب پسپا ہو جائیں گے اور مغلوبیت سے دوچار ہو کر تہ تیغ ہو جائیں گے کہ اللہ کی غیبی نصرت درمیان میں آڑے آئی، اور مغلوب ہونے والے عرب اس قدرتی کمک سے غالب ہو گئے۔ ہوا یہ کہ جس وقت دشمن فوج، مسلم مجاہدین کو پیچھے دھکیل رہی تھی، اسی دوران مجاہدین نے نعرہ تکبیر اس زور سے بلند کیا کہ ایک غیر معمولی اور ہیبت ناک آواز پہاڑوں میں یوں گونج اٹھی کہ جس سے دشمن لرز اٹھے اور ان کے دل دہلنے لگے۔ بعض تو گھبرا کر مسلمانوں کے پاس چلے گئے اور اسی وقت مسلمان ہو گئے اور باقی ماندہ لوگ یا تو جان

سے ہاتھ دھو بیٹھے اور یا پھر انہوں نے راہ فرار اختیار کر کے جان بچائی۔ یقیناً یہ خدائی نصرت تھی اور اس آیت کی عملی تصویر تھی کہ

وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ❶

مسلمانوں نے اللہ کے فضل و کرم سے میدان لوٹ لیا اور یوں بہت سارا مال غنیمت ان کے ہاتھ آیا۔ ایک ہزار لونڈیاں اور غلام ایک دن میں مسلم سپاہیوں کے مابین تقسیم کئے گئے۔ ❷

اس جنگ کی تفصیل چچ نامہ میں یوں درج ہے ؛

"ہذلی نے بیان کیا ہے کہ اس لشکر میں حارث بن مرہ عبدی نامی ایک بہادر سردار تھا، جس کے لشکر میں ایک ہزار مسلح بہادر تھے اور تین دلیر اور ہتھیار بند غلام تھے۔ اس نے ان غلاموں میں سے ایک کو اپنا اسلحہ بردار مقرر کیا اور باقی دو کو لشکر کا محافظ بنا کر ہر ایک کو پانچ پانچ سو جوانوں کا سردار بنایا۔ جب وہ مکران میں وارد ہوا تو یہ خبر کیکانان (قیقان، قلات) میں پھیل گئی اور کوہ پایہ اور کیکانان کے لوگ مقابلے کے لیے اکٹھے ہو گئے۔ وہ 42ھ ❸ میں کیکانان پہنچے اور وہاں کے لوگوں نے مستعد ہو کر جنگ شروع کی۔ اہل قیقان قریباً بیس ہزار بہادر تھے، جن سے لشکر اسلام کی جنگ ہوئی۔ جب

---

❶ سورۃ آل عمران، 139

❷ تاریخ ابن اثیر 4/575

❸ یہ کاتب کا یا پھر مؤلف کا سہو قلم ہے، اور میرے خیال میں کاتب کی غلطی ہے کیونکہ اسی صفحہ میں اوپر لکھا گیا ہے کہ یہ لشکر 38ھ میں بھیجا گیا۔ اور پھر اس کے بعد اس نے دور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی الگ تفصیل لکھی ہے اور ظاہر ہے کہ یہ علوی دور تھا۔ اور جیسا کہ اس عبارت کے آخر میں بھی لکھا گیا ہے کہ اس جنگ کی فتح ہوتے ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ پیش آیا۔ اس لیے صحیح یہ ہے کہ یہ جنگ 40ھ میں لڑی گئی۔

کافروں نے کوئی چارہ نہ دیکھا تو راستہ گھیر کر بیٹھ گئے۔ لشکر اسلام جب میدان جنگ سے واپس ہو کر کیکانان کے درہ کے قریب اترا تو انہوں نے راستہ روکنا چاہا۔ یہ حال دیکھ کر لشکر عرب نے نعرہ تکبیر بلند کیا، جس سے پہاڑ کے دائیں بائیں جانب بھی نعرہ تکبیر کی صدا ''اللہ اکبر'' گونج اٹھی۔ یہ سن کر کیکانان کے کافروں کے دلوں میں ہراس پیدا ہو گیا، ان میں سے اکثر نے ہار مان کر اسلام قبول کر لیا اور باقی بھاگ کھڑے ہوئے۔ اس وقت سے لیکر آج تک ایام جنگ کے موسم میں اس پہاڑ سے تکبیر کی صدا بلند ہوا کرتی ہے۔ ابھی یہی فتح ہوئی کہ امیر المؤمنین حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر پہنچی۔ چنانچہ یہ لشکر اسلام وہاں سے واپس ہوا اور جب یہ لشکر مکران پہنچا تو معلوم ہوا کہ حضرت امیر معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے ہیں [1]۔

چونکہ ابھی قیقان پورا فتح نہیں ہوا تھا یا اگر ہوا بھی تھا تو مسلمان جب یہاں کے لوگوں پر جزیہ لاگو کر کے واپس مکران چلے گئے تو یہاں قیقان میں سندھ سلطنت سے اور فوج بھیجی گئی اور یوں زیر کیے ہوئے لوگ پھر سے باغی بن گئے۔ اس حالت سے خبر دار ہوتے ہی حضرت حارث بن مرہ عبدی رضی اللہ عنہ نے لشکر ساتھ لیا اور ایک بار پھر سے قیقان پر حملہ کر دیا۔ ایک طرف گزشتہ لڑائی سے مسلمانوں کے حوصلے بلند ہو چکے تھے تبھی تو حضرت حارث نے اِس بار ایک چھوٹے لشکر پر اکتفا کر کے اپنے ساتھ ہو لیا، تو دوسری طرف قیقان میں سندھ سے جدید اور تازہ دم فوج پہنچ چکی تھی۔ اس بار حضرت حارث رضی اللہ عنہ واپس جانے کے لیے نہیں آئے تھے بلکہ ان کا ارادہ تھا کہ یہیں پر قیام کیا

---

[1] چچ نامہ، ص 102۔ یا تو صاحب چچ نامہ نے طوالت سے اجتناب کر کے کسر سے کام لیا ہے کہ درمیان میں چھ، ساتھ مہینے کے امام حسن رضی اللہ عنہ کے دور کو حذف کر دیا ہے اور یا پھر اس لشکر نے واقعی میں چھ مہینے کا سفر واپسی میں کیا تھا۔ واللہ اعلم

جائے۔ اور قدرت کو بھی یہی منظور تھا کہ اس مرتبہ وہ یہاں آئے ضرور مگر پھر واپس کبھی نہیں گئے، بلکہ ہمیشہ کے لیے یہیں کے ہو کے رہ گئے۔

اس دوسرے حملے میں جو کہ 41ھ میں ہوا تھا، قیقان (قلات) کی گھمسان کی اس لڑائی میں گرچہ ایک طرف بہت سارے کافر واصل جہنم ہوئے۔ تو دوسری طرف اسلامی لشکر کے سپہ سالار حضرت حارث بن مرہ عبدی رضی اللہ عنہ بھی شہادت کے اعلیٰ رتبہ پر فائز ہوئے۔ اور یوں وہ تا ابد سندھ (پاکستان) کی سرزمین میں سوگئے [1]۔ اب تک لڑی جانے والی لڑائیوں میں یہ سب سے خونریز جنگ ثابت ہوئی کیونکہ حضرت حارث بن مرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ڈیڑھ ہزار جوانوں کا لشکر تھا جن میں چند فوجیوں کے علاوہ سب کے سب یہاں پر اپنے سپہ سالار سمیت جام شہادت نوش کر گئے [2]۔

بلاذری کے الفاظ یہ ہیں:

ثُمَّ إنه قتل ومن معه بأرض القيقان إلا قليلا، وكان مقتله في سنة اثنتين وأربعين

---

[1] فتوح البلدان، ص 417

[2] چند ایک کے علاوہ سب کے سب یہاں شہید ہوئے۔ اگر اندازتاً ان میں دو سو سپاہی بھی نکال دیے جائیں تو پھر بھی تقریباً تیرہ سو فوجی شہید ہوگئے ہونگے۔ اب ان میں کم سے کم تعداد میں ہی سہی لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تو بہر حال موجود تھے، گویا دو تین سو کے لگ بھگ بھی اگر صحابہ ان میں موجود تھے، تو کتنی سعادت کی بات ہے کہ پاکستان کی سرزمین میں سینکڑوں صحابہ کرام تا ابد آرام فرما ہیں۔ تبھی تو اس ملک کا نام "پاکستان" رکھا گیا کہ اس میں پاک لوگ رہتے نہیں بلکہ سوتے ہیں۔ ان ہی مقدس ہستیوں کی برکت سے یہ ملک ابھی تک بچا ہے بلکہ انشاء اللہ تاقیامت یہ سلامت رہے گا اور کوئی اس کا کچھ بھی نہ کر سکے گا۔ چاہے اس کے دشمن لاکھ بار اس کا برا سوچیں، اس کو نقصان پہنچانا چاہیں لیکن میں سمجھتا ہوں کہ صحابہ کرام کی بدولت اس ملک کی حفاظت اللہ خود فرمائے گا، وگرنہ ہم پاکستانیوں نے کونسا گناہ ہے جو نہ کیا ہو۔ اللہ کی کونسی نافرمانی ہے جو ہم سے سرزد نہ ہوئی ہو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کا ہم نے کیا مذاق نہیں اڑایا؟ کیا ہم اپنی سنہری تاریخ تک سے واقف ہیں؟ ایسے میں ہم کس منہ سے مددِ خداوندی چاہیں؟

والقيقان من بلاد السند [1]

"پھر حضرت حارث بن مرہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی باستثنائے چند ایک کے سب شہید ہوگئے اور یہ واقعہ ملک سندھ کے علاقہ قیقان میں 42ھ کو پیش آیا۔"

خلیفہ بن خیاط نے اس بابت لکھا؛ جمع الْحَارِث بْن مرّة الْعَبْدي جمعا أَيَّام عَلِيّ وَسَار إِلَى بِلَاد مكران فظفر وغنم وَأَتَاهُ النَّاس من كل وَجه فَجمع لَهُ أهل ذَلِكَ الثغر جندا فَقتل من كَانَ مَعَه إِلَّا عِصَابَة يسيرَة. [2]

یعنی گرچہ حضرت حارث بن مرہ رضی اللہ عنہ کے پاس کمک میں کافی فوجی آئے تھے تاہم ماسوائے چند کے، سب ان کے ساتھ شہید ہوگئے۔

علامہ ذہبی رحمہ اللہ کی تحقیق کے مطابق حضرت حارث بن مرہ عبدی رضی اللہ عنہ [3] نے مکران سے آگے قندابیل (جھیل مگسی، گنڈاوا [4]) فتح کیا پھر قیقان کے پہاڑی

---

[1] شذرات الذہب، 1/ 53

[2] تاریخ الخلیفہ، ص:200

[3] ڈاکٹر عبدالرحمٰن بروہی نے حضرت حارث بن مرہ کو بغیر کسی حوالے کے صحابی لکھا ہے حالانکہ آپ اولیں تابعین میں شمار ہوتے ہیں جیسا کہ ابن عبدالبر، ابن اثیر اور ابن حجر وغیرہ نے لکھا ہے۔

[4] قندابیل کے متعلق بھی محققین حضرات دیبل کی طرح مختلف الرائے ہیں۔ بعض حضرات کے نزدیک یہ شہر موجودہ جھیل مگسی کے قریب واقع تھا اور بعض کی رائے یہ ہے کہ یہ آج کل کے گنڈاوا یا کچھ کا پرانا نام تھا اور بعض یہ بھی کہتے ہیں کہ اس کو بدھا اور بدھیہ کہتے تھے۔ یہی لفظ بدھا، ندھا بھی مشہور ہوا جیسا کہ فتوح البلدان 4/ 402 میں درج ہے۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ میں لکھا ہے کہ قندابیل کو بدھا کہتے تھے۔ جو آج کل کچی یا کچھ گنڈاوا سے مطابقت رکھتا ہے۔ ظن غالب یہ ہے کہ یہی وہ شہر ہے جو آج کل گنڈاوا کہلاتا ہے اور جس کی اب کوئی اہمیت نہیں رہی۔ قندابیل کو شاہ سندھ راجہ چچ نے فتح کیا تھا، جو ارمابیل (لس بیلہ) اور توران (خضدار کے پہاڑی علاقے) سے ہوتا ہوا صحرا کے اندر بڑھا تھا اور اس

علاقہ میں جام شہادت نوش کیا[1]۔ اناللہ وانا الیہ راجعون

زیاد بن ابی سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بحیثیت والی خراسان

سیستان پر گرچہ حسکہ کو قتل کر کے ابھی عنبری نے پورا قبضہ کر لیا تھا تاہم ابھی چند ہی دن گزرے تھے کہ مقامی لوگوں نے حسب عادت پھر سے سرتابی کی اور سیستان ہی تک محدود نہیں بلکہ کرمان وغیرہ علاقوں میں بھی بغاوت شروع ہوئی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ جب اس صورتحال سے باخبر ہوئے تو اپنے گرد دانا اور عقل کل لوگوں سے اس بارے میں مشورہ لیا کہ یہ لوگ اپنی اس بغاوت، شورہ پشتی اور دغابازی سے کسی طرح بھی باز نہیں آتے، ان کا کیا انتظام کیا جائے؟ مختلف مشورے سامنے آئے لیکن آخر میں حضرت جاریہ بن قرامہ رضی اللہ عنہ نے جو رائے دی، وہی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو پسند آئی۔ حضرت جاریہ نے مشورہ دیا کہ اس صورتحال سے نمٹنے کے لیے ہمارے پاس حضرت زیاد بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر کوئی لائق شخص نہیں۔ لہٰذا

لہ قلعے پر قابض ہو گیا تھا۔ یہ قلعہ دریائے سینی (سبی) پر واقع تھا۔ مشہور مستشرق راورٹی (Roverty) نے قندابیل کو گنداوا ہونے میں اس لیے شک ظاہر کیا ہے کہ المسالک والممالک میں اصطخری نے اسے قصدار سے پانچ فرسنگ کے فاصلے پر بتایا ہے جو کہ جائے وقوعہ کے مطابق نہیں۔ ابن حوقل نے بھی اس کو مہران کے جنوب میں اور قصدار سے ایک طویل فاصلے پر شمال میں دکھایا ہے۔ تاریخ سے قندابیل کے نام سے غائب ہونے کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ عربوں کی حکومت کے زوال کے بعد جب یہاں ملکی سلطنت دوبارہ قائم ہوئی تو طبعاً اسے اس کا اصل دیسی نام پھر سے دے دیا گیا۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ، 16(2)/412)

تاہم اکثر مورخین کی رائے میں قندابیل اس وقت سندھ کا ایک اہم شہر تھا جو آج کل بلوچستان کے گنداوا کی جگہ آباد تھا۔ قاضی اطہر مبارک پوری، ڈاکٹر محمد اسحاق اور ڈاکٹر عبدالرحمٰن براہوی اسی قول کے قائل ہیں۔ اور یہی قول راجح بھی ہے۔

[1] علامہ ذہبیؒ (748ھ)، تاریخ اسلام، 3/583، دارالکتاب العربی، بیروت 1413ھ

حضرت زیاد رضی اللہ عنہ کو والی خراسان مقرر کر کے یہ ذمہ داری ان کے سپرد کیجئے کہ وہی اس کیلئے مناسب ترین آدمی ہیں۔ امید ہے کہ ابو سفیان کے بیٹے حضرت زیاد رضی اللہ عنہ یہ تمام تر معاملات انتظام بوجہ احسن ادا کریں گے [1]۔ حضرت جاریہ کی یہ رائے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بہت پسند آئی اور انہوں نے بغیر وقت ضائع کئے، حضرت زیاد رضی اللہ عنہ کو خراسان روانہ کر دیا۔ دریں اثناء چونکہ حضرت زیاد رضی اللہ عنہ کے بھائی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مابین چپقلش چل رہی تھی، اس لیے جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو پتہ چلا کہ حضرت زیاد رضی اللہ عنہ کو والی خراسان مقرر کر کے روانہ کیا جا رہا ہے تو انہوں نے اپنے بھائی کو ایک تہدید آمیز خط لکھا [2]۔ کہ دیکھئے! آپ میرے بھائی ہو

---

[1] اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اموی خاندان کو اللہ نے کتنی صلاحیات سے نوازا تھا۔ زیاد رضی اللہ عنہ گرچہ اپنے بھائی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مخالف اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے طرفدار تھے، لیکن پھر جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اندازہ ہو گیا کہ واقعی یہ کام اموی خاندان کے کسی فرد کے علاوہ کوئی اور سنبھال نہیں سکتا تو پھر انہوں نے وہی کیا جس کی اسلامی سلطنت کو اس وقت ضرورت تھی۔ یعنی حضرت زیاد رضی اللہ عنہ کو ان ممالک کا والی بنا کر بھیج دیا جنہوں نے وہی کیا جس کی ان سے توقع تھی۔ حالانکہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے انہیں جانے سے منع بھی کرنا چاہا لیکن حضرت زیاد رضی اللہ عنہ نے پھر بھی جا کر خراسان اور سندھ کے حالات ایسے سنواریں کہ نہ صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ بلکہ ان کے بعد حضرت زیاد رضی اللہ عنہ کے بھائی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بھی بطور خلیفہ، ان کی عظمت اور قابلیت کا اعتراف کیے بغیر رہ نہ سکے۔ تبھی تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے انہیں اپنے دور میں بھی اسی مرتبے پر بحال رکھا۔

[2] یاد رہے کہ صحابہ کی آپس کی یہ مخالفت ان کے مقام، منصب اور رتبے میں کوئی کمی نہیں لا سکتی بلکہ یہ تو خدا کی حکمت پر مبنی اور اختلاف امتی رحمۃ کی عملی تصویر تھی۔ اور جن کو اللہ نے جنت کی بشارت دی ہو، ان کی مغفرت کے سرٹیفکیٹس عطا کیے ہو، ان کے بارے میں قرآن نازل فرمایا، جن کے ایمان کو معیار ایمان قرار دیا گیا، جن کو رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمْ اور رَضُوا عَنْہُ، الراشدون، المفلحون سے مخاطب کیا گیا۔ جن کے بارے میں قرآن نے علی الاعلان فرمایا کہ اللہ نے ان کے دلوں سے بغض، حسد، نفرت اور شرک

اور آپ کو سب کچھ معلوم ہے، لہٰذا آپ کو ایسا نہیں کرنا چاہیے اور اگر ہماری بات نہ مانی تو اچھا نہ ہو گا۔ جواب میں حضرت زیاد رضی اللہ عنہ نے یہ لکھ بھیجا کہ تم مجھے ڈرا رہے ہو حالانکہ میرے اور تمہارے مابین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ہیں [1]۔ خدا کی قسم! اگر تم نے مجھ تک پہنچنے کی کوشش بھی کی تو مجھ سے بدتر [2] تمہارے لیے کوئی نہ ہو گا [3]۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت زیاد رضی اللہ عنہ کو والی خراسان روانہ کر دیا اور یہ ہدایت بھی جاری کر دی کہ وہاں جا کر متعلقہ تمام ممالک یعنی سیستان، زابلستان، کرمان، مکران، سندھ اور

بقیہ دور کر کے ان کے دل ایمان سے بھر دیے۔ اب ایسے میں بھلا ہم کون ہوتے ہیں ان پاکیزہ اور مقدس ہستیوں کے بارے میں کچھ کہنے اور اپنی رائے دینے والے؟

اس طویل موضوع پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے، چاہیے کہ خوب مطالعہ کیا جائے۔ یہ ایک الگ بحث ہے، اس موضوع سے متعلق راقم نے ایک اور کتاب بنام "صحابہ معیار حق کیوں" شروع کی ہے جس میں صرف عقلی دلائل سے ثابت کیا گیا ہے کہ صحابہ کی اہمیت اور عظمت، شریعت اسلامیہ اور قرآن و حدیث سے ہٹ کر عقلی دنیا میں بھی مسلّم ہے کہ اگر کوئی عقل سلیم رکھنے والا انسان، بھلے وہ کسی بھی مذہب سے تعلق کیوں نہ رکھتا ہو، اصحابِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سوانح بہ حیثیت انسان پڑھیں، تو ایسا ہو نہیں سکتا کہ وہ اللہ کے اس انتخاب پر بے اختیار صد آفریں بلند نہ کریں، ہاں اس کے اندر کوئی کھوٹ ہو، تو وہ الگ بات ہے۔

[1] وقت کی ستم ظریفی دیکھیے کہ جو حضرت زیاد، داماد رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی کے لیے اپنے بھائی کو اتنے سخت الفاظ لکھ رہے ہیں، دو عشروں کے بعد اسی حضرت زیاد رضی اللہ عنہ کا بیٹا ابن زیاد، اسی خلیفہ چہارم کے بیٹے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ کیا سلوک کرتا ہے۔ فیاللعجب!

[2] صحابہ کا آپس میں اختلاف، ایک اجتہادی غلطی تھی نہ کہ کسی بغض و حسد کی بنا پر، کیونکہ یہی زیاد رضی اللہ عنہ جب 41ھ میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش ہوا تو جیسا کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی بردباری اور اولوالعزمی مشہور تھی، انہی اخلاق کریمہ کا مظاہرہ وہاں بھی دیکھنے کو ملا کہ آپ رضی اللہ عنہ نے نہ صرف انہیں معاف کر دیا بلکہ اسی عہدے پر بحال رکھتے ہوئے وہی منصب دے دیا جس کے وہ اہل تھے۔ (الکامل فی التاریخ، 3/21)

[3] المعارف، 1/346

خراسان میں بغاوتوں کا سر کچل کر ایک پر امن اسلامی سلطنت قائم کریں۔ قدرت نے حضرت ابو سفیان رضی اللہ عنہ کی اولاد کو گویا فطری طور پر علم سیاست و سیادت سے بہرہ مند فرمایا تھا۔ کہ ایک طرف حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ تھے، جن کی سیاسی سوچ اور سیاسی حکمت عملی کے اپنے تو لا محال، پرائے بھی معترف تھے۔ آس پاس کے مجوسی اور عیسائی حکمران ان سے اسی سیاسی فوقیت و لیاقت کی بنا پر خار کھاتے تھے۔ دوسری طرف آپ کے بھائی حضرت زیاد رضی اللہ عنہ اپنے وقت کے ایک اعلیٰ سیاستدان تھے، بلکہ بقول ایک مؤرخ کے، آپ رضی اللہ عنہ علم سیاست مدنی جاننے والوں میں اول درجہ رکھتے تھے [1]۔ اس لیے حضرت زیاد بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ جب خراسان گئے تو انہوں نے تمام انتظامات نہایت شائستگی سے سر کیے۔

واقعی حضرت زیاد رضی اللہ عنہ سیاست کے پیچ و خم سے بخوبی واقف تھے، انہوں نے جاتے ہی ایک عجیب چال چلی، وہاں جتنے بھی باغی گروہ تھے، ان تمام گروہوں میں باہمی اختلاف پیدا کر کے ان کا زور کم کر دیا اور ان کی اس باہمی پھوٹ سے فائدہ اٹھا کر حضرت زیاد رضی اللہ عنہ نے انہیں بآسانی اپنا زیر اثر اور مطیع بنا لیا [2]۔ اسی لیے تو کہتے ہیں کہ

---

[1] تاریخ سندھ از عبد الحلیم شرر، ص 98

[2] انگریزی کا مشہور مقولہ ہے Divide and Rule یعنی پھوٹ ڈالو اور آسانی سے حکومت کرو۔ خاص یہی نسخہ انگریزوں نے برصغیر کو تسخیر کرنے کے لیے استعمال کیا تھا۔ بہت افسوس کی بات ہے کہ ایک تو ہمیں اپنے اسلاف کی تاریخ اور کارناموں کا علم نہیں اور دوم، ہمارے علم سے غیر نے تو فائدہ اٹھا لیا لیکن ہم خود ہاتھ پہ ہاتھ دھرے رہ گئے۔ کیا آج مسلم دنیا میں کسی کو بھی یہ معلوم ہے کہ جس مقولہ کی ایجاد کی نسبت ہم فرنگیوں کی طرف کرتے ہیں کہ (تقسیم کرو اور حکومت کرو)، اسی یادگار اور کارآمد مقولہ کا اصل موجد کون تھا؟ ہاں یہ ابو سفیان رضی اللہ عنہ کے لائق بیٹے حضرت زیاد رضی اللہ عنہ کا ایجاد کردہ ہے۔ اس بات میں کوئی شک نہیں بلکہ خود غیر بھی اعتراف کرتے ہیں کہ انہوں نے علم مسلمانوں ہی سے لیا ☜

جس کا کام اس کو ساجھے ، امور سلطنت کے لیے بھی ہر ایک نہیں بلکہ چندے لوگ پیدا ہوتے ہیں کہ رموز مملکت خویش خسرواں دانند۔

خلافت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ

40ھ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد ایک مختصر عرصہ [1] کیلئے ان کے فرزند حضرت حسن رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ ہر طرف فتنہ و فساد برپا ہے اور دوسری طرف امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے آپ کو امیر المؤمنین کہلانا شروع کر دیا ہے، تو انہوں نے عافیت اسی میں جانی کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں بیعت کر کے خود گوشہ عزلت میں جا بیٹھیں تاکہ امت مسلمہ کسی اور جانی نقصان سے دوچار نہ ہو [2]۔ اسلئے انہوں نے خلافت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دی

للہ ہے، لیکن خدا جانے کہ ہم مسلمانوں کو کیا ہو گیا کہ آج ہم اپنی کامیابی اس متبوع قوم کی اتباع میں ڈھونڈتے ہیں! ہم اپنی تاریخ کیوں نہیں پڑھتے؟ ہم اپنے آباء کی کردار سازی اور علوم کی پختگی کیوں بھلا بیٹھے ہیں؟ ہائے کاش ہمیں اس اہم ترین نکتے کو سمجھنے کا احساس ہو جائے۔ شاعر مشرق علامہ اقبالؒ بھی یہی رونا رو رہے ہیں:

تجھے آباء سے اپنے کوئی نسبت ہو نہیں سکتی — کہ تو گفتار، وہ کردار، تو ثابت، وہ سیارا
گنوا دی ہم نے جو اسلاف سے میراث پائی تھی — ثریا سے زمیں پہ آسمان نے ہم کو دے مارا
مگر وہ علم کے موتی، کتابیں اپنے آباء کی — جو دیکھے ان کو یورپ میں تو دل ہوتا ہے سہ پارا

[1] ساڑھے پانچ مہینوں سے لیکر ساتھ مہینوں تک بتایا جاتا ہے۔ (الکامل فی التاریخ لابن اثیر 3 / 6)

[2] عین ممکن ہے کہ بعض حضرات مجھ سے اختلاف کریں اور میرے اس انداز کو پسند نہ کریں کہ کیا ضرورت تھی ان اختلافی باتوں کے چھیڑنے کی۔ شاید وہ ٹھیک ہوں، لیکن میرا بھی ایک نظریہ ہے کہ ہم مانتے ہیں، ہم ہی کیا اس بات کو تو صحابہ کے دشمن بھی مانتے ہیں کہ صحابہ جیسے لوگ انبیاء کے بعد دنیا میں پیدا ہی نہیں ہوئے، تاہم سوال یہ ہے کہ ان سے خطا کے کیا معنی؟ تو یہاں دو باتیں عرض کرنا ضروری سمجھتا ہوں: ایک یہ کہ ہم حقیقت سے منہ موڑ کر جذباتی ہو جائیں، ہمیں دوسرے کو جواب ☜

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ خلیفۃ المسلمین بنے تو انہوں نے بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اقتدا

لگا دیتا ہے کیونکہ ہم جو دعویٰ کرتے ہیں کہ ہمارا دین سچا ہے اور یہ کہ ہم الحمد للہ دلیل اور استدلال کے قائل ہیں، نقلی نہ سہی عقلی دنیا میں کوئی آکر ہم سے بحث کریں تاکہ انہیں ہم دکھا سکیں کہ اسلام اور دیگر مذاہب میں حق اور باطل کا اصل فرق کیا ہے اور یہی صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی سچی جماعت کی شان سے زیب دیتا ہے۔ دوم، جو مذکور سوال کا جواب بھی ہے کہ ہم صحابہ کو ایمان کا حصہ سمجھتے ہیں، عقیدے کی یہ بات خوب ذہن نشین کر لینی چاہیئے کہ دنیا میں معصوم عن الخطاء صرف انبیاء علیہم السلام کی جماعت ہے، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی جماعت محفوظ عن الخطاء ہے۔ ان سے خطائیں ہوئیں بھی تو وہ عند اللہ معاف ہیں کیونکہ انہیں پہلے ہی سے ان کے رب نے اپنی رضا کی سند دی ہے، اب اس کے بعد ہم کون ہوتے ہیں ان کی خطاؤں پر بحث کرنے والے؟

امام ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے اس بارے میں اہلسنت والجماعت کو جو عقیدہ لکھا ہے اسے ہم یہاں حرف بہ حرف نقل کرتے ہیں تاکہ شکوک وشبہات کا ازالہ ہو جائے۔ اپنی مایہ ناز کتاب ''الاصابہ فی تمییز الصحابہ'' میں لکھتے ہیں؛

الفصل الثالث في بيان حال الصحابة من العدالة ؛

اتفق أهل السنّة على أنّ الجميع عدول، ولم يخالف في ذلك إلا شذوذ من المبتدعة. وقد ذكر الخطيب في «الكفاية» فصلا نفيسا في ذلك، فقال: عدالة الصحابة ثابتة معلومة بتعديل الله لهم، وإخباره عن طهارتهم، واختياره لهم، فمن ذلك قوله تعالى: كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ [آل عمران: 110] . وقوله: وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطاً [البقرة:143] . وقوله: لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ [الفتح: 18] . وقوله: وَالسَّابِقُونَ الْأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ [التوبة: 100] . وقوله: يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللَّهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ [الأنفال: 64] . وقوله: لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِينَ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُونَ فَضْلاً مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَاناً وَيَنْصُرُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ ... إلى قوله: إِنَّكَ رَءُوفٌ رَحِيمٌ [الحشر: 8: 10]- في آيات كثيرة يطول ذكرها، وأحاديث شهيرة يكثر تعدادها، وجميع ذلك يقتضي القطع بتعديلهم، ولا يحتاج أحد منهم مع تعديل الله له إلى تعديل أحد من الخلق، على أنه لو لم يرد من الله ورسوله فيهم شيء مما ذكرناه لأوجبت الحال التي كانوا عليها من الهجرة والجهاد، ونصرة الإسلام. وبذل المهج والأموال، وقتل الآباء والأبناء (1) والمناصحة في الدين، وقوة الإيمان واليقين- القطع على تعديلهم، والاعتقاد لنزاهتهم، وأنهم أفضل من جميع الخالفين بعدهم، والمعدلين الذين يجيئون من بعدهم. هذا مذهب كافة العلماء، ومن يعتمد قوله (الاصابہ فی تمییز الصحابہ ، 1/ 162)

کرتے ہوئے اپنے خاندان کے معتمد افراد صاحب اختیار بنائے۔ جن حضرات کو خلیفہ چہارم حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے دور اقتدار میں بنوہاشم نہ ہونے کی وجہ سے معزول کیا تھا، امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے انہیں پھر سے وہی عہدے دلائے۔ اور یوں ولایت بصرہ کا عہدہ جو کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے دور میں حضرت عبد اللہ بن عامر بن کریز رضی اللہ عنہ کے پاس تھا، جو امورِ ممالکِ مشرق کے مانے ہوئے ماہر حاکم گردانے جاتے تھے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان سے یہ عہدہ لے کر اپنے چچازاد بھائی مفسر قرآن حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو دے دیا تھا، تاہم اب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے واپس حضرت عبد اللہ بن عامر رضی اللہ عنہ کو اسی عہدہ پر متمکن کر دیا[1]۔ یاد رہے سن 41ھ میں حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ نے خلیفہ بنتے ہی حضرت عبد اللہ بن عامر رضی اللہ عنہ کو والی بصرہ بنایا، جس کے زیر سندھ، خراسان اور دیگر مشرقی ممالک تھے۔ تاہم 44ھ میں حضرت عبد اللہ بن عامر بن کریز رضی اللہ عنہ کو ان کی بے حد رحم دلی کی وجہ سے معزول کر دیا گیا۔ تو ان کی جگہ حارث بن عبد اللہ ازدی رضی اللہ عنہ کو یہ عہدہ سونپا گیا۔ اور 45ھ میں وقت کی ضرورت اور اہمیت کو دیکھ کر خلیفہ وقت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے بھائی حضرت زیاد رضی اللہ عنہ کو بصرہ کے ساتھ بحرین، عمان، سندھ، ہند اور خراسان کا والی بنایا کیونکہ انہیں ان ممالک کا خاص تجربہ تھا۔ 53ھ میں انکی وفات کے بعد یہ عہدہ حضرت عبد اللہ بن عمرو بن غیلان رضی اللہ عنہ کے سپرد کیا گیا اور 56ھ میں حضرت زیاد رضی اللہ عنہ کے بیٹے

---

[1] یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے بھائی عتبہ رضی اللہ عنہ کو والی بصرہ بنانا چاہتے تھے۔ لیکن پھر حضرت ابن عامر رضی اللہ عنہ کے اصرار پر ان کو واپس بصرہ کو والی بنایا گیا کیونکہ یہ پہلے اسی عہدہ پر رہ چکا تھا، اس لیے انہیں اس عہدہ کی اہمیت معلوم تھی اور اس عہدے کے استعمال کرنے کا فن وہ جانتا تھا۔ اس لیے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے انہیں ہی یہ عہدہ سونپا۔ (تاریخ سندھ از شر ص100)

عبید اللہ بن زیاد کو یہاں کا گورنر مقرر کر دیا گیا۔ اور یہ سب کے سب واقعات حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں ہوئے جنہوں نے سندھ پر تقریباً آٹھ حملے کیے۔ ❶

حضرت عبداللہ بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا صیقلہ پر قبضہ

جن دنوں حضرت علی رضی اللہ عنہ شہید ہوئے اور ابھی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے خلیفہ نہیں بنے تھے، ان ایام میں حضرت عبداللہ بن قیس رضی اللہ عنہ بن مخلد الذرقی رضی اللہ عنہ نے صیقلہ (سندھ) پر قبضہ کر لیا تھا، اور وہاں موجود ایک مندر میں سونے سے بنے ایک بت کو توڑ دیا اور بعد ازاں اس بت میں سے ہیرے جواہرات نکال کر اپنے قبضے میں لے لیے تھے ❷۔ اور سوچا کہ یہ سب ہیرے جواہر خلیفہ کی خدمت میں بھیج دوں تو بڑے خوش ہوں گے کہ دریں اثناء خبر آئی کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ خلیفۃ المسلمین بن گئے ہیں۔ لہٰذا حضرت عبداللہ بن قیس رضی اللہ عنہ نے وہی ہیرے جواہرات نئے خلیفہ کی خدمت میں بھیج دیے ❸۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے والد حضرت قیس بن مخلد رضی اللہ عنہ بدری صحابی ہیں جو غزوہ احد میں شہید ہوئے تھے۔ ❹

حضرت عمر بن عبیداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا لسبیلہ پر حملہ

جونہی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے، تو آپ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر بن عبیداللہ بن معمر التیمی رضی اللہ عنہ کو سندھ روانہ کیا جنہوں نے آتے ہی ارمائیل یا ارمابیل (موجودہ لسبیلہ) پر دھاوا بول دیا۔ اور یہاں پر غالب آکر مال غنیمت حاصل کر لیا۔

---

❶ تاریخ طبری 5/217، تاریخ ابن خلدون 3/8، تاریخ الکامل 3/178

❷ ایسا ایک واقعہ حضرت مجاشع رضی اللہ عنہ کے بارے میں بھی مذکور ہے۔

❸ فتوح البلدان، 1/233

❹ جمہرۃ انساب العرب لابن حزم، 1/352

حضرت عمر بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ قبیلہ تیم کے سردار تھے۔ اللہ نے انہیں کافی قابل رشک صلاحیتوں سے نوازا تھا۔ بالخصوص فنون حرب (War Sretegy) میں اپنی مثال آپ تھے۔ علی بن محمد کوفی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر بن عبید اللہ بن معمر رضی اللہ عنہ کو خود امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے بھیجا تھا[1]۔ بعد ازاں آپ رضی اللہ عنہ نے مکران میں جاکر اپنے نام سے ایک مسجد تعمیر کرائی[2]۔

پھر آپ رضی اللہ عنہ عبد الرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ کابل اور خراسان کی جنگوں میں بھی شریک رہے۔[3]

حضرت راشد بن عمرو جدیدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سندھ پر حملہ

ابھی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے نئے خلیفہ بنے کہ اتنے میں انہیں سندھ سے یہ بُری خبر آئی کہ حضرت حارث بن مرہ عبدی رضی اللہ عنہ اپنے ساتھیوں سمیت شہید ہو گئے ہیں۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو دلی صدمہ ہوا، اور حضرت عبد اللہ بن عامر رضی اللہ عنہ کو والی بصرہ مقرر کر کے یہ حکم جاری کر دیا کہ فوراً کسی نامور سپہ سالار کو قیقان روانہ کرو تا کہ وہ جاکر حارث بن مرہ اور ان کے ساتھیوں کا انتقام لیں۔ حضرت عبد اللہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے 41ھ میں گورنرِ بصرہ بنتے ہی حضرت راشد بن عمرو جدیدی رضی اللہ عنہ کو سندھ کی طرف روانہ کیا اور تب تک 42ھ کا سال شروع ہو چکا تھا۔ کیونکہ انہیں اس بات کا اچھی طرح احساس تھا کہ اس ابتری کو وہی فوجی افسر درست کر سکتا ہے جو کہ وہاں پہلے رہ چکا ہو، اور جنہیں وہاں کے لوگوں اور وہاں کے راستوں اور دیگر حالات

---

1. منہاج الدین، ص78
2. العقد الثمین، ص89
3. کتاب الذخائر، ص9

کا تجربہ ہو، ایسے میں ان کی نظر حضرت راشد بن عمرو ازدی رضی اللہ عنہ پر پڑی جو قبل ازیں 30ھ میں ابن عامر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان علاقوں میں لڑ چکے تھے، اور اپنی بہادری کے جوہر بھی دکھا چکے تھے، اور جنہوں نے اپنی خداداد جنگی صلاحیت اور سیاسی مہارت کی بناپر علاقہ ہرمز بھی فتح کیا تھا [1]، لہٰذا انہیں اسی عہدے کے لیے مقرر کیا گیا۔ حضرت راشد بن عمرو رضی اللہ عنہ نے آتے ہی ایک زلزلہ بپا کر دیا۔ انہوں نے آج کے بلوچستان کے اکثر علاقے مکران [2]، قیقان اور ارمابیل بہت کم مدت میں فتح کر لیے۔ مؤرخ اسلام امام خلیفہ بن خیاط (م240ھ) لکھتے ہیں: سنة اثْنَتَيْنِ وَأَرْبَعين فِيهَا وَجه ابْن عَامر عَبْد الرَّحْمَن بْن سَمُرَة إِلَى سجستان وَمَعَهُ فِي تِلْكَ الْغُزَاة الْحسن بْن أبي الْحسن والمهلب بْن أَبِي صفرَة وقطري بْن الْفُجَاءَة فَافْتتحَ زرنج وكورا من كور سجستان وفيهَا غزا عقبَة بْن نَافِع أفريقية فَافْتتحَ غدامس فَقتل وسبى وفيهَا ولى ابْن عَامر رَاشد بْن عَمْرو الجديدي ثغر الْهِنْد قَالَ أَبُو خَالِد قَالَ أَبُو الْخطاب أَقَامَ بهَا رَاشد وَشن الغارات وأوغل فِي بِلَاد السَّنَد. [3]

حضرت راشد رضی اللہ عنہ کے ان حملوں اور فتوحات کی شہرت پورے ملک سندھ میں ہوئی۔ یعقوبی کا بیان ہے کہ حضرت راشد بن عمرو جدیدی رضی اللہ عنہ نے آکر قیقان فتح کیا اور بہت سارا مال غنیمت حاصل کر کے آگے بڑھا۔ سندھ کے دیگر شہروں میں پیش قدمی

---

[1] تاریخ خلیفہ بن خیاط، 1/164

[2] یاد رہے مکران حضرت راشد رضی اللہ عنہ سے پہلے حکیم بن جبلہ عبدی فتح کر چکے تھے۔ (معجم البلدان، 5/179) لیکن چونکہ وہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے قتل میں ملوث تھے، اس لیے مؤرخین نے اسے وقعت نہیں دی ہے۔

[3] ایضاً 1/205۔

کی اور وہاں بھی فتحیاب رہے [1]۔ تاہم یہ حقیقت ہے کہ اس وقت قیقان (قلات) کے جنگجو وہاں کے پہاڑوں جیسے مظبوط تھے کہ رجال الجبال جبال الناس (پہاڑی لوگ لوگوں کے پہاڑ ہوا کرتے ہیں یعنی مضبوط ہوتے ہیں) کچھ ایسا ہی حال یہاں بھی تھا کہ یہاں کے پہاڑی لوگ بار بار شکست کھانے کے بعد بھی ہارے نہیں، ہاں یہ بھی تھا کہ وہ زبان اور وعدے کے پکے نہیں تھے بلکہ ان میں منافقت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ وہ جب بھی اپنی شکست دیکھتے تو فوراً اہل عرب سے رحم کی اپیل کرتے۔ ایک طرف عربوں کی رحم دلی ان کو پھر سے موقع فراہم کرتی، اور دوسری طرف ان کو اس بات کا احساس نہیں ہو رہا تھا کہ وہ ایک عربی لشکر سے نہیں بلکہ ایک غیبی طاقت سے نبرد آزما ہیں۔ بہر کیف جو بھی تھا، ان کی بہادری اور دلیری مسلّم تھی۔ حضرت راشد بن عمرو رضی اللہ عنہ نے قوم مید پر بھی فتح پائی تھی [2]۔ ان فتوحات کے بعد بہت سارا مال غنیمت ساتھ لے کر حضرت راشد بن عمرو رضی اللہ عنہ واپس دمشق چلے گئے اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں مالِ غنیمت پیش کیا اور علاوہ ازیں پہلی بار آپ رضی اللہ عنہ نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں قیقانی گھوڑے بطور تحفہ پیش کیے، جنہیں دیکھ کر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بے حد خوش ہوئے اور اس تحفے کو انہوں نے بہت پسند کیا، اور آپ کی بڑی تعریف کی [3]۔

حضرت عبداللہ بن سوار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سندھ پر حملہ

حضرت راشد بن عمرو رضی اللہ عنہ جونہی عرب واپس لوٹے، یہاں کے مقامی لوگ

---

[1] تاریخ الیعقوبی، 1 / 51

[2] فتوح البلدان، 1 / 418

[3] چچ نامہ، ص 104

حسب عادت پھر اپنے وعدے سے مکر گئے اور علم بغاوت بلند کیا۔ یہ خبر جب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو پہنچی تو انہوں نے حضرت عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ سندھ کے حالات پر نظر ثانی کریں اور کسی قابل شخص کو وہاں بھیج دیں۔ لہٰذا 43ھ میں عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے ایک لائق فائق فوجی سپہ سالار حضرت عبداللہ بن سوار رضی اللہ عنہ کو چار ہزار سپاہیوں کا دستہ دے کر بسوئے سندھ روانہ کیا، تاکہ جاکر وہ وہاں کے حالات سنواریں [1]۔ کیونکہ حضرت عبداللہ بن سوار رضی اللہ عنہ کو قبل ازیں بھی حضرت ابن عامر رضی اللہ عنہ سندھ کی طرف بھیج چکے تھے [2]۔ آپ رضی اللہ عنہ نے سندھ کے مشہور مقام قیقان (قلات) [3] آکر سرکشوں اور باغیوں کی خبر لی اور ان کو خوب سبق سکھایا۔ ایک خون

---

[1] چچ نامہ کے مطابق یہ واقعہ 40ھ یا 41ھ میں ہوا۔ (ص 104)، جبکہ ابن خلدون نے اس واقعہ کی تاریخ 42ھ (تاریخ ابن خلدون 3/ 8)، علامہ ابن اثیر نے 43ھ (الکامل فی التاریخ 3/ 35) اور ایلیٹ نے 46ھ (تاریخ سندھ ص 101) لکھا ہے۔ 40ھ اور 41ھ تو اس لحاظ سے درست نہیں کہ 40ھ میں تو ابھی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ خلیفہ نہیں بنے تھے اور 41ھ میں جب وہ خلیفہ بنے تو پھر جاکر انہوں نے حضرت عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ کو والی بصرہ مقرر فرمایا، 41ھ ہی میں انہوں نے حضرت راشد بن عمرو رضی اللہ عنہ کو سندھ روانہ کیا جیسا کہ پیچھے تفصیل میں گزر چکا۔ اگلے برس یعنی 42ھ میں حضرت راشد یہاں سندھ میں شہید ہوئے تو پھر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حکم پر حضرت عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن سوار رضی اللہ عنہ کو سندھ روانہ فرمایا اور تب تک سن 43ھ شروع ہو چکا تھا۔ اور رہی بات اس کے بعد کی تو 44ھ میں حضرت ابن عامر رضی اللہ عنہ اپنے عہدے سے معزول کر دیے گئے تھے (الکامل فی التاریخ 3/ 38) تو کیسے انہوں نے جاکر 46ھ میں کسی کو بھیجا؟

[2] تاریخ خلیفہ ابن خیاط، 1/ 180

[3] قلات جسے اس وقت قیقان یا کیرکانان کہا جاتا تھا، ملک سندھ کا ایک بہت بڑا اور اہم ترین علاقہ تھا۔ کیونکہ اسلامی سلطنت سے خشکی کے راستے سندھ میں داخل ہونے کا یہی ایک راستہ تھا، یہ سندھ کی سرحد پر واقع ایک اہم ضلع تھا، عرب اسی وجہ سے اس کو ثغر ہند (سرحد ہند و سندھ) بولتے تھے۔ راجہ چچ نے ☜

آشام لڑائی میں انہیں بُری طرح شکست دے کر بہت سارا مال غنیمت حاصل کر لیا۔ اس سے پورے قیقان میں آپؓ کی دھاک بیٹھ گئی۔ لوگوں نے ڈر کے مارے آپؓ سے امن طلب کیا اور وعدہ کیا کہ آج کے بعد وہ کبھی سرکشی نہ کریں گے۔ اب کی بار آپؓ کو لگا کہ اب کے بعد یہ لوگ پھر سے بغاوت نہیں کریں گے، لیکن آپؓ کو کیا پتہ تھا کہ یہ تو ان لوگوں کی معمول کی ایک چال ہے جس پر ہر عرب سالار دھوکہ کھا جاتا ہے اور سمجھتا ہے کہ یہ بھی ہماری طرح زبان کے پکے ہیں، اس لیے آپ نے ان کی بات پر یقین کر کے انہیں امن دے دیا اور خود دمشق کی راہ لی تاکہ خلیفۃ المسلمین کو جا کر نہ صرف خوشخبری سنائیں بلکہ ان کے لیے اس بار آپ رضی اللہ عنہ ایک خاص قسم کا تحفہ بھی ساتھ لے گئے۔ چنانچہ آپؓ بارگاہ خلافت میں پہنچے اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی

لہٰ اس کو خصوصی توجہ دے رکھی تھی، اور یہاں غیر معمولی باصلاحیت فوجی تعینات کئے تھے، 40ھ میں چچ کی موت کے بعد اس کے بھائی راجہ چندر اور پھر چچ کے بیٹے راجہ داہر نے 48ھ تا 93ھ اس علاقے کو اپنے کمان میں رکھنے کے لیے غیر معمولی انتظامات کر رکھے تھے۔ کیونکہ انہیں اب یقین ہو چکا تھا کہ اہل عرب سندھ کو کسی بھی حال میں چھوڑنے والے نہیں، اس لیے اگر وقتی طور پر اہل عرب قیقان آکر کامیاب بھی ہو جاتے، تاہم ان کی یہ کامیابی مستقل نہیں ہوتی تھی کہ حاکم قیقان کی درخواست پر راجہ سندھ اور تازہ دم فوجی دستے روانہ کر دیتے تھے اور یوں دوسرے ہی حملے میں عرب غازی بن جانے کے بجائے شہید ہو جاتے، عرب کو بھی دوسرا راستہ معلوم نہ تھا سوائے اسی بلوچستان کے، اور وہ بھی اس کو فتح کیے بغیر چین سے بیٹھنے والے نہیں تھے، اس لیے قیقان پر بار بار حملے ہوتے تھے۔ ایک اور بات یہ کہ اہل قیقان کے لوگ جہاں بہادری میں مشہور تھے وہاں وہ فریب بازی، دھوکہ دہی اور دوغلہ پن کی پالیسی میں بھی کافی آگے تھے، لہٰذا جب کسی جنگ میں وہ اپنی ہار دیکھتے تھے تو فوراً اطاعت کا ناٹک کر کے اپنے آپ کو وقتی مصیبت سے چھڑا لیتے تھے اور عرب لوگ اپنی رحم دلی اور یک زبان ہونے کی وجہ سے انہیں معاف کر کے چھوڑ دیتے تھے، وہاں یہ منافق لوگ پھر سے لڑائی کے لیے اپنے آپ کو تیار کرتے تھے۔ اس لیے یہ علاقے بار بار فتح ہوتے تھے۔ مشہور ہے المرء یقیس علی نفسہ

خدمت میں مال غنیمت کے ساتھ قیقانی گھوڑے بھی پیش کر کے سرخرو ہوئے۔ اس خصوصی تحفے کو دیکھ کر خلیفہ وقت بہت خوش ہوئے اور آپؓ کی بڑی قدر و تعظیم کی اور اپنے ہاں ٹھہرنے کی دعوت دی۔ خدا کا کرنا کہ ابھی آپ دارالخلافت میں ہی تھے کہ سندھ سے خبر آئی کہ قیقانی اپنی عادت سے مجبور ہو کر پھر سے باغی بن گئے ہیں۔ یہ سن کر آپؓ غصہ سے آگ بگولہ ہو گئے اور وہیں سے اس بار صرف چند سو سپاہیوں کا دستہ لے کر واپس سندھ چلے آئے۔ لیکن افسوس کہ اس بار آپ رضی اللہ عنہ کو حوصلہ مندی نہیں بلکہ شہادت یہاں لائی تھی۔ یہاں قیقانیوں نے اس بار نہ صرف سندھ سے کمک کے لیے فوجی منگوا لیے تھے بلکہ ترکی فوجی بھی بلا لیے تھے جو پہاڑی جنگ لڑنے میں بڑے ماہر گردانے جاتے تھے۔ انہیں معلوم تھا کہ آپ رضی اللہ عنہ کس راستے سے یہاں آئیں گے، لہٰذا انہوں نے راستے ہی میں جا بجا اپنے سپاہی بٹھا دیے تھے جو اوپر پہاڑیوں سے آپؓ کے لشکر پر پے در پے تیر برساتے رہیں، آپؓ کے ساتھی ان سے برسرپیکار ہوئے تو یہاں سے یہ تازہ دم ہزاروں ترک، سندھی اور قیقانی فوج ان نہتے سینکڑوں عرب مجاہدین پر ٹوٹ پڑے۔ حالات کا جائزہ لے کر آپؓ نے اپنے سربکف مجاہدوں کو للکارا:

"اے مہاجر اور انصار کے فرزندو! کافروں سے منہ نہ موڑنا، تاکہ تمہارے ایمان میں خلل نہ آئے۔ آؤ! اور درجہ شہادت پر فائز ہو جاؤ۔"

یہ سن کر چند صد مجاہدین اس بے جگری سے لڑے کہ باوجود کثرت کے، دشمن کے اوسان خطا ہو گئے۔ لیکن چونکہ دشمن ایک تو تعداد میں بہت زیادہ تھا اور دوسرا یہ کہ دشمن اوپر پہاڑوں پر اور یہ نہتے عرب سپاہی درے میں محصور تھے، اس لیے دشمن کو انہیں مارنا بہت آسان تھا۔ اس لیے انہوں نے ان کو گھیر لیا تھا لیکن مجاہدین نے ان کے کافی سپاہی واصل جہنم کیے اور پھر خود بھی فرداً فرداً سب نے

شربت شہادت نوش کیا۔ [1]

ٹک نہ سکتے تھے اگر جنگ میں اڑ جاتے تھے
پاؤں شیروں کے بھی میداں سے اکھڑ جاتے تھے

بلاذری آپ رضی اللہ عنہ کے بارے میں لکھتے ہیں: ثُمَّ ولى عَبْد اللهِ بْن عَامِر في زمن معاوية بْن أَبِي سُفْيَان عَبْد اللهِ بْن سوار العبدي، ويقال ولاه معاوية من قبله ثغر الهند، فغزا القيقان فأصاب مغنما، ثُمَّ وفد إِلَى معاوية وأهدى إليه خيلا قيقانية وأقام عنده، ثُمَّ رجع إِلَى القيقان فاستجاشوا الترك فقتلوه وفيه يقول الشاعر: وابن سوار عَلَى عدته ... موقد النار وقتال السغب

وكان سخيا لم يوقد أحد نارا غير ناره في عسكره، فرأى ذات ليلة نارا فقال: ما هَذِهِ، فقالوا:

امرأة نفساء يعمل لها خبيص فأمر أن يطعم الناس الخبيص ثلاثا. [2]

حضرت عبداللہ بن سوار رضی اللہ عنہ کی شہادت 47ھ میں ہوئی، جیسا کہ امام خلیفہ بن خیاط بصری نے تصریح کی ہے: سنة سبع وَ أَرْبَعين فِيهَا غزا عَبْد اللهِ بْن سوار الْعَبْدي القيقان فَجمع لَهُ التّرْك فَقتل عَبْد اللهِ بْن سوار رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ وَعَامة ذَلِكَ الْجَيْش وَغلب الْمُشْركُونَ عَلَى بِلَاد القيقان. [3]

آپؓ کے فضائل اور مکمل سوانح عمری انشاءاللہ تیسرے باب میں آئے گی، یہاں

---

[1] تاریخ خلیفہ بن خیاط 1 / 206، المحبر 1 / 154، المعارف 1 / 590، فتوح البلدان 1 / 417، الکامل فی التاریخ 3 / 35، تاریخ ابن خلدون 3 / 8، شذرات الذہب فی اخبار من ذہب 1 / 240۔

[2] فتوح البلدان 1 / 417

[3] تاریخ خلیفہ بن خیاط، 1 / 208

صرف اتنا بتاتا چلوں کہ آپ رضی اللہ عنہ بہت ہی سخی اور فیاض انسان تھے۔ جس کی مثال میں ایک واقعہ اوپر عبارت میں بلاذری نے درج کیا ہے۔ صاحبِ چچ نامہ نے آپ رضی اللہ عنہ کی اس جنگ کی تفصیل کے بارے میں لکھا ہے کہ تاریخ کے مصنفوں نے مہلب سے اس طرح روایت کی ہے جس کو اس نے ہذلی سے سنا تھا اور ہذلی نے قاسم سے نقل کیا جس کا بیان تھا کہ میں نے نصر بن سفیان سے سنا ہے کہ جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سریر خلافت پر متمکن ہوئے تو انہوں نے عبداللہ بن سوار رضی اللہ عنہ کو چار ہزار سواروں کے ساتھ ولایت سندھ پر مامور کیا اور اس ملک کی حکومت اس کے حوالے کی اور مزید کہا کہ سندھ میں ایک پہاڑ ہے جسے کیکانان (قیقان) کہتے ہیں، وہاں کے گھوڑے قد آور اور موزوں شکل و شباہت کے ہیں۔ تم سے پہلے وہاں کی غنیمتیں یہاں پہنچ چکی ہیں [1]۔ وہاں کے لوگ غدار ہیں اور اسی پہاڑ کی پناہ کے سبب چشمک اور سرکشی کرتے ہیں۔ ابوالحسن نے ہذلی سے روایت کی ہے کہ اس نے مسلمہ بن محارب بن زیاد سے سنا ہے کہ جب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن سوار کو چار ہزار سوار دے کر بھیجا۔ راستے میں کہیں پڑاؤ ڈال کر لشکر میں آپؓ نے دیکھا کہ کوئی شخص آگ جلا رہا ہے [2]۔ اس کے لشکر میں کوئی بھی آگ نہ جلاتا تھا کیونکہ پکا ہوا سفری کھانا ان کے ساتھ ہوتا تھا۔ آخر

---

[1] جیسا کہ عرض ہوا کہ حضرت عبداللہ بن سوار عبدی رضی اللہ عنہ سے قبل حضرت راشد بن عمرو رضی اللہ عنہ اس ملک پر فتح پانے کے بعد یہاں سے مال غنیمت لے کر دربار خلیفہ میں حاضر ہوئے تھے۔ غالباً حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اسی کی طرف اشارہ کر رہے تھے۔ واللہ اعلم

[2] آپ رضی اللہ عنہ نے چونکہ پابندی عائد کر رکھی تھی کہ کوئی بھی شخص آگ نہ جلائیں، تمام تر لشکر کے لیے خوراک کا انتظام ہم کریں گے ...... اللہ اللہ! چند آدمیوں کے لیے نہیں، دسیوں بیسیوں اور سینکڑوں کے لیے بھی نہیں بلکہ ہزاروں آدمیوں کے لیے خوراک تیار کرنا، اور وہ بھی ایک دو وقت اور ایک دو دن کے لیے نہیں بلکہ کئی کئی دن ...... کیا عجب شان تھی جود و سخا کی۔

ایک رات لشکر میں روشنی دیکھی تو دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ ایک حاملہ عورت کے ہاں ایک بچہ پیدا ہوا تھا، اسے آگ کی ضرورت تھی [1]۔ پھر جب ملک کیکانان پہنچے تو دشمنوں نے غلبہ کیا لیکن لشکر اسلام نے انہیں شکست دے کر بہت سا مال غنیمت حاصل کیا [2]۔ اہل کیکانان نے اکٹھے ہو کر پہاڑی راستوں کو جا گھیرا اور چھاپہ مار جنگ شروع ہو گئی۔ عبداللہ بن سوار رضی اللہ عنہ ہتھیار بند اور خاص آدمیوں کا ایک گروہ ساتھ لے کر جم گئے اور للکار کر انہوں نے کہا: اے مہاجر اور انصار کے فرزندو! کافروں سے منہ نہ موڑنا، تاکہ تمہارے ایمان میں خلل نہ آئے۔ آؤ! اور درجہ شہادت پر فائز ہو جاؤ۔"

یہ سن کر اسلام کا پراگندہ لشکر عبداللہ بن سوار رضی اللہ عنہ کے جھنڈے کے چاروں طرف اکٹھا ہو گیا۔ پھر بنی عبدالقیس میں سے ایک بہادر نے باہر نکل کر اپنا مقابل

---

[1] بلاذری اور ابن اثیر وغیرہ مؤرخین نے اس طرح لکھا ہے کہ ایک عورت کو زچگی کے وقت حلوہ کی ضرورت تھی، اس لیے آگ جل رہی تھی، آپ کو معلوم ہوا تو آپ نے حکم دیا کہ تین دن تک تمام لشکر کو حلوا کھلایا جائے۔ اللہ کا کرنا کہ آج بھی وہی پہاڑی اور ڈونگری کو آپ رضی اللہ عنہ کی اسی فیاضی نسبت سے "کوہ حلوائی" کہا جاتا ہے۔ گرچہ خضدار کے لوگوں میں عام مشہور ہی ہے کہ یہ کسی بادشاہ کے ایک واقعہ سے مشہور ہے کہ وہ ایک مرتبہ پہاڑ پر چڑھ گیا کہ اچانک حلوہ کھانے کی اشتہاء ہوئی۔ اس نے فوراً حکم دیا کہ ابھی اسی وقت ہمارے محل میں حلوہ تیار کر کے گرم گرم ہم تک پہنچائی جائے، لہٰذا ایسا ہی کیا گیا۔ اس کے بعد یہ پہاڑ حلوائی سے مشہور ہو گیا۔ اور ایک قول یہ بھی سننے میں آیا کہ یہاں ہندو لوگ اپنے مردے جلایا کرتے تھے، اس مردے کو یا اس رسم کو وہ "حلوان" کہتے تھے اس وجہ سے یہ حلوائی کہلایا۔ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ اصل وجہ حضرت عبداللہ بن سوار رضی اللہ عنہ کا یہ واقعہ ہے۔ واللہ اعلم

[2] ملحوظ خاطر رہے کہ یہاں صاحب چچ نامہ نے آپ رضی اللہ عنہ کے ان دونوں حملوں کو ایک کر کے لکھا ہے حالانکہ ایسا نہیں بلکہ آپ رضی اللہ عنہ نے پہلی بار جب چار ہزار ساتھیوں سمیت حملہ کیا تھا اس میں کامیابی حاصل کر کے واپس دمشق لوٹے تھے، دوبارہ صرف چند سو ساتھیوں سمیت آئے تھے اور یہیں کے ہو کر رہ گئے۔

طلب کیا۔ دشمنوں کا ایک سردار آکر اس کے مدمقابل ہوا۔ یاسر بن سوار رضی اللہ عنہ بھی بنی عبدالقیس کے آدمی کے ساتھ چلا اور حملہ کر کے سردار کو ڈھیر کر دیا۔ یہ دیکھ کر اہل کیکانان کا سارا لشکر نکل آیا اور آخر کار اسلامی لشکر نے شکست کھائی۔ سارا پہاڑ مقتول سپاہ سے اَٹ گیا۔ ابوالحسن نے روایت کی کہ میں نے حاتم بن قتیبہ الباہلی سے سنا، اس نے بیان کیا کہ میں بھی اس لشکر میں تھا، میں نے دیکھا کہ حضرت ابن سوار رضی اللہ عنہ نے ایک جوان سے مقابلہ کیا اور اس کے ساتھیوں نے حملے کر کے کتنے ہی دشمن قتل کیے اور مردانہ وار جنگ کرتے ہوئے خود بھی شہید ہوئے۔ میں مقتولوں کی تلاشی لے رہا تھا کہ مجھے مہروں سمیت سو انگوٹھیاں ملیں۔ عبداللہ بن عبدالرحمٰن عبدی نے کہا کہ میں نے ان کی جنگ کے اشعار یعنی رجز سنے ہیں جو کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سامنے کہے گئے تھے [1]۔ جناب مولانا عبدالحلیم شرر صاحبؒ نے صاحب چچ نامہ کے اس متذکرہ بالا عبارت پر تبصرہ کر کے لکھا ہے کہ چچ نامہ کے مصنف نے جو لکھا ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن سوار رضی اللہ عنہ کو چار ہزار سواروں پر سردار مقرر کر کے روانہ کیا اور حکم دیا کہ تم جا کر سندھ کی حکومت اپنے ہاتھ میں لے لو۔ وہاں جو کوہستان قیقان کے نام سے مشہور ہے اس میں نہایت عمدہ اور پورے قد و قامت کے گھوڑے ہوتے ہیں، اس سے پیشتر وہاں سے گھوڑے آچکے ہیں۔ لیکن وہاں کے لوگ بڑے شریر ہیں اور اپنے کوہستانی دروں کے باعث ہمیشہ سرکشی کی پاداش سے بچ جاتے ہیں۔ یہ غالباً عبداللہ بن سوار رضی اللہ عنہ کے دوسرے سفر سے متعلق ہے، گو جناب معاویہ کے بیان میں ایسے الفاظ ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ گویا عبداللہ بن سوار رضی اللہ عنہ کو پہلے پہل روانہ کر رہے ہیں

---

[1] چچ نامہ، ص 104-105

لیکن یہ الفاظ شاید ناواقف مؤرخین کے ذاتی تصرف سے پیدا ہوگئے ہیں [1]۔

دراصل شرر صاحب اس عبارت کو صحیح سمجھ نہ پا سکے تھے کیونکہ یہ کسی مؤرخ کے ذاتی تصرف سے نہیں بلکہ خود صاحب چچ نامہ کے اختصار کی وجہ سے ابہام پیدا کر رہے ہیں۔ درحقیقت اس عبارت میں حضرت عبداللہ بن سوار رضی اللہ عنہ کی دونوں مرتبہ یہاں آنے کو ایک ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ اور یہیں سے جناب شرر صاحب کو غلط فہمی پیدا ہوئی۔ اگر غور سے چچ نامہ کے اس مندرجہ بالا عبارت کو پڑھا جائے جو ہم ذکر کر چکے ہیں، تو معلوم ہو جائے گا کہ اس میں "جب کیکانان پہنچے تو دشمنوں نے غلبہ کیا لیکن لشکر اسلام نے انہیں شکست دے کر بہت سارا مال غنیمت حاصل کیا" یہاں تک کی عبارت اول بار آنے کی ہے اور اس کے بعد والے الفاظ میں دوسری بار سندھ آنے کی روئیداد ذکر ہے اور بس۔ واللہ اعلم بالصواب

حضرت حارث بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا والی بصرہ مقرر ہونا

44ھ میں عبداللہ بن سوار عبدی رضی اللہ عنہ کی المناک شہادت پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو دکھ پہنچا اور انہوں نے اس دیرینہ مسئلے کے حل کے لیے کوئی مستقل حل ڈھونڈنے پر غور کرنا شروع کیا اس بابت انہوں نے ان علاقوں کے ماہر حضرات میں سے اپنے بھائی حضرت زیاد رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن عامر بن کریز رضی اللہ عنہ کو بلا کر مشورہ لیا کہ اس شورش کا کیا کیا جائے؟ حضرت عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ چونکہ نہایت رحم دل انسان تھے اس لیے انہیں اسی رحمدلی کی وجہ سے معزول کیا گیا کیونکہ یہ طے پایا کہ ان کی رحمدلی اسی راستے میں آڑے آرہی ہے۔ لہٰذا ان کی جگہ حارث بن عبداللہ رضی اللہ عنہ

---

[1] تاریخ سندھ، ص 102

کو والی بصرہ مقرر کر دیا گیا[1]۔ کیونکہ ابن عامر رضی اللہ عنہ وہ قتل و قتال برپا نہیں کرتے جو ایک فاتح کے لیے درکار ہوتی ہے۔ اور یہی "اچھائی" ان کی خامی تھی جس کا فائدہ اٹھا کر وہاں کے مقامی غیر مسلم سرکشی اور بغاوت کرنے پر اتر آتے تھے۔

حضرت مہلب بن ابی صفرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حملے

44ھ میں عبداللہ بن سوار رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ غمزدہ ہوئے اور اب کی بار وہ اس مصیبت یعنی بار بار بغاوت کا سدباب چاہتے تھے۔ اس بابت امور سندھ کے ماہرین سے مشورہ لیا تو معلوم ہوا کہ گورنر کابل حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ قبیلہ ازد کا ایک سردار جس کا نام حضرت مہلب بن ابی صفرہ رضی اللہ عنہ ہے، موجود ہیں، اگر انہیں یہ ذمہ داری سونپی جائے تو عین ممکن ہے کہ وہ اس مسئلے کا کوئی بہتر حل ڈھونڈ نکال لیں کیونکہ وہ صحابیٔ رسول ہوتے ہوئے مذکورہ مشرقی ممالک کے ماہر بھی ہیں۔ حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ نے بھی ان کا انتخاب کیا کہ حضرت مہلب بن ابی صفرہ ازدی عتکی رضی اللہ عنہ ان کے زیر کمان رہ چکے تھے اور انہیں حضرت مہلب رضی اللہ عنہ کی بہادری اور تجربہ کاری کا پوری طرح احساس تھا۔ چنانچہ انہوں نے اس نامور سردار اور قابل سپہ سالار حضرت مہلب بن ابی صفرہ رضی اللہ عنہ کو ہدایت دی کہ جا کر سندھ کی حالت سنواریں اور باغیوں کا قلع قمع کریں۔ اس لیے انہوں نے فی الفور حضرت مہلب بن ابی صفرہ رضی اللہ عنہ کو اس طرف بھیجا۔ جنہوں نے موجودہ بلوچستان کے بجائے درہ خیبر والا راستہ اپنایا اور اس طرف سے سندھ میں گھسنے کی کوشش کی۔ خلیفہ بن خیاط فرماتے ہیں؛

سنة أَربع وَأَرْبَعين فيهَا غزا الْمُهلب بن أَبِي صفرَة أَرض الْهِنْد فَسَار

---

[1] البدایہ والنہایہ، 8/31

إِلَى قندابيل ثمَّ أخذ إِلَى بنة وَألا هور وهما فِي سفح جبل كابل فَلَقِيَهُمْ عَدو هَزَمَهُمْ الله وملأ الْمُسلمُونَ أَيْديهم وَانْصَرفُوا سَالِمين. ❶

یعنی 44ھ میں حضرت مہلب نے قندابیل، بنوں اور لاہور فتح کیا لیکن خلیفہ نے اس میں تقدیم و تاخیر سے کام لیا ہے کیونکہ قندابیل بنوں اور لاہور کے بعد فتح ہوئے تھے۔

بلاذری لکھتے ہیں؛غزا المهلّب بن أبي صفرة في سنة 44 ھ أيام معاوية ثغر السند فأتى بنّة ولاهور، وهما بين الملتان وكابل، فلقيه العدوّ فقتله المهلّب ومن معه، فقال بعض الأزديين:

ألم تر أنّ الأزد، ليلة بيّتوا ببنّة، كانوا خير جيش المهلّب. ❷

حضرت زیاد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بحیثیت والی بصرہ تعیناتی

45ھ میں ہی پھر حضرت حارث بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کو بھی معزول کر کے حضرت زیاد بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کو والی بصرہ تعینات کیا گیا۔ حضرت زیاد رضی اللہ عنہ ان ممالک کے بڑے ماہر تھے، اسلئے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے انہیں گورنر بصرہ مقرر کیا تھا۔

بصرہ کے مشہور، مستند اور اولیں مؤرخ علامہ خلیفہ بن خیاط رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ یہ ہیں:

سنة خمس واربعين فِيهَا عزل مُعَاوِيَة ابْن عَامر عَن الْبَصْرَة وَولى الْحَارِث بْن عَمْرو الْأَزْدِيّ فَقدم فِي أول السّنة ثمَّ عَزله وَولى زيادا فَقدم الْبَصْرَة فِي شهر ربيع فَقتل سهم بْن غَالب الهُجَيْمِي الَّذِي كَانَ خرج بِنَاحِيَة جسر الْبَصْرَة وصلبه وفِيهَا بعث ابْن عَامر عَبْد الله بْن سوار الْعَبْدي فَافْتتحَ القيقان وَأصَاب غَنَائِم وقاد مِنْهَا خيلا فَأصل البراذين القيقانية من نسل تِلْكَ الْخَيل

---

❶ تاریخ خلیفہ، 1/206

❷ معجم البلدان، 1/501

ثمَّ قدم واستخلف حزاز بْن كراز الْعَبْدي وَقدم عَلَى مُعَاوِيَة فَرده إِلَى عمله وعزل ابْن عَامر.[1]

گورنر بصرہ حضرت حارث بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے حضرت مہلب کو سندھ میں کاروائیاں جاری رکھنے کا حکم دیا۔ واقعی حضرت مہلب رضی اللہ عنہ ایک قابل فوجی اور دور اندیش سیاستدان تھے، انہوں نے سوچا کہ قیقان کے راستے سندھ میں دخول کے ہم بارہا کوشش کر کے بھی ناکام رہے۔ اس لیے اسی راستے پھر سے ناکام سعی کرنے کے بجائے کوئی اور متبادل راستہ ڈھونڈنا چاہیے تاکہ ہمارا نقصان بھی نہ ہو اور کامیابی بھی مل جائے۔ انہوں نے اب کی بار ایک نیا منصوبہ تیار کر لیا اور یوں وہ کابل سے ہوتے ہوئے ہلمند آئے اور وہاں سے ہوتے ہوئے درہ خیبر آئے[2]۔

پشاور کی تاریخی حیثیت

یہاں سے حضرت مہلب رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں اسلامی لشکر نے موجودہ پشاور اور اسکے آس پاس کے علاقے فتح کر لیے اور اپنی پیش قدمی جاری رکھی۔ یاد رہے کہ اُس وقت پشاور نامی کوئی جگہ موجود نہیں تھی بلکہ یہاں شاید کوئی گاؤں موجود ہوں، لیکن قصبہ یا شہر بالکل نہیں تھا ورنہ پھر مؤرخین اس کا ضرور ذکر کرتے، جیسا کہ بنوں اور صوابی والے لاہور کا انہوں نے باقاعدہ ذکر کیا ہے[3]۔ پشاور کا بھی لازمی ذکر

---

[1] تاریخ خلیفہ بن خیاط، 1/ 207

[2] یہ خیبر نام بھی ان کا رکھا ہوا لگتا ہے۔ کیونکہ شاید یا تو ان کو یہ علاقہ اپنے خیبر کے علاقے جیسا لگا ہوگا جسے انہوں نے فتح کیا تھا اور پھر اسی جگہ انگریز نے بھی قلعہ تعمیر کرایا جو آج بھی "قلعہ شاہ گئی" کے نام سے موجود ہے۔

[3] معجم البلدان؛ 1/ 500، فتوح البلدان؛ 1/ 417، الکامل فی التاریخ؛ 3/ 42

کرتے اگر یہاں کوئی قابل ذکر مقام ہوتا۔ راقم نے پشاور سے متعلق موجود پشتو، اردو، انگریزی اور عربی میں لکھی گئی تاریخی کتابیں کھنگال کر دیکھیں لیکن کچھ بھی ہاتھ نہ آیا کہ صحابہ اور تابعین کے دور میں یہاں قابل ذکر مقام موجود نہیں تھا[1]۔ تاریخ کا اگر مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہو جائے کہ پشاور کا ذکر پہلی بار چوتھی صدی ہجری میں امیر ناصر الدین سبکتگین کے تذکرے میں آتا ہے، کیونکہ اسکے عہد میں موجودہ پاکستان ہندو راجہ جے پال کی حکومت تھی۔ مؤرخ ہند محمد قاسم فرشتہ اس کی سلطنت کے بارے میں رقم طراز ہیں؛

”راجہ استپال کا بیٹا راجہ جے پال جو برہمن قوم سے تعلق رکھتا تھا اور جس کی سلطنت سرہند سے لمغان ے تک اور کشمیر سے ملتان تک پھیلی ہوئی تھی۔“[2]

چنانچہ 380ھ کے لگ بھگ یہاں پر مسلم ہندو کے دو عظیم الشان لشکروں کا آمنا سامنا ہوا تھا۔ ہندو راجہ جے پال کے لشکر میں ایک لاکھ سوار اور ان گنت پیدل سپاہی تھے جبکہ اس کے مدمقابل اسلامی لشکر تعداد میں بہت کم تھا۔ دونوں طرف سے بڑی تعداد

---

[1] 1870ء میں لکھی گئی ”تاریخ پشاور“ میں منشی گوپال داس، 1872ء اور 1897ء کی انگریزی رپورٹس اور گزیٹر، 1905ء میں مولوی میر احمد کی ”تاریخ سرحد“، حسن دانی کی ”ہسٹری آف پشاور“ اور محمد شفیع صابر کی ”تاریخ سرحد“ سمیت درجنوں مہیا کتب کے مطالعہ کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں۔ اس بارے میں سر اولف کیرو نے اپنی کتاب ”پٹھان“ میں جو لکھا ہے کہ اس سارے علاقے کو پشکلاتی کہا جاتا تھا جو کہ قبل از مسیح میں اس نام سے مشہور تھا، تو اس سے انکار نہیں بلکہ وکی پیڈیا پر موجود ریسرچ آرٹیکل کے مطابق کہ یہ قبل از مسیح گندھارا (ٹیکسلا) کا حصہ تھا تو اس سے بھی انکار نہیں۔ بحث کا اصل مدعی یہ ہے کہ دور صحابہ میں پشاور یا اس کے قریب کوئی نامور جگہ تھی بھی کہ نہیں، اگر موجود تھی تو اس کا ذکر کیوں نہیں؟ اور اگر نہیں تھی تو پھر یہاں صحابہ کیسے دفن ہوئے؟

[2] محمد قاسم فرشتہ، تاریخ فرشتہ (اردو مترجم، عبدالحئی خواجہ)، المیزان لاہور، 2008ء، ص 52

میں لوگ مارے گئے تھے۔ تاہم بقول فرشتہ فتح بہر حال مسلمانوں کو نصیب ہوئی اور یوں پشاور تک کا علاقہ مسلمانوں کے قبضہ میں آگیا[1]۔ اس کے بعد سلطان محمود غزنوی جب شوال 391 ہجری میں پشاور آیا تھا تو راجہ جے پال ایک بار پھر یہاں تک ایک لشکر جرار لے کر آیا اور اسلامی لشکر کو روکنے اور مزاحمت کی ناکام کوشش کی تھی۔

تاریخ فرشتہ میں لکھا ہے:

"سلطان محمود نے اپنے آپ سے یہ عہد کیا تھا کہ وہ سلطنت کی مہمات سے فارغ ہو کر ہندوستان پر حملہ کرے گا اور غیر مسلموں سے لڑائیاں لڑے گا۔ اب اس نے عہدہ کو پورا کرنے کا ارادہ کر لیا اور یہ طے کیا کہ تقریباً ہر سال ایک خاص موسم میں ہندؤوں سے معرکہ آرائی کرے گا چنانچہ اس ارادے کو عملی جامہ پہنانے کیلئے شوال 391ھ میں دس ہزار لشکریوں کے ساتھ غزنی سے پشاور آیا۔ راجہ جے پال بھی ایک زبردست لشکر کے ساتھ جس میں بارہ ہزار سوار اور بتیس ہزار پیادے اور تین سو ہاتھی تھے، محمود کے مقابلے پر نکلا۔ 8 محرم 392ھ بروز دوشنبہ دونوں حکمرانوں کے لشکر آپس میں معرکہ آراء ہوئے۔ فریقین نے بڑی مردانگی اور دلیری سے ایک دوسرے پر حملہ کیا۔ فتح سلطان محمود کو نصیب ہوئی۔ لہٰذا وہ اسلامی فاتح ہونے کی وجہ سے محمود غازی کے نام سے مشہور ہوا۔ راجہ جے پال پندرہ اشخاص کے ساتھ جو اس کے بیٹے اور رشتہ دار تھے، گرفتار ہوا۔ اس کے لشکر کے پانچ ہزار سپاہی تہہ تیغ کیے گئے اور باقی بدحواس و پریشان ہو کر فرار ہو گئے۔ اس معرکے میں بہت سامال واسباب محمود کے ہاتھ لگا۔ اور سلطان محمود پشاور سے پہندہ کے قلعہ میں گیا اور اس کو فتح کر کے اسلامی مملکت میں

---

[1] تاریخ فرشتہ، ص 52

شامل کیا۔"❶

یعنی یہاں پر سبکتگین اور جے پال کے درمیان جو خون آشام لڑائی لڑی گئی تھی جو کئی دنوں تک جاری رہی جس میں جہاں ہندوؤں کے بے شمار فوجی ہلاک ہوئے، وہاں مسلمان سپاہی بھی بہتیرے شہید ہوئے اور پھر جب سلطان محمود اور راجہ جے پال کے مابین نتیجہ خیز جنگ ہوئی جس میں بالآخر سلطان نے انہیں تہ و بالا کر دیا تھا۔ اس میں بھی غیر مسلموں کے ساتھ مسلمان بھی کافی مقدار میں شہید ہوئے تھے۔ جن کی قبریں آج بھی یہاں مختلف مقامات پر موجود ہیں۔ اور قابل ذکر ان میں "اصحاب بابا" کا مزار بھی ہے، جس کی تفصیل آگے آ رہی ہے کہ یہ کوئی صحابی نہیں، البتہ یہ سبکتگین یا محمود غزنوی کے وقت کے شہداء ہیں۔ اس کے آس پاس ایک بہت بڑا قبرستان ہے جس میں وہی شہداء مدفون ہیں ❷۔ اس کی وجہ تسمیہ کے بارے میں بھی بڑا اختلاف ہے تاہم یہ ایک حقیقت ہے کہ آج کا پشاور شہر اصل میں مغل دور کی یادگار ہے۔ جلال الدین اکبر نے تقریباً 1580ء کے لگ بھگ اس شہر کو از سر نو آباد کیا تھا۔ اور حفاظت کیلئے پھر ایک قلعہ بھی بنوایا جسے "قلعہ بالا حصار" کہتے ہیں۔ یہاں چونکہ مختلف پیشوں سے متعلق لوگ آباد کرائے گئے تاکہ مغل حکومت کو جب بھی ضرورت پڑے، ان کی دستیابی آسان ہو۔ ضروری نہیں اور نہ ہی کسی کتاب میں ہے لیکن اس لیے عین ممکن ہے کہ اس کو اسی وجہ سے کہ یہاں پر مختلف پیشوں کے ماہرین رہتے تھے، فارسی زبان میں اسے "شہر پیشہ ور" کہتے تھے جو بعد میں "پیشاور" اور آخر میں یہ

---

❶ تاریخ فرشتہ، 1/ 62

❷ پشاور یونیورسٹی کے قریب واقع پروفیسر کالونی بھی اسی وقت کے شہداء کی قبروں کے قریب بنی ہوئی کالونی ہے۔ جیسا کہ وہاں پر موجود بعض اہل دانش نے راقم کو بتایا کہ یہ وہ شہداء ہیں جو محمود غزنوی کے ساتھ آئے تھے اور یہاں پر کفار سے لڑتے ہوئے شہید ہو گئے تھے۔

شہر ''پشاور'' بن گیا[1]۔ اس کی قدامت سے انکار نہیں، تاہم نام اور جگہ کے بارے

---

[1] اگر پشاور شہر کا بغور جائزہ لیا جائے تو معلوم ہو جائے گا کہ اصل پشاور شہر کو اب ''اندرون شہر'' یا ''اندر شہر'' کہا جاتا ہے، جہاں آج بھی وہ لوگ رہتے ہیں جو مغل دور میں وسط ایشیاء اور ایران سے آئے تھے بلکہ لائے گئے تھے کہ وہ مختلف پیشوں میں مہارت رکھتے تھے، اور ان کے الگ محلے تھے، جو آج بھی ان کے ناموں پر موجود ہیں، مثلاً محلہ زرگراں، محلہ حداد، محلہ سیٹھاں وغیرہ۔ یہ چونکہ ایک تجارتی منڈی بھی تھی اس لیے یہاں پر پیپل منڈی، نمک منڈی اور گڑ منڈی وغیرہ مقامات اب بھی ہیں۔ سیٹھی ایک قوم ہے جو اسی دور میں وسط ایشیاء سے یہاں آئی تھی۔ اس سے جہاں اس بات کو تقویت ملتی ہے کہ یہ شہر یقیناً پیشہ ور لوگوں کے لیے بنایا گیا، وہاں یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ یہاں کوئی آبادی اس وقت تک موجود نہیں تھی، یہ پختون لوگ گرچہ 1500ء کے لگ بھگ آکر یہاں آباد ہوئے تھے، تاہم انکی بود و باش چونکہ دیہاتی تھا نہ کہ شہری اور دوسری بات یہ کہ جب نووارد پختون قبائل نے موجودہ پشاور کے قریب ''شاہ عالم پل'' کے پاس 1520ء کے لگ بھگ جو جنگ لڑی تھی تو اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہیں پر پشاور نامی کوئی جگہ موجود نہیں تھی۔ مغل دور میں یہ شہر ایک قلعہ کے اندر آباد تھا جس کے دروازوں کے نام آسیا دروازہ، ہشت نگری دروازہ، لاہوری دروازہ وغیرہ اب بھی موجود ہیں۔ گرچہ ہند اور افغانستان آتے جاتے مغل بادشاہ سرائے کے طور پر بھی استعمال کرتے تھے لیکن چونکہ یہ دراصل پیشہ ور لوگوں کے لیے بنایا گیا تھا اس لیے اس کی شہرت بھی اسی نام سے ہوئی بعض مؤرخین نے اس شہر کے پرانے نام ''پرشاپور اور باگرام'' وغیرہ ذکر کیے ہیں کہ مغل فرمانروا بابر اور پشتو شاعر عبدالرحمٰن بابا کے اشعار میں ایسے نام پڑھنے کو ملتے ہیں لیکن میں سمجھتا ہوں کہ یہ محض قیاس آرائی ہے کیونکہ یہ کسی دوسرے مقام کے نام بھی تو ہو سکتے ہیں کیونکہ خود عبدالرحمٰن بابا کا ایک شعر ہے:

پہ سبب د ظالمانو حاکمانو — اور او گور او پیخور درے واڑہ یو دی

اس شعر میں پشاور لکھا گیا ہے، یاد رہے کہ پشتو میں پیشاور کو پیخور کہا جاتا ہے جس طرح نوشہرہ کو نوخار کہا جاتا ہے۔ اور ایک اہم بات یہ کہ آج بھی اگر پشاوریوں سے پوچھا جائے کہ پشاور کے اصل باشندے کون ہیں؟ تو جواب میں یہی کہیں گے کہ ''ہندکو بولنے والے''۔ ان کو مقامی زبان میں ''خاریان'' کہا جاتا ہے یعنی اس شہر کے اصل باشندے۔ اور کمال کی بات یہ کہ وہ آج بھی آریائی زبان ''ہندکو'' بولتے ہیں۔ یہ بھی یاد رہے کہ پہلے وقت میں پشاور کا اطلاق پورے صوبے پر ہوتا تھا جیسا کہ 1870ء میں منشی گوپال داس کی مرتبہ کتاب ''تاریخ پشاور'' سے ثابت ہوتا ہے۔

میں کوئی صراحت موجود نہیں ہے اور ویسے بھی تاریخ کا دارومدار قیاسیات اور احتمالات پر مبنی ہے اس لیے ممکنات سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ باقی من حیث المسلم ہمارا عقیدہ ہے کہ اصل عالم اللہ ہی ہے۔

اس طویل بحث کا مقصد یہ تھا کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے دور میں گرچہ یہاں پر کسی آبادی کا امکان بعید از قیاس نہیں تاہم یہاں پر کسی شہر یا بڑے قصبے کی موجودگی بعید از قیاس ہے۔ ہاں یہ بھی ممکن ہے کہ یہاں پر راجہ جے پال کی طرح راجہ چچ نے بھی کوئی فوجی چھاؤنی بنائی تھی جس سے حضرت مہلب رضی اللہ عنہ کے لشکر نے مقابلہ کیا ہو اور اسی جنگ میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے کسی نے شہادت پائی ہو اور پھر ادھر کہیں مدفون ہوئے ہوں۔ یا یہ بھی ہے کہ حضرت مہلب بن ابی صفرہ رضی اللہ عنہ جب یہاں وارد ہوئے تھے تو عین ممکن ہے کہ یہاں کے مقامی لوگوں نے مزاحمت میں ان سے جنگ کی ہو اور اس جنگ میں صحابہ شہید ہو کر یہاں زیر خاک دفن کر دیے گئے ہوں۔ اگر مانا جائے کہ اگر ایسا ہو بھی گیا ہو تو پھر بھی ان کی قبروں اور جائے شہادت کی شناخت کے بارے میں کچھ کہا نہیں جا سکتا کیونکہ کسی کتاب میں ہمیں ایسا کوئی اشارہ نہیں ملتا۔ اور جہاں تک پشاور میں موجود اصحاب بابا کے مزار کا تعلق ہے تو یہ امکان اپنی جگہ کہ شاید یہاں بھی اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم سوئے ہوں لیکن جہاں تک اس میں حضرت سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ کی موجودگی کا دعویٰ ہے تو وہ بے بنیاد اس لیے ہے کہ ایک تو ان کا یہاں آنا بھی ثابت نہیں اور دوسری بات یہ کہ ان کی قبر تو خضدار میں ہے، اب ایک انسان کیسے دو الگ مقامات میں دفن کیا جا سکتا ہے؟ اس پر مستزاد یہ کہ یہاں حضرت سنان رضی اللہ عنہ کی تاریخ شہادت 44ھ لکھی گئی ہے، حالانکہ وہ تو 48ھ میں پہلی بار یہاں سندھ (پاکستان) آئے تھے، پاکستان کے صوبہ بلوچستان جسے اس وقت "ثغر ہند"

کہتے تھے، آئے تھے نہ کہ پشاور۔ اور تعجب تو یہ کہ آپ رضی اللہ عنہ 72ھ میں بصرہ کے حاکم رہ چکے تھے تو کیسے 44ھ میں شہید ہوئے؟ اس پر تحقیقی بحث تیسرے باب میں حضرت سنان رضی اللہ عنہ کے ذیل میں لکھی گئی ہے، وہاں جاکر مطالعہ کریں۔

فتح لاہور (صوابی)

ہلمند سے براستہ خیبر موجودہ صوبہ پختونخوا آنے میں گرچہ پہاڑوں کی مہیب پیچید گیاں موجود تھیں تاہم یہ سب حضرت مہلب بن ابی صفرہ رضی اللہ عنہ کی اولوالعزمی کے سامنے ہیچ تھا[1]۔ آپ رضی اللہ عنہ موجودہ پشاور اور نوشہرہ سے ہوتے ہوئے صوابی پہنچ گئے[2]۔ جہاں دریائے سندھ عبور کر کے انہیں ملک سندھ میں اندر جا کر گھسنا تھا۔ صوابی پہنچ کر یہاں کا مشہور شہر لاہور فتح کیا[3]، جو آج بھی لاہور سے معروف ہے۔ اس کی تفصیل پیچھے باب اول میں گزر چکی ہے کہ بلاذری اور حموی نے جس لاہور کا تذکرہ کیا ہے، دراصل وہ یہی صوابی والا لاہور تھا نہ کہ پنجاب والا لاہور غزا المهلّب

---

[1] شرر صاحب نے تاریخ سندھ میں صفحہ 102 پر لکھا ہے کہ اس راہ کے موجد حضرت مہلب بن ابی صفرہ ہیں، ان کے بعد پھر محمود غزنوی وغیرہ نے اس پر ہند کی طرف پیش قدمی کی۔ لیکن یہ بات درست نہیں کیونکہ اس راستے پر بہت پہلے سکندر اعظم اور دارا وغیرہ فاتحین وارد ہند ہوئے تھے۔ ہاں بحیثیت مسلم سپہ سالار ایسا کہنا درست ہے۔

[2] صوابی کی وجہ تسمیہ کے بارے میں ایک قول یہ بھی ہے کہ اس جگہ پہنچ کر اس لشکر کے سالار صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت مہلب بن صفرہ رضی اللہ عنہ نے اپنا تعارف صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے کرایا، جسے سن کر مقامی لوگ متعجب ہوئے اور بار بار اس لفظ کو دہراتے رہے حتیٰ کہ یہ نام اس جگہ پر لاگو ہو گیا۔ اور یا پھر یہاں جو صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہوئے تھے، انہیں دفنانے کے بعد ان کی قبر کی وجہ سے وہی جگہ صحابی سے مشہور ہوئی کہ یہاں صحابی مدفون ہیں اور بعد میں یہ لفظ مرور زمانہ کے ساتھ صحابی سے صوابی بن گیا۔ (تاریخ صوابی، ص56)

[3] تاریخ خلیفہ ابن خیاط 1/239، فتوح البلدان 1/429، البدایہ والنہایہ 9/42

بن أبي صفرة في سنة 44 ھ أيام معاوية ثغر السند فأتى بنّة ولاهور، وهما بين الملتان وكابل، فلقيه العدوّ فقتله المهلّب ومن معه، فقال بعض الأزديين:

ألم تر أنّ الأزد، ليلة بيّتوا ببنّة، كانوا خير جيش المهلّب. [1]

بعض ناواقف مؤرخین اس سے پنجاب والا لاہور مراد لیتے ہیں لیکن اگر حموی کے اس اگلے جملے پر غور کیا جائے کہ "یہ دونوں شہر بنوں اور لاہور، کابل اور ملتان کے مابین ہیں" تو خود بخود معلوم ہو جائے گا کہ اس سے مراد کونسا لاہور ہے۔ کیونکہ پنجاب والا لاہور ملتان سے صرف ڈھائی سو میل کے فاصلے پر واقع ہے جبکہ کابل یہاں سے ایک ہزار کلومیٹر سے بھی زیادہ فاصلے پر ہے، ایسے میں خود سوچئے کہ کونسا لاہور مراد ہے۔ اور یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ ایک تو پنجاب والا لاہور اسوقت تھا نہیں اور دوسری بات یہ کہ پنجاب میں داخل ہی کب ہوئے تھے ؟ یہ تو دریائے سندھ سے واپس ہو گئے تھے جیسا کہ تفصیل آگے آرہی ہے۔ اگر پنجاب والا لاہور فتح ہو جاتا تو پھر حضرت مہلب رضی اللہ عنہ کا یہ اسلامی لشکر ضرور آگے سندھ کے دارالخلافت پر جاکر قابض ہو جاتا کہ ان کا اصل مقصد بھی تو یہی تھا۔ اور یہ بھی کہ پنجاب والا لاہور اگر فرض کریں تھا بھی تو وہ اُس وقت صوبہ ملتان کا حصہ تھا جو کہ ملتان سے صرف ڈھائی سو میل کے فاصلے پر ہے، دوسری طرف اس لاہور سے کابل کتنا دور ہے ؟ ایسے میں یہ کہنا کہ لاہور کابل اور ملتان کے مابین واقع ہے، محض ایک خوش فہمی ہی ہو سکتی ہے۔ اسلئے تو اردو دائرہ معارف اسلامیہ جو اردو زبان کی بڑی انسائیکلوپیڈیا ہے، اور جو پنجاب والے لاہور میں لکھی اور چھپی ہے اس میں لکھا ہے کہ بلاذری (م 279ھ /

---

[1] معجم البلدان، 1/501

892ء) نے اپنی تالیف میں جس لاہور کا ذکر کیا ہے یہ ایک چھوٹا سا گاؤں تھا جو کہ اٹک اور ویہند کے درمیان کہیں آباد تھا۔"[1]

بڑے افسوس کی بات ہے کہ ایک طرف خود تسلیم کرتے ہیں کہ بلاذری اسی صوابی والے لاہور کا ذکر کرتا ہے، اور دوسری طرف پھر اسے ایک "چھوٹا سا گاؤں" لکھتے ہیں۔ یہ بات اگر مجھ جیسے عام لکھاریوں نے لکھی ہوتی جیسا کہ کئی اور مؤرخین نے لکھی ہے[2]، تو کوئی بات نہیں تھی لیکن یہ تو حضرات محققین ہیں، ان سے ایسی خطا کیسی ہوئی؟ ان سے عاجزانہ گزارش ہے کہ کیا وہ راقم کے اس سوال کا جواب دے سکتے ہیں کہ آیا اس دور میں ایک عرب مؤرخ یہاں کے کسی "چھوٹے سے گاؤں" کا ذکر کر سکتا ہے کہ عرب جیسے عالمی فاتحین نے یہاں کے ایک "چھوٹے سے گاؤں" کو فتح کر لیا تھا، جسے لاہور کہا جاتا تھا؟ اور کیا یہاں پر بنوں اور لاہور کے علاوہ اور کوئی "چھوٹا گاؤں" نہیں تھا جس کا وہ ذکر کرتے، یا پھر اس پورے علاقے میں صرف یہی دو "چھوٹے ہی سے گاؤں" تھے اور اس کے علاوہ کیا یہاں اور کوئی آبادی نہیں تھی؟

اسی "چھوٹے سے گاؤں" کو قاضی اطہر رحمہ اللہ نے علامہ حموی رحمہ اللہ کے حوالے سے "مدينة عظيمة فى بلاد الهند" لکھا ہے[3]۔ علامہ یاقوت حموی نے اس بڑے شہر لاہور کے قریب والے کئی مقامات کا ذکر کیا ہے۔ مثلاً زیدان (زیدہ) اور کرنبار

---

[1] اردو دائرہ معارف، 1/18

[2] العقد الثمین، ص 92۔ حالانکہ قاضی صاحب بھی عام مؤرخ نہیں بلکہ ایک محقق ہیں لیکن یہ ان کے علم میں نہ آسکا۔ کیونکہ وہ تو دراصل ہندوستان کے تھے۔ کیونکہ وہ خود ہی ایک اور جگہ اسے "مدينة عظيمة" کہتا ہے۔

[3] ایضاً، ص 92

(کڑامار) وغیرہ [1]۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت مہلب رضی اللہ عنہ نے صوابی میں موجود اہم مقامات کو بھی فتح کیا، یادرہے کہ لاہور کو بعض عرب حضرات الاھواز بولتے تھے اور الاھواز، خوزستان کو بھی کہتے تھے۔ بس یہاں سے ایک اور غلط فہمی پیدا ہوگئی اور دونوں شہروں کے ذکر سے ابہام نے جنم لے لیا۔ کیونکہ خوزستان ایک مشہور علاقہ تھا جہاں مسلمان کافی عرصہ رہے اور یہاں توبس حضرت مہلب رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں چند دنوں کیلئے آئے تھے، اسلئے اگر اِس لشکر کے کسی راوی نے الاھواز کا ذکر کیا بھی ہو تو چونکہ عام مؤرخین نے اسکے بارے میں کم ہی سنا ہوا تھا بلکہ شاید سنا ہی نہیں، اس واسطے الاھواز کو اس لاہور کے بجائے بھی خوزستان سے منسوب کیا جاتا۔ اور دوسری اہم بات یہ کہ عرب اکثر نام بھی تبدیل کرلیتے تھے کیونکہ بعض الفاظ وہ بول نہیں سکتے تھے عربی زبان میں نہ ہونے کی وجہ سے اور بعض انہیں اچھے نہیں لگتے تھے۔ بہرکیف صوابی والے لاہور کے قریب جن دو مقامات کا علامہ حموی (م626ھ) نے ذکر کیا ہے ان میں ایک کڑامار ہے جو لاہور کے قریب ایک مشہور پہاڑ ہے اور صوابی میں ہی نہیں پورے پختونخوا میں اسکی شہرت ہے کیونکہ اس سے پختونوں کی ایک مشہور لوک کہانی "یوسف خان شیر بانو" منسوب ہے، اسی کڑامار کے قریب کالوخان نامی ایک گاؤں ہے جس میں ایک نہر ہے۔ علامہ حموی مزید اس نہر کا ذکر کرکے فرماتے ہیں کہ جب حضرت مہلب رضی اللہ عنہ یہاں پہنچے تو انہوں نے یہاں کے لوگوں کو بھی اپنا مطیع بنایا تھا۔ اور یہ نہر "کرنبا" نامی شخص نے کھودوایا تھا [2]۔ اسی کرنبا کی نسبت یہاں موجود ایک بڑے پہاڑ کا نام بھی کڑہ مار ہوگیا۔ کہ یہی کرنبا جاکر زبانوں کی تبدیلی اور مرورزمانہ کی

---

[1] معجم البلدان، 3/163، 4/457

[2] ایضاً، 4/457

وجہ سے بعد میں کرم ما، کرہ ما، کڑاما اور آخر میں کڑامار بن گیا۔ جو آج بھی کڑامار کے نام سے موجود ہے۔ یہ بھی عرض کر دوں کہ یہ لاہور ہنڈ اور اٹک کے مابین نہیں جیسا کہ اردو دائرہ معارف میں لکھا گیا ہے بلکہ اس کے قریب واقع ہے کیونکہ اٹک دریائے سندھ کے جنوب میں اور ہنڈ دریا کے شمال میں ہے۔ اور ان کے درمیان میں دریا سندھ بہتا ہے۔ بہر حال جو بھی ہے، حاصل بحث یہ ہے کہ بلاذری، حموی، ابن اثیر، ابن کثیر اور امام ذہبی وغیرہ حضرات نے جس لاہور کا ذکر کیا ہے، اس لاہور سے مراد یہی صوابی والا لاہور ہے نہ کہ پنجاب والا لاہور۔ صوابی والے لاہور کی قدامت جاننے کیلئے راقم کی کتاب "تاریخ صوابی" اور اسی لاہور کے عالم فاضل مؤرخ میر سید بخاری کی کتابیں "لاہور تاریخ کے آئینے میں" اور "تاریخی لغزشیں" مطالعہ کیجئے گا۔

دریائے سندھ پر ویہند (ہنڈ) نامی گھات تھا جس کے ذریعے لوگ ملک سندھ داخل ہوتے تھے۔ گرچہ ملک سندھ افغانستان کے ہلمند تک پھیلا ہوا تھا، تاہم یہاں ان کی حکومت کی وہ صورتحال نہیں تھی جس طرح قیقان کی طرف سے موجود تھے، اور اسی کا بھرپور فائدہ اٹھایا حضرت مہلب رضی اللہ عنہ نے تبھی تو انہوں نے اس راستے کو حملے کے لیے منتخب کیا تھا[1]۔ ویہند کو آج کل ہنڈ کہتے ہیں جہاں آج بھی سکندر اعظم کی یادگار موجود ہے۔ اور ایک بہت ہی پرانے قلعے کے آثار بھی یہاں پائے جاتے ہیں۔

چھچھ (اٹک)

اُس وقت اس گھات کے بالکل سامنے دریا پار راجہ چچ نے اپنے دور حکومت میں ایک مضبوط قلعہ تعمیر کرایا تھا، جس کو تسخیر کرنا محال نہ سہی بہت مشکل ضرور تھا۔ یہی قلعہ چچ کے نام سے مشہور تھا اور آج بھی یہ علاقہ اسی نام یعنی "علاقہ چچ" سے مشہور ہے،

---

[1] تاریخ سندھ از سید سلیمان ندوی، ص 37

البتہ اب اسے چھچھ لکھا اور کہا جاتا ہے۔ جہاں پر اکثریت سے پختون لوگ رہائش پذیر ہیں تاہم ان کی زبان ہندکو ہے، گرچہ ان میں ابھی تک پشتو بولنے والے بھی ہیں لیکن ان کی پشتو ایسی ہے جیسا کہ پختونوں کی اردو، ہاں ان میں بعض لوگ ایسے موجود ہیں جو اب بھی ہندکو زبان پر عبور رکھنے کے باوجود خالص پشتو بھی بول لیتے ہیں تاہم ایسے لوگ کم ہیں [1]۔ یاد رہے کہ اس گھاٹ پر سے اس سے قبل بھی صحابہ آکر کوشش کر چکے تھے لیکن ایک تو ان کی اس بابت کوئی حکمت عملی نہیں تھی اور دوسری بات یہ کہ وہ تعداد میں بھی بہت کم تھے، لہٰذا یہ جونہی دریا پار کر کے گئے تو وہاں پر چھچھ کے سپاہی ان کے منتظر تھے، ایک گھمسان کی لڑائی کے بعد سبھی صحابہ کرام وہاں شہید ہوئے اور ایک قبر میں ان کو دفنایا گیا جو آج بھی اصغر نامی گاؤں میں موجود ہے [2]۔

فتح صوابی اور اٹک کی وجہ تسمیہ

حضرت مہلب رضی اللہ عنہ نے صوابی فتح کرنے کے بعد ہنڈ کی گھات پار کر کے قلعہ چچ کو فتح کرنا چاہا، اس مقصد کے لیے انہوں نے قلعہ کے مغرب کی جانب پڑاؤ ڈالا اور وہاں ایک محدود عرصہ مقیم رہے لیکن قلعہ فتح نہ ہو سکا۔ چونکہ یہ قلعہ ملک سندھ کی

---

[1] علاقہ چھچھ کی سرزمین ایک علمی اور زرعی مردم خیز اور زرخیز زمین ہے، جہاں بڑے بڑے علماء، اولیاء، شعراء، ادباء اور زعماء نے جنم لیا۔ جس کی تفصیل کے لیے محترم نذیر رانجھا صاحب کی کتاب ''تذکرہ علماء چھچھ'' کا مطالعہ کیجئے اور چھچھ کی تفصیلی تاریخ کے لیے ویسہ گاؤں کے جناب سکندر خان صاحب کی کتاب ''دامن اباسین'' دیکھنا چاہیئے۔

[2] اس مزار پر ''صحاب بابا'' رقم ہے۔ یہاں راقم دوبار گیا ہے۔ یہ مزار دریائے سندھ کے کنارے صوابی کے گاؤں ہنڈ کے بالکل پار واقع ہے۔ وہاں جا کر راقم نے معلوم کیا تو لوگوں نے یہی کہا کہ ہم نے اپنے زعماء سے یہی سنا ہے کہ یہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مشترکہ مزار ہے۔ کب، کون اور کیسے یہاں آکر شہید ہوئے؟ اللہ ہی جانے۔

اہم ترین جگہ پر واقع تھا اس لیے یہاں بھی غیر معمولی انتظامات کیے گئے تھے کہ گویا اس کو تسخیر کرنے سے پورا سندھ تسخیر کرنا آسان ہو جاتا تھا۔ آپؓ جس جگہ مقیم رہے وہاں آپ نے ایک بستی آباد کرائی اور بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ ایک قلعہ آباد کرایا، جسے اپنی قوم کی نسبت سے موسوم کیا یعنی ''عتک''۔ کیونکہ آپؓ قوم ''العتک'' سے تعلق رکھتے تھے۔ یہ نام پھر مرور زمانہ کے ساتھ اور تبادلہ اَلسنہ کی وجہ سے اتک اور آخر میں ''اٹک'' مشہور ہوا۔ جو آج بھی موجود ہے بلکہ پنجاب کے ایک بڑے ضلع کا نام اور صدر مقام ہے [1]۔

فتح بنوں (پختونخوا)

حضرت مہلب رضی اللہ عنہ چونکہ نہایت عقلمند اور مدبر سپہ سالار تھے [2] اس لیے وہ سمجھ گئے تھے کہ یہاں بھی یوں ہی وقت ضائع کرنا ہے۔ لہٰذا کسی اور راستے سے کوشش کرنی چاہیئے، اس لیے آپ رضی اللہ عنہ ویہند (ہنڈ) کے گھاٹ پر واپس صوابی کی طرف لوٹے اور وہاں سے ہوتے ہوئے یہ بنوں اور کوہاٹ چلے گئے۔ وہاں بنوں [3] میں

---

[1] ضیاء اللہ جدون، حضرت سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ اور پشاور میں واقع مزار اصحاب بابا کا تحقیقی جائزہ، ص8، صوابی 2016ء

[2] اہل قلم نے آپ کے کئی ایک اقوال ذکر کیے ہیں۔ یہاں ہم ڈاکٹر غلام جیلانی برق کی کتاب ''دانش عرب وعجم'' سے صرف ایک قول درج کر دیتے ہیں جو ایک حدیث کے متشابہ ہے۔ فرمایا سخی اللہ کے قریب، مخلوق کے قریب اور جنت کے قریب ہوتا ہے۔ (دانش عرب وعجم، ص31، الفیصل لاہور 2011ء)

[3] عجیب ہے کہ بنوں کے لوگ آج بھی لفظ ''و'' نہیں بول سکتے۔ یعنی وہ ''مور'' کو ''میر'' اور خور کو ''خیر'' کہتے ہیں۔ اسلیے بنوں کو ''بنی یا بنہ'' بولتے ہیں۔ راقم کے استاد محترم ڈاکٹر قبلہ آیاز (سابقہ وی سی یونیورسٹی آف پشاور) بنوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ بنوں کی مشہور علمی وسیاسی شخصیت مولانا قاری عبداللہ صاحب کو بھی راقم سے علمی تعلق ہے۔

رات گزار کر صبح ایک جنگ میں فتح حاصل کرلی جیسا کہ شاعر کہتا ہے کہ؛

ألم تر أنّ الأزد ليلة بيّتوا　　　　ببنّة كانوا خير جيش المهلّب [1]

چونکہ اس لشکر میں اکثریت قبیلہ ازد کے جوانوں کی تھی اس لیے شاعر جو کہ خود بھی ازدی ہے ان ہی کے گن گا رہا ہے کہ وہ حضرت مہلب رضی اللہ عنہ کے لشکر کے بہترین سپاہی ہیں۔ اور ان کی بہادری کی وجہ سے اسلامی لشکر پے در پے فتوحات حاصل کر رہا ہے۔
یہ بات بھی عجیب اور قابل ذکر ہے کہ حضرت مہلب بن صفرہ عتکی ازدی رضی اللہ عنہ وہ واحد صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جو آئے تو سندھ کو فتح کرنے تھے تاہم اُن کی قدم بوسی سے پاکستان کے صوبہ سندھ کو چھوڑ کر پختونخوا، بلوچستان اور پنجاب تینوں صوبے سعادت مند ہوئے۔ مہلب بن صفرہ عتکی ازدی رضی اللہ عنہ وہ صحابی ہیں جس نے پاکستان میں وارد صحابہ میں سب سے آخر میں وفات پائی۔ تفصیل تیسرے باب میں درج ہے۔

فتح قندابیل وقیقان

بنوں کو فتح کرنے کے بعد حضرت مہلب رضی اللہ عنہ نے پیش قدمی جاری رکھی اور جاتے جاتے آپؓ قندابیل جا پہنچے جہاں آپؓ کا وہاں کے کافروں سے آمنا سامنا اور پھر خوب سخت مقابلہ ہوا، آپؓ نے نہایت ہی جانبازی سے ان پر حملہ کرکے دشمن کو تہس نہس کر دیا اور ان سے خوب مال و اسباب لے کر نیک نامی اور سرخروئی کے ساتھ آگے بڑھیں [2]۔ اس کے بعد آپؓ قیقان چلے گئے اور وہاں پر ترک فوجیوں کے ایک چھوٹے سے دستے سے مڈبھیڑ ہوئی۔ یہ ترک سپاہی تعداد میں صرف اٹھارہ تھے لیکن وہ

---

[1] فتوح البلدان، 1/417، الکامل فی التاریخ 3/42، معجم البلدان 1/501

[2] تاریخ خلیفہ بن خیاط، 1/206

لڑنے پر تلے ہوئے تھے اس لیے آپؓ نے ان سب کو وہاں ڈھیر کر دیا[1]۔ ان کو مارنے کے بعد آپؓ نے دیکھا کہ ان کے پاس جو گھوڑے تھے، ان کے عیال اور دُمیں کٹی ہوئی ہیں، آپؓ کو یہ وضع بہت پسند آئی اور آپؓ نے فرمایا "یہ عجمی لوگ ہم سے زیادہ اس بات کے مستحق نہیں ہیں کہ اپنے گھوڑوں کے عیال اور دُمیں کاٹیں (یعنی یہ کام ہمیں کرنا چاہیے کیونکہ گھوڑوں سے محبت ہم اہل عرب کرتے ہیں)۔"

یہ کہتے ہوئے آپؓ نے اپنے گھوڑے اور اپنی لشکر کے تمام گھوڑوں کے عیال اور دُمیں کاٹ ڈالیں۔ اسی وجہ سے کہتے ہیں کہ اسلام میں حضرت مہلب بن ابی صفرہ رضی اللہ عنہ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے گھوڑوں کے لیے یہ وضع اختیار کر لی تھی۔ الکامل فی التاریخ میں اس بارے میں علامہ ابن اثیر کے الفاظ یہ ہیں:

فَلَقِيَهُ الْعَدُوُّ وَقَاتَلَهُ، وَلَقِيَ الْمُهَلَّبَ بِبِلَادِ الْقِيقَانِ ثَمَانِيَةَ عَشَرَ فَارِسًا مِنَ التُّرْكِ فَقَاتَلُوهُ فَقُتِلُوا جَمِيعًا، فَقَالَ الْمُهَلَّبُ: مَا جُعِلَ هَؤُلَاءِ الْأَعَاجِمُ أَوْلَى بِالتَّشْمِيرِ مِنَّا! فَحَذَفَ الْخَيْلَ، وَكَانَ أَوَّلَ مَنْ حَذَفَهَا مِنَ الْمُسْلِمِينَ.[2]

حضرت سنان بن سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ورود

47ھ میں حضرت عبد اللہ بن سوار رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد خلیفۃ المسلمین حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے 48ھ میں بصرہ کے گورنر حضرت زیاد بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ (سندھ و خراسان جن کے زیر کمان تھے) کو لکھ بھیجا کہ ایک قابل سپہ سالار کو منتخب کر کے سندھ روانہ کرو تاکہ وہ وہاں کے حالات بہتر کر سکے، چنانچہ انہوں نے حضرت سنان بن سلمہ بن محبق الہذلی رضی اللہ عنہ کو سندھ کی طرف بھیجا جو نہایت عالم فاضل اور مدبر

---

1. فتوح البلدان، 1/417
2. الکامل فی التاریخ، 3/42

انسان تھا۔ حضرت سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ تمام دنیاوی اور دینی خوبیوں کا مجموعہ تھے۔ اپنی بے مثال دلیری، شجاعت، عدل وانصاف، علمیت، انتظام سلطنت اور فتوحات کی بنا پر عرب کے ساتھ ہند و سندھ میں یکساں مشہور تھے۔ آپ کی بہادری، جرات مندی اور استقلال کا یہ عالم تھا کہ میدان جنگ میں سیلاب کی طرح بڑھتے ہوئے چلے جاتے تھے اور ایسے میں کسی نشیب و فراز یا خطرناک و شاطر دشمن کا مطلق خیال نہ کرتے تھے۔ الغرض قدرت نے آپ کو کئی قابل رشک صلاحیتوں سے نوازا تھا۔ چچ نامہ میں لکھا ہے کہ اس تاریخ کی تشریح کرنے والوں نے ہذلی اور عیسیٰ بن موسیٰ سے سنا جس نے اپنے باپ سے روایت کی ہے کہ جب عبد اللہ بن سوار رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت زیاد بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کو لکھ بھیجا کہ کوئی ماہر مدبر سپہ سالار سندھ کی طرف روانہ کرو جو حالات کو سنبھالیں۔ جواب میں حضرت زیاد رضی اللہ عنہ نے لکھا کہ میرے پاس اس کام کیلئے دو آدمی ہیں، ایک احنف بن قیس رضی اللہ عنہ اور دوسرا حضرت سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ، اب آپؓ کی مرضی کہ کس کو بھیجوں؟ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے جوب لکھا کہ احنف بن قیس رضی اللہ عنہ کو میں دو نافرمانیوں میں سے کس کا انعام دوں؟ ام المؤمنین (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا) سے بے وفائی کا یا پھر جنگ صفین کے دن ہمارے خلاف کوشش کرنے کا؟ [1]

---

[1] دراصل ابھی حال ہی میں مسلمانوں میں جنگ صفین اور جنگ جمل جیسی دو عظیم جنگیں ہوئی تھیں، ان جنگوں میں ظاہر ہے کہ صحابہ کرام طرفین میں منقسم ہوئے تھے۔ ایک طرف سالار حضرت علی کرم اللہ وجہہ تھے تو دوسری طرف حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ جیسے سردار سالار لشکر تھے۔ ایک طرف گرچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ جلیل القدر صحابہ تھے تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے طرف داروں میں بھی حضرت امی عائشہ رضی اللہ عنہا جیسی شخصیات موجود تھیں۔ بہر حال عرض یہ کرنا تھا کہ ان مذکور جنگوں میں چونکہ حضرت احنف بن قیس رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے طرف دار تھے، تو حضرت امیر معادیہ رضی اللہ عنہ اس کی طرف اشارہ فرمارہے ہیں۔ لیکن چونکہ حضرت زیاد بھی ابوسفیان ہی کے بیٹے تھے، حضرت زیاد رضی اللہ عنہ نے پھر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو لکھ بھیجا کہ احنف بن ☜

اس لیے حضرت سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ کو روانہ کرو۔ حضرت زیاد رضی اللہ عنہ نے پھر لکھ بھیجا کہ احنف بن قیس رضی اللہ عنہ، شرف عقل اور قیادت کے اس درجے پر پہنچ چکا ہے کہ جہاں نہ کوئی حکومت اسے فائدہ پہنچا سکتی ہے اور نہ برطرفی اسے کوئی نقصان۔ پھر آپ رضی اللہ عنہ مکران چلے گئے اور فتوحات حاصل کرنے کے بعد دو سال اور ایک ماہ تک وہاں ٹھہرے رہے [1]۔

خلیفہ بن خیاط فرماتے ہیں: سنة ثَمان وَأَرْبَعين قَالَ أَبُو الْيَقظَان لما قتل عَبْد الله بْن سوار كتب مُعَاوِيَة إِلَى زِيَاد انْظُر رجلا يصلح لثغر الْهِنْد فوجهه فَوجه زِيَاد سِنَان بْن سَلمَة بْن محبق الْهُذلِيّ [2].

حضرت سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ سندھ آئے اور چند ہی دنوں میں ابتری دور کر کے حالت ایک دم بہتر کر دی۔ مکران، قیقان اور قندابیل کے سرکشوں کو جا دبایا، اور جنہوں نے سامنے آنے کی جرات کی، انہیں راستے سے ہٹا دیا گیا۔ آپؓ نے یہاں کے نہ صرف حالات سنواریں بلکہ یہاں کی گلیاں کوچے بھی ٹھیک کرائیں۔ قریباً دو سال یہاں گزارنے کے بعد حضرت سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ معزول ہو کر واپس ہونے کو تھے کہ انہیں یہ خدشہ لاحق ہوا کہ ان کے جانے کے بعد حسب معمول مقامی لوگ پھر سے بغاوت کر دیں گے اس لیے انہوں نے والی بصرہ حضرت زیاد رضی اللہ عنہ کو خبر دار کیا، تب حضرت زیاد رضی اللہ عنہ نے قیقان کے فاتح حضرت راشد بن عمرو جدیدی رضی اللہ عنہ کو پھر سے یہ

لہ قیس، شرف عقل اور قیادت کے اس درجے پر پہنچ چکا ہے کہ جہاں نہ کوئی حکومت اسے فائدہ پہنچا سکتی ہے اور نہ برطرفی اسے کوئی نقصان۔

1. چچ نامہ، ص 108
2. تاریخ خلیفہ بن خیاط، i / 209

ولایت سونپی، یاد رہے حضرت راشد رضی اللہ عنہ، حضرت سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ کے شاگرد تھے، جیسا کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے تصریح کی ہے [1]۔ حضرت راشد رضی اللہ عنہ وہی تھے جنہوں نے 42ھ یا 43ھ میں آکر اس علاقے کو فتح کیا تھا۔ اور بہت سارا مال و اسباب غنیمت بھی ساتھ لے گئے تھے۔ بعض حضرات کا خیال ہے کہ آپؓ پہلی بار جب یہاں سندھ آئے تھے تو شہید ہو گئے تھے جیسا کہ بلاذری نے لکھا ہے ثُمَّ استعمل زياد عَلَى الثغر راشد بْن عَمْرو الجديدي منَ الأزد فأتى مكران، ثُمَّ غزا القيقان فظفر، ثُمَّ غزا الميد فقتل وقام بأمر الناس سنان بْن سلمة. فولاه زياد الثغر فأقام به سنتين. [2]

لیکن حقیقت یہ ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ دو بار آئے تھے اور بلاذری کی یہ عبارت دوسری بار آنے کی ہے جیسا کہ علامہ علی محمد الصلابی لکھتے ہیں؛ فلم يدم المقام لابن سوّار طويلاً في ثغر السند فقد قتلته جماعة من الترك هناك في سنة47هـ وفي سنة 48هـ اختار زياد بن أبي سفيان سنان بن سلمة بن المُحَبَّق الهذلي ليكون واليًا على الاقاليم المفتوحة من ثغر السند وما أن وصل سنان إلى هناك حتى تمكن من فتح مدينة مكران(عنوةٍ) ومصّرها وأقام بها وضبط البلاد. ولكن سنان لم يمكث هناك سوى سنة أو سنتان ثم عزله زياد. وولى مكانه راشد بن عمرو الأزدي، فأتى مكران ثم تقدم في بلاد القيقان، فظفر، ثم اتجه نحو الميد، فقتل هناك. [3]

خلیفہ ابن خیاط، بلاذری، حموی، ابن اثیر، ابن عماد، یافعی اور امام ذہبی سمیت

---

[1] تاریخ الکبیر، تحت ترجمہ 2337

[2] فتوح البلدان، 1/ 418

[3] علی محمد الصلابی، معاویہ بن ابی سفیان، 1/ 443، دار الاندلس مصر 1429ھ

تمام موٴرخین اس بات پر متفق ہیں کہ پہلی مرتبہ حضرت راشد بن عمرو رضی اللہ عنہ نے مقاتلہ کرکے خوب مال غنیمت حاصل کیا تھا اور جب دوبارہ آئے تو یہاں شہید ہوئے [1]۔

حضرت راشد بن عمرو رضی اللہ عنہ عرب کے بہت ہی شریف خاندان میں سے تھے اور اس کے ساتھ وہ ذاتی لیاقت اور خوبیوں سے آراستہ بھی تھے۔ کم سنی ہی میں اس نے شجاعت کے جوہر بھی دکھائے تھے جب حضرت زیاد رضی اللہ عنہ نے سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ کو واپس بلا کر راشد رضی اللہ عنہ کو سندھ بھیجنے جارہے تھے، ان دنوں اتفاق سے یہ بہادر بھی امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دربار میں پیش کیا گیا اور اس کے تمام اوصاف امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر ظاہر کئے گئے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان اوصاف پر اس کی یہاں تک قدر کی کہ اپنے برابر سریر خلافت پر بٹھایا۔ اس کے بعد تمام افسرانِ فوج کی طرف مخاطب ہو کے فرمایا کہ راشد ایک بے مثل شخص ہے، تم سب لوگوں کو چاہیے کہ اس کی اطاعت کرو اور اسے معرکہ کارزار میں تن تنہا نہ چھوڑو۔ یہ کہنے کے بعد امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت راشد رضی اللہ عنہ کو سندھ روانہ کیا کہ وہ جاکے مہم سندھ سرانجام دیں [2]۔ اس کے ساتھ ہی سندھ میں موجود حضرت سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ کو لکھ بھیجا کہ میں نے راشد کو سندھ روانہ کردیا ہے۔ یہ پہنچے تو باہر آکر ان کا استقبال کرنا اور پھر انہیں وہاں کے حالات سے آگاہ کردینا۔ حضرت راشد رضی اللہ عنہ جب مکران پہنچے تو حضرت سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ نے اس کا پرجوش خیر مقدم کیا اور پھر اپنے ساتھ کافی دیر تک بٹھا کر تمام تر حالات سے انہیں

---

[1] تاریخ خلیفہ ابن خیاط 1 / 205، تاریخ ابن اثیر 1 / 36، تاریخ الاسلام 4 / 10، مرآۃ الجنان للیافعی 1 / 97، معجم البلدان 3 / 179، شذرات الذہب 1 / 271، الدولۃ الامویہ 1 / 39

[2] اس وقت یہی اصول مروج تھا کہ تقریباً ہر دو سال بعد یہاں کے والی کو تبدیل کیا جاتا تھا، اسلئے حضرت سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ کئی بار یہاں آئے اور واپس چلے گئے۔ حتیٰ کہ 75ھ میں آخری بار آکر شہید ہوئے۔

خبر دار کیا۔ حالات سے واقفیت حاصل کرنے کے بعد حضرت راشد رضی اللہ عنہ جب مجلس سے اٹھے تو انہوں نے حضرت سنان رضی اللہ عنہ کو صائب الرائے سالار اور دور اندیش رہنما پاکر بے اختیار اور برملا اعتراف کیا کہ خدا کی قسم! سنان ایک عظیم انسان ہیں اور وہ حقیقت میں سرداری کے مستحق ہیں۔" پھر حضرت راشد رضی اللہ عنہ نے سندھ کے سرحدی بلاد پر فوج کشی شروع کردی۔ کوہ پایا والوں سے خراج وصول کر کے قیقان پر حملہ کیا۔ وہاں سے موجودہ اور آئندہ دو سال کا خراج وصول کیا اور بھی بہت سارا مال غنیمت اور لونڈی غلام ان سے قبضہ کئے۔ ایک برس قیام کے دواران میں یہ سب کارروائیاں کر کے وہ براہ سیستان واپس ہوئے۔ مندرا اور بہرج کی پہاڑیوں تک پہنچے تھے کہ کوہستانی لوگوں نے جو مید کہلاتے تھے، پچاس ہزار آدمیوں کے لشکر سے ان پر حملہ کردیا، ادھر یہ تعداد میں بھی بہت کم تھے اور دوسری بات یہ کہ ان پر اچانک حملہ ہوا، پھر بھی مجاہدین نے بڑی بے جگری سے لڑائی کی اور صبح سے لیکر شام تک باوجود قلت کے، دشمن کے وار خطا کر دیئے۔ خوب مقابلہ کرنے کے بعد بالآخر مسلمانوں کو ہزیمت اٹھانی پڑی اور سب سے بڑا نقصان یہ ہوا کہ سالار لشکر حضرت راشد بن عمرو رضی اللہ عنہ اس میدان کارزار میں شہید ہو گئے [1]۔

جیسا کہ عرض ہوا کہ حضرت راشد بن عمرو رضی اللہ عنہ سندھی قوم "مید" سے جنگ کرتے ہوئے شہید ہو گئے تھے۔ اسی مید قوم کے متعلق مسلمانوں کے اولیں اور مستند جغرافیہ داں ابن خردازبہ (م 280ھ) نے لکھا ہے کہ اس مید قوم کا تعلق سندھ سے ہے جو سندھ کے ساحلی علاقہ میں مقیم ہے تاہم یہ لوگ عرب میں بھی موجود

[1] چچ نامہ، ص 106-107

ہیں [1]۔ امام اصطخری (م 346ھ) نے بھی اسی طرح لکھا ہے:

والکفّار فی حدود بلد السند انّما هم البدهة وقوم یعرفون بالمید. [2]

سندھ کی اس بڑی قوم کا مذہب بودھ مت تھا جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ ان کو مید اس لیے کہتے تھے کہ یہ لوگ سمندری ڈاکو یعنی قزاق تھے اور ان کا علاقہ بھی سندھ کا ساحلی علاقہ تھا جیسا کہ قاضی اطہر مبارک پوری صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "عرب و ہند عہد نبوی میں" اور سید سلیمان ندوی نے "عرب و ہند تعلقات" میں اس قوم پر تفصیلی و تحقیقی بحث لکھی ہے۔ الحاصل یہ اس وقت جٹ (زط) قوم کی طرح سندھ کی ایک بڑی قوم تھی جو نہ صرف یہاں سندھ بلکہ عرب میں بھی جا بجا آباد تھی [3]۔ بہر حال 50ھ میں جب حضرت راشد رضی اللہ عنہ شہید ہوئے [4]، تو مجبوراً حضرت سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ کو پھر سے فوجی قیادت اپنے ہاتھ میں لینا پڑی اور جب تک والی بصرہ حضرت زیاد رضی اللہ عنہ کو پتہ چلتا، تب تک آپؓ نے واپس آکر دشمن سے حضرت راشد رضی اللہ عنہ کا انتقام لے لیا تھا۔ حضرت زیاد رضی اللہ عنہ کو جب خبر ملی تو وہ اس سے بہت خوش ہوئے کیونکہ انہوں نے بھی حضرت سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ کو امیر بنانے کا حکم نامہ جاری کر دیا تھا [5]۔ حضرت سنان

---

(1) المسالک والممالک للخرداذبہ، ص 62

(2) المسالک والممالک للاصطخری، ص 176

(3) عرب و ہند عہد نبوی میں، ص 76

(4) تاریخ خلیفہ ابن خیاط 1/211

(5) چچ نامہ میں ابن زیاد لکھا ہے جو کہ غلط ہے کیونکہ ابھی حضرت زیاد بقید حیات تھے اور اختیار انہی کے پاس تھا نہ کہ ابن زیاد کے پاس اور چونکہ یہ واقعہ 50ھ کا ہے۔ جبکہ حضرت زیاد جب 53ھ میں طاعون کے ہاتھوں فوت ہوئے تب جا کر ابن زیاد خراسان کے والی بنے۔ خلیفہ ابن خیاط لکھتے ہیں: سنة ثَلَاث وَخمسين: فِيهَا مَاتَ زِيَاد بْن أَبِي سُفْيَان بِالْكُوفَةِ واستخلف عَلَى الْبَصْرَة سَمُرَة بْن

رضی اللہ عنہ کے ساتھ یہاں سندھ میں کئی ایک عجیب واقعات پیش آئے۔ مثلاً ایک مرتبہ آپ رضی اللہ عنہ لشکر آراستہ لے کر کافروں کے مقابلے کیلئے جارہے تھے کہ راستے میں آپؓ نے خواب دیکھا کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم آپؓ کو فرمارہے ہیں کہ تیرا باپ تیری مردانگی پر ناز کرتا تھا، آج تیرا دن ہے۔ بہت سی ولایتیں تیرے قبضے میں آئیں گی اور ان کی اصلاح ہوگی ❶۔ پھر آپؓ روانہ ہوئے اور سندھ کے بعض ممالک مکران، قندابیل، ارزابیل وغیرہ اپنے قبضے میں لے کر قیقان جا پہنچے۔ اسی طرح کا ایک عجیب واقعہ جسے خلیفہ ابن خیاط اور علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے۔ اس واقعہ کے بارے میں خود ان حضرات کے الفاظ یہ ہیں "له خبر عجيب في الهند"۔ واقعہ کو خلیفہ بن خیاط نے خلیفہ النبھیال اور انہوں نے حضرت سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ کے مولیٰ ابو یمان سے روایت کیا ہے ❷، فرماتے ہیں کہ ہم سنان کے ساتھ قیقان کی لڑائی میں شریک تھے کہ دشمن کی بہت بڑی فوج سے ہمارا آمنا سامنا ہوا۔ سنان رضی اللہ عنہ نے یہ دیکھ کر ہمیں مخاطب کیا؛

"تم لوگوں کے لیے خوشخبری ہے کہ دونوں طرف عظیم نعمتیں ہیں۔ ایک طرف جنت ہے (اگر تم شہید ہوگئے) اور دوسری طرف مال غنیمت ہے (اگر تم غازی بن گئے)۔"

بعد ازاں انہوں نے سات (7) پتھر زمین سے اٹھائے اور قوم کو مخاطب ہو کر فرمایا کہ جب تم مجھے دیکھو کہ میں دوران جنگ پتھر اٹھارہا ہوں تو تم بھی میری تقلید کر کے پتھر

☜ جُنْدُب وعَلى الْكُوفَة عَبْد اللهِ بْن خَالِد وفيهَا ولى مُعَاوِيَة عبيد الله ابْن زِيَاد خُرَاسَان مَاتَ زِيَاد وَهُوَ ابْن ثَلَاث وَخمسين (1/ 211)

❶ چچ نامہ، ص108

❷ ابو یمان جس کا نام معلی بن راشد بصری ہے، حضرت سنان کے غلام اور شاگرد تھے۔ (العقد الثمین، ص108)

اٹھاؤ جو تعداد میں سات ہو، پھر جب سورج بالکل سر کے اوپر ہو جائے دوپہر کا وقت ہو جائے تو تم ایک پتھر دشمن کی جانب پھینک کر تکبیر پڑھو۔ پھر اسی طرح ایک ایک پھینکتے رہو حتیٰ کہ چھٹا بھی پھینک چکو، پھر ساتواں اس وقت پھینک دینا جب سورج وسط آسمان سے (مغرب کی جانب) ڈھل جائے (یعنی سہ پہر کے وقت)۔ پھر سنان رضی اللہ عنہ نے حٰمٓ لَا یُنْصَرُوْنَ تلاوت کی، تکبیر پڑھی اور ہاتھ میں تلوار لے کر میدان میں کود پڑے۔ ہم نے بھی تلواریں سونت لیں اور دشمن پر ٹوٹ پڑے اور (یوں) ہم نے دشمن کے صف در صف واصل جہنم کیے۔ (جنگ جیت کر) ہم چار فرسخ (تقریباً تیس کلومیٹر) آگے گئے تھے کہ (دریں اثناء وہاں ہمیں) ایک قوم نظر آئی جسے ہم نے اس سے پہلے کبھی دیکھا نہیں تھا۔ (اس قوم کے آدمی) عمدہ گھوڑوں پر سوار تھے، (ان کے سروں پر) سفید پگڑیاں بندھی ہوئی تھی اور وہ ناآشنا لوگ تھے۔ انہوں نے ہمیں بتایا کہ (تمہارا کیا خیال ہے کہ جنگ تم نے لڑ کر جیتی ہے؟ نہیں بلکہ) اصل میں جنگ تم لوگوں نے نہیں کی، بلکہ انہوں نے کی کہ جو تمہیں نظر تو نہیں آرہے تھے لیکن تھے تمہارے ساتھ ہی۔ (جواب میں) ہم نے کہا کہ (ہاں یقیناً) یہ تو اللہ کی مدد تھی (جو ہمارے ساتھ شامل حال رہی)۔ پھر ہم واپس آئے (اور واقعی وہ اللہ کی خاص مدد تھی کہ دشمن کے بڑے لشکر کا ہم نے صفایا کیا اور) ہمارا صرف ایک آدمی شہید ہوا[1]۔ اور ہم نے جب اس کا ذکر حضرت سنان رضی اللہ عنہ سے کیا تو انہوں نے فرمایا کہ ہم نے جس طرح کیا (کہ پتھر اٹھا کر دشمن پر پھینکے، یہ دراصل ہم نے سنت کی پیروی کی کہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اسی طرح کیا کرتے تھے (چونکہ ہم نے اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی

---

[1] اس واحد مجاہد کا نام علامہ ذہبی نے عبد اللہ بن عباس لکھا ہے جو یہاں شہید ہوا۔ (تاریخ اسلام، 8/4)

تبھی تو اللہ کی مدد ہماری طرف متوجہ ہوئی)[1]۔

قیقان پہنچ کر آپ رضی اللہ عنہ وہاں پر دو سال تک مقیم رہے۔ اللہ کا کرنا کہ جب آپ رضی اللہ عنہ سندھ میں موجود ہوتے، نہ کوئی شر و فساد ہوتا اور نہ ہی کسی کو بغاوت و سرکشی کرنے کی جرات ہوتی تھی۔ اور سب سے عجیب بات یہ کہ اسلامی لشکر سے بھی کوئی بھاگنے اور فرار کرنے کی جرات نہ کرتا جس طرح اس سے پہلے ہوا کرتا تھا۔ کیونکہ آپ رضی اللہ عنہ نے اس مسئلے کے حل کے لیے ایک عجیب ترکیب سوچی تھی جو نہایت کارگر ثابت ہوئی۔ جب حضرت سنان رضی اللہ عنہ یہاں سندھ آئے تو یہاں کے حالات کا بغور جائزہ لیا اور نہ صرف یہاں کے مقامی لوگوں کے مزاج سے اپنے آپ کو بخوبی آگاہ کیا بلکہ اپنے لشکر کا بھی خوب جائزہ لیا، آپ رضی اللہ عنہ نے محسوس کر لیا کہ ہمارے لشکر میں بھی ایک خامی ہے کہ یہ جب دیکھتے ہیں کہ دشمن کی فوج غلبہ حاصل کر رہی ہے تو یہ میدان لشکر سے بھاگ جاتے ہیں، گرچہ بعض اوقات بھاگنا بھی بہادری ہے لیکن تسلسل کے ساتھ ایسا کرنا بالکل درست نہیں بلکہ اسلامی تشخص کے خلاف ہے، اور یہ بھی یہاں کے لوگوں کی ایک چال تھی جس طرح حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عبد اللہ بن سوار رضی اللہ عنہ کو خبر دار کیا تھا کہ چوکنا رہنا کیونکہ یہاں کے لوگ بڑے چالباز اور دھوکہ باز ہیں، اپنی مخصوص چالوں کے ذریعے مخالف لشکر کو منقسم کر کے انہیں میدان سے بھگانے پر مجبور کرتے ہیں۔ اس لیے آپ رضی اللہ عنہ نے اس مسئلے کے حل کے لیے ایک بہت ہی عجیب حل نکال لیا۔ اپنے لشکر کو جمع کیا اور ایک نیا طریقہ ایجاد کر کے ان سے ایک حلف لیا کہ جو بھی شخص میدان جنگ سے بھاگ گیا تو اس کی منکوحہ بیوی اس پر طلاق ہو گی۔ شاعر نے اسی عجیب و غریب رسم کے قیام پر کیا خوب کہا تھا:

---

[1] تاریخ خلیفہ، 1/212

رأيت هذيلا أحدثت في يمينها طلاق نساء ما يسوق لها مهرا

لهان عَلَى حلفة ابن محبق إذا رفعت أعنا قها حلقا صفرا [1]

ترجمہ: ''میں نے ہذیل (یعنی حضرت سنان بن سلمہ ہذیلیؓ) کو دیکھا کہ انہوں نے اپنی قسم کھانے میں مہر ادا کیے جو عورتوں کو طلاق دینے کی نئی قسم کی ایجاد ہے۔ مگر مجھے ابن محبق (سنان بن سلمہ بن محبق) کی قسم! (یہ قسم کھانا ان کے لیے) آسان ہے جبکہ عورتیں گردنیں اٹھا اٹھا کر سونے کی بالیاں دکھائیں۔''

آپ رضی اللہ عنہ کی یہ چال کام کر گئی اور دیکھتے ہی دیکھتے آپؓ نے اللہ کی نصرت سے نہ صرف قیقان بلکہ آس پاس کے تمام علاقے اپنے زیر کیے [2]۔ کیونکہ آپؓ بے مثال شجاعت و بسالت، فقاہت و سیاست، تدبر و تفکر اور قائدانہ صلاحیت کے مالک تھے۔ خلیفہ، بلاذری، طبری ذہبی، ابن حجر، ابن اثیر سمیت تمام مستند مورخین نے آپؓ کی علمیت اور سیاست کی تعریف کی ہے [3]۔ اس بار حضرت سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ نے علاقے میں مکمل امن و امان نافذ کر دیا اور ہر قسم کے باغیوں کا گلا گھونٹ دیا۔ اور مدت قلیل میں وہاں فلاح و بہبود کے بہیترے کام کئے۔ ایک طرف آپ رضی اللہ عنہ نے اپنی قائدانہ صلاحیت کے بل بوتے پر دشمنان اسلام کی بیخ کنی کی تو دوسری طرف اپنی علمیت، پرہیز گاری اور فراست و بصارت سے متاثر کرا کر لوگوں کے دل جیت لیے، اسلئے جب تک آپؓ وہاں رہے، ہر طرف شانتی رہی اور ایسے میں اکثر مجاہدین یوں ہی بیٹھے بیٹھے بیزار ہو جاتے، تبھی تو مکران میں موجود ایک شاعر اعشی ہمدانی نے اس وقت کہا تھا:

---

1. فتوح البلدان، ص418
2. ایضاً
3. تاریخ اسلام، 3/ 4

وأنت تسير إلى مكران فقد شحط الورد والمصدر
و لم تك حاجتي مكران ولا الغزو فيها و لا المتجر
و حدثت عنها و لم آتها فما زالت من ذكر آخر
بأن الكثير بها جائع و أن القليل بها معور [1]

ترجمہ: "اور تو مکران جاتا ہے، فرود گاہ اور وطن میں بڑا فاصلہ ہو گیا۔ اے مکران! مجھے کچھ تیری حاجت نہیں کہ جہاں نہ جہاد ہے اور نہ تجارت۔ اور میں نے اسکا حال سنا تھا، وہاں آیا تھا اور ہمیشہ اس کے ذکر سے بھاگتا تھا، اس لیے کہ وہاں اکثر لوگ تو بھوکے ہیں اور بعض مقامات وہاں کے خوفناک ہیں۔"

53ھ میں دو سال گزارنے کے بعد حضرت سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ ایک بار پھر معزول ہوئے اور قدرت کا کرنا کہ اسی سال والی بصرہ حضرت زیاد بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ بھی طاعون کے ہاتھوں فوت ہوئے [2]۔ یہاں ایک اہم سوال جو ذہن میں ابھرتا ہے وہ یہ کہ حضرت سنان رضی اللہ عنہ کیوں بار بار معزول اور تعینات کیے جاتے حالانکہ آپ رضی اللہ عنہ کے یہاں ہونے سے حالات کافی ٹھیک ٹھاک ہوتے؟ تو میرے خیال میں اُس وقت شاید یہ یہاں کے لیے ایک قانون ہوتا تھا کہ از حد دو سال تک ایک والی اور سپہ سالار یہاں سندھ میں رہ سکتا تھا کیونکہ مسلسل دو سال تک لڑنا اور گھر بار چھوڑ کر دور پردیس میں رہنا کوئی آسان کام نہیں تھا۔ اس لیے عین ممکن ہے کہ حکمت اور عقل کو ملحوظ خاطر رکھ کر ان کے لیے یہ قانون بنایا گیا ہو۔ حضرت سنان رضی اللہ عنہ سے قبل حضرت عبداللہ بن سوار رضی اللہ عنہ اور حضرت راشد بن عمرو رضی اللہ عنہ بھی دو بار یہاں آچکے تھے، اور ان

---

[1] فتوح البلدان، ص418
[2] تاریخ ابن اثیر، 3/40

کے بعد حضرت منذر بن جارود رضی اللہ عنہ بھی دوسری بار آکر جام شہادت نوش کر گئے تھے جیسا کہ آگے تفصیل آرہی ہے۔ سن 53ھ میں چونکہ بصرہ کے گورنر حضرت زیاد بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ فوت ہو چکے تھے اس لیے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے خود ابو حرب عباد بن زیاد رحمہ اللہ کو سندھ اور سجستان کی طرف بھیجا[1]، ان کے ساتھ اس وقت کا مشہور شاعر ابن مفرغ بھی تھا۔ جس نے یہاں سندھ میں وارد ہو کر کہا تھا؛

کم بالجروم وأرض الهند من قدم

و من سرائنك قتلى لا هم قبروا [2]

ترجمہ: بہت سارے گرم ممالک ہیں اور سرزمین ہند (سندھ) میں بہت سے نقش قدم ہیں اور بہت سے سرہنگان قوم (بہادر سردار) ہیں جو شہید تو ہوئے لیکن دفن تک نہ کیے گیے۔

حضرت منذر بن جارود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ولایت

53ھ میں حضرت زیاد بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد 54ھ میں ان کا بیٹا عبید اللہ بن زیاد خراسان کا نیا گورنر منتخب ہوا، تاہم حضرت زیاد رضی اللہ عنہ نے اپنے وصال سے قبل ہی حضرت منذر بن جارود رضی اللہ عنہ کو سندھ کی ولایت سونپی تھی۔ اس لیے آپؓ کو ابن زیاد نے برقرار رکھا۔ یہاں آتے ہی آپؓ نے کمال بہادری سے ہر سو اسلام کا پھریرا فخر سے لہرایا۔ آپؓ نے قیقان، قندابیل، خضدار اور مکران وغیرہ علاقے پھر سے فتح کیے اور یہاں سے بہت سے لونڈی غلام اور مال غنیمت حاصل کر کے وطن بھیج دیے تھے۔

بلاذری آپؓ کے بارے میں فرماتے ہیں؛

---

[1] تہذیب التہذیب، 5/93

[2] فتوح البلدان، ص418

ثُمَّ ولى زياد المنذر بْن الجارود العبدي ويكنى أَبَا الأشعث ثغر الهند، فغزا البوقان والقيقان فظفر المسلمون وغنموا وبث السرايا في بلادهم، وفتح قصدار وسبابها، وكان سنان قَدْ فتحها إلا أن أهلها انتقضوا.[1]

بلاذری کا یہ کہنا کہ حضرت زیاد نے آپؓ کو سندھ روانہ کیا، اس بات کا ثبوت ہے کہ آپؓ حضرت زیادؓ کے بھیجے گئے آخری والی سندھ تھے، کیونکہ اس کے بعد وہ پھر دنیا میں نہ رہے۔ آپؓ نے وہ علاقے جنہیں آپؓ سے قبل حضرت سنانؓ فتح کر چکے تھے لیکن وہ پھر سے باغی ہو چکے تھے، انہیں پھر سے فتح کیا اور وہاں سے کافی مقدار میں مال غنیمت حاصل کیا۔ دو سال یہاں رہنے کے بعد آپ رضی اللہ عنہ 55ھ میں واپس ہوئے۔

یاقوت حموی لکھتے ہیں؛

ولّى زياد ابن أبيه المنذر بن الجارود العبدي، ويكنى بأبي الأشعث، ثغر الهند فغزا البوقان والقيقان فظفر المسلمون وغنموا، ثم ولّى عبيد الله بن زياد بن حرّيّ الباهلي ففتح الله تلك البلاد على يده وقاتل به قتالا شديدا، وقيل: إن عبيد الله ابن زياد ولّى سنان بن سلمة بن المحبّق الهذلي وكان حرّيّ بن حرّيّ معه على سراياه، وفي حريّ يقول الشاعر

لولا طعاني بالبوقان ما رجعت------منه سرايا ابن حرّيّ بأسلاب.[2]

یاقوت حموی کی اس عبارت سے لگتا ہے کہ ابو الاشعث منذر بن جارود رضی اللہ عنہ کو جب حضرت زیاد رضی اللہ عنہ نے سندھ بھیج دیا تو وہاں بوقان وقیقان وغیرہ علاقوں کو فتح کرنے کے بعد ایک عرصہ تک رہ کر واپس ہوئے اور پھر آپ رضی اللہ عنہ کے بعد عبید اللہ بن زیاد نے

[1] فتوح البلدان، ص418
[2] معجم البلدان، ص510

حری بن حری رضی اللہ عنہ کو یہاں روانہ کیا یعنی 55ھ میں جب حریؓ یہاں آئے تو دو سال وہ یہاں رہے اور یہ جو قیل کی بات کی ہے، اصل میں 57ھ حضرت حریؓ کے بعد حضرت سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ کو ایک بار پھر سندھ کی ولایت سونپی گئی اور اس بار آپؓ 60ھ تک یہاں رہے، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد اس کا بیٹا یزید تخت نشین ہوا تو اس کے دور میں حضرت منذر بن جارود رضی اللہ عنہ وہ صحابی ہیں جو سندھ آئے اور ایسے آئے کہ پھر واپس کبھی نہیں گئے، ہمیشہ کے لیے یہیں کے ہو کر رہ گئے۔ تاہم 61ھ میں حضرت منذر بن جارود رضی اللہ عنہ سندھ آئے تھے، اور اسی سال جبکہ کربلا جیسا جانکاہ واقعہ پیش آیا، آپؓ ابھی بصرہ میں تھے کیونکہ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ نے آپؓ کو بصرہ میں ایک خط بھیجا تھا۔ اس خط کے الفاظ یہ ہیں:

بسم الله الرحمن الرحيم، من الحسين بن على الى مالك بن مسمع، والأحنف ابن قيس، والمنذر بن الجارود، ومسعود بن عمرو، وقيس بن الهيثم، سلام عليكم، اما بعد، فانى ادعوكم الى احياء معالم الحق وأماته البدع، فان تجيبوا تهتدوا سبل الرشاد، والسلام.فلما أتاهم هذا الكتاب كتموه جميعا الا المنذر بن الجارود، فانه أفشاه۔ [1]

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک تو آپؓ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے حامیوں میں سے تھے کیونکہ امام دینوری (م 282ھ) نے اس خط سے قبل لکھا ہے کہ:

وقد كان الحسين بن على رضی اللہ تعالیٰ عنہ كتب كتابا الى شيعته من اهل البصره

اور دوسری یہ بات معلوم ہوئی کہ آپؓ ابھی بصرہ میں تھے لیکن آپؓ واقعہ

---

[1] الاخبار الطوال، ص 231

کربلا کے پیش آنے سے قبل ہی بسوئے سندھ روانہ ہو چکے تھے۔ کیونکہ آپؓ اگر وہاں موجود ہوتے تو شاید یہ قیامت خیز حالات پیدا نہ ہوتے کہ آپؓ نہ تو کسی سے ڈرنے والے تھے حتیٰ کہ آپؓ یزید کو بھی کھری کھری سناتے تھے، کہ رشتے میں خلیفہ یزید آپؓ کا داماد تھا اور وہ آپؓ کی بڑی قدر کرتا تھا[1]۔ اور جب یہ خط جسے سب نے چھپا دیا تھا، آپؓ نے یہ سمجھتے ہوئے کہ کہیں ابن زیاد ہمیں چکمہ نہ دے رہا ہو، اپنے ایک قاصد کو دے کر ہدایت دی کہ اسے لے جا کر ابن زیاد کو دکھائے کہ یہ کیا ہے۔ طبری نے لکھا ہے کہ اس خط کو دیکھتے ہی ابن زیاد نے طیش میں آکر اس قاصد کو قتل کر دیا؛
فكل من قرأ ذٰلِكَ الكتاب من أشراف الناس كتمه، غير المنذر بن الجارود فإنه خشي بزعمه أن يكون دسيسا من قبل عُبَيْدِ اللهِ فجاءه بالرسول من العشية.[2]

میرے خیال میں انہی دنوں میں آپؓ سندھ کیلئے نکل چکے تھے تبھی تو آپؓ کے قاصد کو قتل کیا گیا وگرنہ آپؓ کی موجودگی میں ان کو ایسا کرنے کی جرات قطعاً نہیں ہو سکتی تھی۔ آپؓ سندھ تشریف لائے اور مسلسل فتوحات کرنے کے بعد ایک سال یا اس سے کم و بیش تک یہاں مقیم رہے اور اسی سال 61ھ میں یا 62ھ میں یہاں ایک معرکے میں شہید ہوئے۔ خلیفہ ابن خیاط بصری (م240ھ)، امام طبری اور علی محمد صلابی نے آپکی شہادت کی تاریخ سن 62ھ لکھا ہے[3]، جبکہ صاحب چچ نامہ، ابن اثیر، ذہبی اور اصفہانی وغیرہ حضرات نے 61ھ لکھا ہے[4]۔ یاقوت حموی کی اس

---

[1] تاریخ طبری، ص5/318

[2] ایضاً، ص5/357

[3] تاریخ خلیفہ 1/236، تاریخ طبری 6/343، الدولۃ الامویہ 1/391

[4] چچ نامہ ص108، تاریخ ابن اثیر 3/202، تاریخ اسلام 5/256، البستان الجامع 1/116

عبارت کو بغور پڑھیے:

وولى زياد المنذر بن الجارود العبدي، ويكنّى أبا الأشعث، ثغر الهند فغزا البوقان والقيقان فظفر المسلمون وغنموا وبثّ السرايا في بلادهم وفتح قصدار وشتى بها، وكان سنان بن سلمة المحبّق الهذلي فتحها قبله إلا أن أهلها انتقضوا وبها مات:

اس میں حموی نے دونوں بار آنے کو یکجا ذکر کیا ہے کیونکہ پہلی بار انہیں حضرت زیاد رضی اللہ عنہ نے 53ھ میں سندھ ضرور بھیجا تھا لیکن پھر اسی برس حضرت زیاد رضی اللہ عنہ دنیا سے چل بسے تھے، جبکہ حضرت منذر بن جارود رضی اللہ عنہ جیسا کہ عرض ہوا کہ 61ھ یا 62ھ میں شہید ہوئے۔ اب جگہ پر بھی اختلاف ہے کیونکہ خلیفہ بن خیاط نے آپکی جائے شہادت سرحد قندابیل لکھا ہے [1] جبکہ حمویؒ کا بیان ہے کہ آپؓ خضدار میں شہید ہوئے [2]۔ حالانکہ دونوں ایک ہی ہیں کیونکہ خضدار بھی قندابیل ہی کی سرحد پر واقع ہے۔ حضرت منذر بن جارود رضی اللہ عنہ قصدار (خضدار) میں داخل ہوا اور وہیں قیام کیا یہاں تک کہ داعیٔ اجل نے انہیں آغوش لحد کے خواب نشین میں سلا دیا۔ اور یوں منذر بن جارود رضی اللہ عنہ تا قیامت خضدار میں سو گئے۔ شاعر ان ہی کے مرثیہ میں کہتا ہے؛

حلّ بقصدار فأضحى بها　　　في القبر لم يقفل مع القافلين

لله قصدار و أعنا بها　　　أيّ فتى دنيا، أجنّت، ودين! [3]

---

[1] تاریخ خلیفہ 1/236

[2] معجم البلدان، ص510

[3] ایضاً، ص510۔ بعض حضرات کا خیال ہے کہ یہ اشعار حضرت سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں بھی لکھے گئے ہیں جیسا کہ جناب شرر مرحوم صاحب نے اپنی کتاب "تاریخ سندھ" میں حضرت سنان کے متعلق لکھے ہیں۔ لیکن دراصل یہ منذر کے مرثیے میں کہے گئے اشعار ہیں جیسا کہ ان شاء اللہ آگے آپ پڑھیں گے۔

ترجمہ اشعار: وہ یعنی حضرت منذر قصدار میں داخل ہوا اور پھر جب دیکھا تو قبر میں تھا۔ مجاہدین کے لشکر کیساتھ واپس نہ آیا۔ اللہ اللہ! قصدار اور اس کی وادی نے کیسے جوان دنیاو دین کو قبر کے سپرد کر دیا۔

حضرت منذر بن جارود رضی اللہ عنہ کی شہادت کا سن کر آپکے بیٹے حضرت حکم بن منذر نے یزید بن امیر معاویہ کو لکھا کہ مجھے اپنے والد کی جگہ سندھ کی ولایت تفویض کی جائے، اس وقت حکم کرمان میں تھے۔ عبید اللہ بن زیاد نے جب حضرت منذر بن جارود رضی اللہ عنہ کی موت کا سنا تو بے حد غمزدہ ہو کر بے اختیار رونے لگا اور اسکے بیٹے حضرت حکم کیلئے تیس ہزار درہم [1] کا اعلان کر دیا اور پھر اسے بطرف سندھ روانہ کر دیا[2]۔

سنان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تیسری بار آمد

اور جب حضرت حکم بن منذر سے بھی بات نہ بنی تب ایک بار پھر 62ھ میں حضرت سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ کی ضرورت محسوس کی گئی اور انہیں سندھ آنا پڑا۔ یہاں آکر انہوں نے حالات ٹھیک کر کے واپسی اختیار کر لی تھی [3]۔ آپؓ کی 62ھ میں یہاں آنے کا تذکرہ صرف خلیفہ بن خیاط نے کیا ہے، فرماتے ہیں؛

سنة اثْنَتَيْنِ وَسِتِّينَ فِيهَا غزافيها ولى عبيد الله بْن زِيَاد الْمُنْذر بْن الْجَارُود ثغر قندابيل فَمَاتَ الْمُنْذر بالثغر فَخرج الحكم بْن الْمُنْذر بْن الْجَارُود فغلب عَلَى قندابيل فَبعث ابْن زِيَاد سِنَان بْن سَلمَة فَفتح الموقان ثمَّ

---

[1] اور چچ نامہ میں لکھا ہے کہ تین لاکھ درہم دئے تھے۔ جیسا کہ آگے آرہا ہے۔

[2] جمہرۃ الانساب ص 296، معارف ص 256، تاریخ خلیفہ ص 287، منہاج الدین ص 84، العقد الثمین 113

[3] تاریخ خلیفہ ص 236

بعث إِلَيْهَا يَزِيد بْن مُعَاوِيَة بعد ذَلِكَ عَبْد الرَّحْمَن بْن يَزِيد الْهِلَالِي.[1]

اس بار آپؓ یہاں کم مدت کیلئے آئے تھے اور میرے خیال میں اسی لیے خلیفہ کے علاوہ کسی اور مؤرخ نے اس کا تذکرہ نہیں کیا۔ اب اللہ ہی بہتر جانتے ہیں کہ کیا وجہ تھی، اس بار جلدی واپس ہونے کی تاہم اسی برس یعنی 62ھ میں آئے اور اسی سال واپس بھی لوٹے۔ اور جب حضرت حکم بن منذر سے بھی بات نہ بنی تب ایک بار پھر 62ھ میں حضرت سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ سندھ آئے تھے اور یہاں کے حالات ٹھیک کر کے گئے تھے[2]۔ چچ نامہ میں "ولایت منذر بن جارود" کے تحت لکھا ہے کہ پھر یہ ملک (سندھ) منذر بن جارود بن بشر رضی اللہ عنہ کے سپرد ہوا۔ جب خلیفہ کے حکم سے منذرؓ خلعت گورنری پہن کر 61ھ میں جنگ پر روانہ ہوا تو اس کا جامہ ایک ابھری ہوئی لکڑی سے الجھ کر پھٹ گیا۔ اس پر عبید اللہ بن زیاد نے غمگین ہو کر کہا کہ منذر کی فال اچھی نہیں ہوئی۔ جب وہ اسے وداع کر کے واپس آیا تو رو کر کہنے لگا کہ منذر اس سفر سے واپس نہ آئے گا اور ہلاک ہو جائے گا۔ ابن زیاد سے عبد العزیز نے کہا مال ضائع ہو رہا ہے اور تم کسی کو مقرر نہیں کرتے؟ اس نے کہا کہ منذر کو بھیجا ہے جس سے جنگ اور شجاعت میں کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اگر قسمت نے یاوری کی تو مقصد میں کامیابی حاصل کر کے واپس آئے گا۔ منذر جب وہاں سے روانہ ہو کر دشمنوں کے ملک میں پہنچا تو دریائے پورالی کے قریب بیمار ہوا، اور جان خدا کے حوالے کی۔ (اس وقت) اس کا بیٹا حکم بن منذر کرمان میں تھا، اسکے پاس (منذر نے علالت کے دوران اپنی بیماری کا حال) لکھ بھیجا تھا۔ حجاج بن یوسف نے کہا تھا کہ عرب کے امراء ورؤساء میں سے ایک

---

[1] تاریخ خلیفہ، 1/236

[2] تاریخ خلیفہ ص236

نے خدا کی راہ میں جان دی ہے۔ جب حکم بن منذر آیا اور عبید اللہ کو اس واقعہ کی خبر دی تو وہ رونے لگا اور بے حد غمگین ہوا۔ پھر اسکے بیٹے حکم بن منذر کو بلا کر تین لاکھ درہم بخشش میں دیے۔ اسکے بعد چھ مہینے تک سندھ کی گورنری اسکے حوالے رہی۔"[1]

حضرت حکم بن منذر نے چھ ماہ تک یہاں سندھ میں باغیوں سے برسرپیکار رہے۔ اس مدت میں انہوں نے اپنی لیاقت و بہادری ظاہر کر دی، خصوصاً ان کی سخاوت کافی مشہور تھی جس پر کئی شعراء نے شاعری کی، چچ نامہ میں وہ اشعار درج ہیں [2]۔ حضرت حکم کے بعد ابن زیاد نے ایک دوسرے لائق فائق سردار حری بن جری باہلی رضی اللہ عنہ[3] کو والی سندھ بنا کر بھیجا۔ حضرت حری باہلی رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں اللہ نے مسلمانوں کو بہت سے فتوحات پر فخر دینے کا موقع دیا۔ بہت سارا مال غنیمت بھی ان کے ذریعے مسلمانوں کے ہاتھوں آیا۔ الغرض حضرت حری جہاں بھی جاتا، فتح ان کے قدم چھومتی اور کیوں نہ ہوتا ایسا کہ ان کی تربیت حضرت سنان رضی اللہ عنہ جیسے جری اور مدبر سالار لشکر نے کی تھی۔ حضرت حری رضی اللہ عنہ نے ایک عرصہ یہاں گزار کر واپس وطن کی راہ لی، پھر اسی طرح تابعین آتے رہے حتی کہ 75ھ میں ایک بار پھر سے سندھ مسلمانوں کے ہاتھوں نکلنے لگا تو مجبوراً حضرت سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ کی ایک بار پھر ضرورت محسوس ہوئی اور یوں آپؓ کو سندھ روانہ کر دیا گیا، حالانکہ 72ھ میں آپؓ کو گورنر بصرہ و بحرین مقرر کر دیا گیا تھا[4]۔ لیکن آپؓ نے شاید عہدہ چھوڑ دیا ہو یا پھر آپؓ کو معزول کیا گیا۔ واللہ اعلم

---

[1] چچ نامہ، ص108

[2] ایضاً، ص109

[3] بعض کتابوں یہ نام میں جری بن جری لکھا گیا ہے۔

[4] طبقات ابن سعد، 7/ 89

پھر جب حجاج بن یوسف 75 ھ میں عراق کا گورنر بنا تو اس نے پھر سے حضرت سنان رضی اللہ عنہ کو والی بصرہ مقرر کیا۔ اللہ کا کرنا کہ ابھی چند ہی دن گزرے تھے کہ حجاج کے پاس خبر آئی کہ سندھ کے حالات روز بروز ابتر ہوتے جارہے ہیں۔ اس لیے حجاج نے وقت ضائع کیے بغیر آپؓ کو بلایا اور صورتحال سامنے رکھدی۔ آپؓ نے سوچا کہ پہلے بھی اللہ کی رضا کیلئے لڑ چکا ہوں اور اس بار بھی وہی ارادہ ہے اور یہ بھی آپؓ کو معلوم تھا کہ یہ مہم آپؓ کے بغیر سر کرنا محال نہ سہی مشکل ضرور ہے۔ چنانچہ آپؓ نے سندھ کی راہ لی اور آکر ایک طرف مسلمانوں کو خوشی دی تو دوسری طرف دشمن پر پھر سے قیامت برپا کردی۔ دشمن بڑا حیران و پریشان تھا اور اپنی روایتی منافقت سے کام چلا کر اس بار حضرت سنان رضی اللہ عنہ سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتا تھا، اسلیئے دشمن نے حضرت سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ کو خضدار میں خیر اواہ نامی ایک جگہ یہ کہکر بلالیا کہ وہ آکر انہیں اسلام کی دعوت دیدیں[1]۔ حضرت سنان رضی اللہ عنہ خوش ہوئے اور گمان کیا کہ شاید اب وہ اسلام کی طرف راغب ہوچکے ہیں، اس لیے آپ رضی اللہ عنہ چلے آئے اور یہاں یہ روایتی اور وراثتی منافق لوگ گھات لگائے بیٹھے تھے، جونہی حضرت سنان رضی اللہ عنہ آئے، قبل اس سے کہ حضرت سنان رضی اللہ عنہ اس چال کو سمجھ کر جوابی کارروائی کر لیتے، ان

---

[1] اس جگہ کو شاید اس وقت کوئی دوسرا نام لیا جاتا تھا لیکن آپ رضی اللہ عنہ کی شہادت اور تدفین کے بعد اس جگہ کو خیر اوا کہا جانے لگا۔ مقامی زبان براہوی میں اس کے معنی اچھی جگہ کے ہیں کہ عظیم صحابی کی وجہ سے یہ جگہ یقیناً خیر والی بنی۔ یہ بات راقم کو خضدار کے مولانا سید شجاع الحق صاحب نے بتائی۔ ڈاکٹر عبدالرحمٰن براہوی خضداری نے تبھی تو اس جگہ کو اپنی کتاب میں "خیر آباد" لکھا ہے۔ گرچہ مولانا موصوف نے ڈاکٹر صاحب کے اس نام "خیر آباد" سے اتفاق نہیں کیا۔ مگر اصل میں ڈاکٹر صاحب نے "خیر اوا" کا اردو ترجمہ "خیر آباد" لکھا ہے جو بالکل درست ہے۔

ظالموں نے آپؓ پر پے در پے وار کر کے آپؓ کو بے دردی سے وہیں پر شہید کر دیا۔ [1]

حضرت سنان بن سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

اصحاب رسول اللہ ﷺ میں سب سے زیادہ متعدد بار پاکستان (سندھ) آنے کی سعادت اس عظیم صحابیؓ کو ملی کہ آپ تقریباً چار بار یہاں آئے اور سندھ میں اصحاب رسول ﷺ میں سے سب سے آخر میں آکر شہادت کے اعلیٰ رتبہ پر بھی آپ رضی اللہ عنہ ہی فائز ہوئے۔ البتہ آپؓ ہی وہ واحد صحابی ہیں جن کی نہ صرف تاریخ شہادت کے بارے میں مؤرخین شش و پنج میں مبتلا ہیں بلکہ آپؓ کی شہادت اور موت کے علاوہ، جائے تدفین کے بارے میں بھی لوگ پریشان ہیں۔ اب اللہ ہی بہتر جانے کہ اس میں کیا حکمت ہے بہر حال آپ کی جائے شہادت اور تاریخ شہادت کے بارے میں بہت ہی عجیب اور متضاد روایات اور بیانات ملتے ہیں۔ آپ کی مکمل سوانح عمری گرچہ تیسرے باب میں درج ہے تاہم یہاں پر آپؓ کی جائے شہادت اور تاریخ شہادت کے بارے میں مختصر حوالے درج کرتے ہیں۔ آپؓ کی تاریخ شہادت کے بارے میں 44ھ سے لیکر 93ھ تک کے اقوال پائے جاتے ہیں، اسی طرح جائے تدفین کے بارے میں بھی کئی اقوال موجود ہیں۔ اس باب میں عراق، بصرہ، بدھ، قندابیل، پشاور اور خضدار میں ہونے کے اقوال پائے جاتے ہیں۔

امام خلیفہ بن خیاط فرماتے ہیں کہ آپ رضی اللہ عنہ عراق میں فوت ہوئے [2]۔ امام ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ بھی یہی کہتے ہیں [3]۔ امام ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ آپؓ بصرہ میں

---

[1] چچ نامہ، ص108، تاریخ سندھ، ص108

[2] ایضاً، 7/ 159

[3] طبقات ابن سعد، 1/ 329

فوت ہوئے[1]۔ اور چچ نامہ کی روایت کے مطابق آپؓ بدھ کے مقام پر شہید ہوئے[2]۔ جبکہ عبدالحلیم شرر[3]، ڈاکٹر محمد اسحاق، ڈاکٹر عبدالرحمٰن براہوی اور ڈاکٹر فصیح الدین (ڈی آئی جی) آپؓ کی جائے شہادت خضدار بتاتے ہیں[4]۔ اور قاضی عبدالحلیم اثر افغانی کا خیال ہے کہ آپؓ پشاور کے نواحی گاؤں چغرمٹی کے مقام پر ایک معرکے میں شہید ہوئے اور پھر یہیں پر بعد ازاں دفن بھی ہوئے[5]۔ جہاں پر آج کل ''اصحاب بابا'' کے نام سے مزار واقع ہے۔ قاضی عبدالحلیم اثر نے اپنی کتاب ''روحانی رابطہ'' میں صفحہ 16 آپؓ کی تاریخ وفات سن 44ھ بتائی ہے جو کہ پشاور میں چغرمٹی کے مقام پر واقع ''مزار اصحاب بابا'' پر لکھا گیا ہے۔ اور خضدار میں واقع خراداہ کے مقام پر حضرت سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ سے منسوب مزار پر تاریخ سن 53ھ مرقوم ہے۔ اور بلاذری اور حموی وغیرہ مؤرخین کے بیانات سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سنان رضی اللہ عنہ 50ھ تا 60ھ کے دوران ادھر سندھ میں شہید ہوئے۔ جبکہ دیگر مشاہیر علماء سے اس بارے میں دو اقوال منقول ہیں۔ حضرت سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ حجاج بن یوسف جو 75ھ تا 95ھ (694ء تا 714ء) بیس سال تک عراق کا گورنر رہا، اس کے اول دور ولایت میں یا آخری دور گورنری میں فوت ہوئے۔

---

[1] مشاہیر علماء الامصار، 1/71

[2] چچ نامہ، ص108

[3] تاریخ سندھ، ص108

[4] ڈاکٹر عبدالرحمٰن خضداری، بلوچستان میں عربوں کی فتوحات اور حکومتیں؛ ص 126، جناب فصیح صاحب سے انٹرویو بتاریخ 27 جولائی 2017ء بمقام کمانڈنٹ بنگلہ، ہنگو

[5] روحانی رابطہ، ص16

حافظ ابن سعد بصری (م230ھ) اور حافظ خلیفہ بن خیاط بصری (م240ھ) کا ایک قول یہ ہے کہ آپؓ حجاج کے دور گورنری کے شروع میں فوت ہوئے۔ طبقات ابن سعد میں ترجمہ 1520 کے تحت اور طبقات خلیفہ میں 1 / 329 پر توفي في اول ولاية الحجاج بن يوسف درج ہے اور طبقات ابن سعد میں ترجمہ 3086 کے تحت اور تاریخ خلیفہ میں 1 / 308 پر اس کے برعکس توفي في آخر ولاية الحجاج بن يوسف لکھا گیا ہے۔ اور پھر اسی دوسرے قول کو دیکھ کر بعد والے تمام علماء سیر و تراجم نے توفي في آخر ولاية الحجاج ہی لکھا۔ ان میں چند ایک ہم یہاں پیش کرتے ہیں؛

ابن حبان رحمۃ اللہ نے ثقات ابن حبان میں 3 / 178 اور مشاہیر علماء الامصار میں 1 / 71 پر، علامہ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ نے الاستیعاب میں 2 / 657 پر، ابن اثیر نے اسد الغابہ میں 2 / 560 پر، امام مزی رحمۃ اللہ نے تہذیب الکمال میں 12 / 149 پر، علامہ صفدی نے الوافی بالوافیات میں 15 / 286 پر، علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ نے الاصابہ اور تہذیب التہذیب میں 4 / 241 پر، علامہ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ نے مغانی الاخیار میں 3 / 520 پر، علامہ ساعدی یمنی نے خلاصہ تہذیب الکمال میں 1 / 156 پر، فالوفی اثری نے المعجم الصغیر میں 1 / 224، امام بری نے الجوہرۃ فی نسب النبی میں 1 / 229 پر یہی لکھا ہے۔ اور ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ میں 9 / 95 پر حضرت سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ کی وفات 93ھ لکھا ہے۔ مؤرخ سندھ عبدالحلیم شرر فرماتے ہیں کہ حضرت سنان رضی اللہ عنہ نے بعد فتح قصدار (خضدار) وہیں قیام کیا یہاں تک کہ داعی اجل نے انہیں آغوش لحد کے خواب نوشین میں سلادیا۔ شاعر ان ہی کے مرثیہ میں کہتا ہے؛

حلّ بقصدار فأضحى بها　　　في القبر لم يقفل مع القافلين

لله قصدار و أعنا بها   أيّ فتى دنيا، أجنّت، ودين![1]

ترجمہ اشعار: وہ یعنی حضرت سنان قصدار میں داخل ہوا اور پھر جب دیکھا تو قبر میں تھا۔ مجاہدین کے لشکر کیساتھ واپس نہ آیا۔ اللہ اللہ! قصدار اور اس کی وادی نے کیسے جوان دنیا و دین کو قبر کے سپرد کر دیا۔ (تاریخ سندھ، ص108)

[1] معجم البلدان، ص510

باب سوم

پاکستان میں وارد

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے سوانح

حضرت مغیرہ بن ابی العاص ثقفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت مغیرہ بن ابی العاص ثقفی رضی اللہ عنہ وہ پہلے صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھے جنہوں نے سب سے پہلے پاکستان (سندھ) کی زمین پر قدم رکھا۔ آپؓ حاکم بحرین حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کے چھوٹے بھائی تھے۔ آپؓ کے دوسرے بھائیوں میں ابو امیہ، حکم اور حفص تھے [1]۔ آپؓ کی ایک بہن تھی جن کا نام لبابہ بنت ابی العاص تھا جو بصرہ میں رہتی تھیں [2]۔ آپ کی والدہ فاطمہ بنت عبداللہؓ وہ خوش نصیب عورت تھیں، جو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے وقت موجود تھیں [3]۔ محدثین آپؓ کی والدہ کی روایت نقل کرتے ہیں:

شهدت ولادة النبي صلى الله عليه وسلم حين وضعته أمه آمنة، وكان ذلك ليلا، قالت: فما شيء انظر إليه من البيت إلا نور، وإني لأنظر إلى النجوم تدنو حتى أني لأقول ليقعن عليّ. [4]

بلاذری نے لکھا ہے کہ آپؓ کو آپ کے بھائی حضرت عثمان بن ابی العاصی نے اس سے

---

[1] ان کے گھر بصرہ میں "شط عثمان" کے مقام پر ان کے ناموں پر موسوم تھے یعنی حکم کا گھر حکمان، حفص کا گھر حفصان، امیہ کا گھر امیتان اور مغیرہ کا گھر مغیرتان کہلاتا تھا۔ (فتوح البلدان، 1/435)

[2] جمہرۃ انساب العرب لابن حزم (م456ھ)، ص266

[3] اس اہم واقعہ کا تذکرہ اکثر مؤرخین اور اہل سیر نے کیا ہے۔ مثلاً محدث عبدالحق دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے مدارج النبوۃ، مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے نشر الطیب فی ذکر النبی الحبیب اور مولانا ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کی سیرۃ مصطفی ملاحظہ ہو۔

[4] اسد الغابہ تحت ترجمہ 7189، الاستیعاب 3568، الاصابہ 11603

پہلے فارس بھیجا تھا [1]۔ آپ کو مؤرخین کبھی مغیرہ بن ابی العاص اور کبھی مغیرہ بن ابی العاصی لکھتے ہیں۔ یاد رہے کہ یہ ابو العاصی، ثقفی ہیں، ایک اور ابو العاصی اموی ہے اور عجیب اتفاق یہ ہے کہ دونوں کے بیٹے عثمان، حکم اور مغیرہ ہیں۔ جو مغیرہ بن ابی العاصی اموی ہے، وہ بدر سے پہلے کافر ہو کر مرا تھا، اس کی بیوی بسرہ مشہور صحابیہ ہیں جن سے ام کلثوم بنت عقبہ، مروان بن الحکم اور سعید بن المسیّب نے احادیث روایت کی ہیں [2]۔ اس کے بیٹے معاویہ کو غزوہ احد کے چند دنوں بعد رسول اللہ ﷺ نے قتل کروایا تھا اور اس کی بیٹی عائشہ، مروان بن الحکم کی بیوی تھی جن کے بطن سے عبد الملک بن مروان پیدا ہوئے [3]۔

گرچہ بعض حضرات کا خیال ہے کہ آپؓ کے بھائی حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ بھی سندھ آئے تھے جیسا کہ قاضی اطہر مبارک پوری رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا محمد اسحاق صاحب نے لکھا ہے لیکن مجھے ایسی کوئی روایت نہیں ملی جس میں یہ لکھا ہو، سوائے ان دونوں کے جنہوں نے بغیر کسی حوالے کے اپنی طرف سے لکھ لیا ہے۔ لہٰذا حضرت عثمان کا یہاں آنا کہیں ثابت نہیں ہاں البتہ یہ ضرور ہے کہ حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ نے اپنے بھائی حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کو یہاں دیبل (پاکستان) بھیجا تھا۔ جس کا ثبوت تمام تر مستند کتابوں اور بنیادی ماخذوں سے ملتا ہے [4]۔ اسی طرح حضرت عبد اللہ بن عامر بن کریز رضی اللہ عنہ کے بارے میں بھی بعض مؤرخین کا خیال ہے کہ وہ بھی

---

[1] فتوح البلدان، ص400

[2] الجوہرۃ فی نسب النبی ﷺ للامام البری (546ھ)، 1 / 61، دار الرفاعی ریاض، 1403ھ

[3] ابو عبد اللہ زبیری (م236ھ)، نسب قریش، 5 / 173، دار المعارف قاہرہ، 1401ھ

[4] چچ نامہ؛ ص 101، جمہرۃ انساب العرب؛ ص266، فتوح البلدان؛ ص 93، منہاج الدین؛ ص 73

یہاں آئے تھے جیسا کہ ڈاکٹر عبد الرحمٰن بروہوی نے لکھا ہے [1] لیکن در حقیقت حضرت عامر بن کریز موجودہ افغانستان کے فاتح تھے [2]۔ اسکے علاوہ انہوں نے کرمان، اصفہان، حلون، فارس اور خراسان فتح کیے تھے [3]۔ اور پھر بعد میں آپ تمام مشرقی ممالک کے والی تھے جس میں موجودہ پاکستان بھی شامل تھا [4]۔ لیکن آپ کا یہاں آنا ثابت نہیں، اس سلسلہ میں راقم نے درجنوں عربی کتب کا مطالعہ کیا تب معلوم ہوا۔

حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نہایت ہی عقیل و فہیم اور دور اندیش انسان تھے۔ اپنے بھائی کی طرح آپؓ ایک مدبر و مفکر سیاست دان بھی تھے۔ علاوہ ازیں وہ ایک اعلیٰ جنگجو اور بہت ہی دلیر آدمی بھی تھے۔ جنگی صلاحیتوں سے آگاہ اور انتظامی مسائل کے حل و کشود سے بہرہ ور صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ آپؓ کی انہی خداداد استعداد اور فطری صلاحیات کو دیکھ کر آپؓ کے بھائی حضرت عثمانؓ نے 15 ھ میں آپ رضی اللہ عنہ کو سندھ کے ساحلی شہر دیبل پر حملہ کرنے کے لیے بھیجا تھا۔ آپؓ کے بارے میں مؤرخین اور مترجمین مختلف الرائے ہیں کہ کیا آپ یہاں سے فتح مند ہو کر لوٹے تھے یا پھر یہیں پر شہید ہو گئے تھے۔ صاحب چچ نامہ نے لکھا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ 15 ھ میں جب دیبل آئے تو یہاں شہید ہو گئے تھے [5] جبکہ بلاذری نے اس کے برعکس لکھا ہے کہ آپؓ شہید نہیں

---

[1] ڈاکٹر عبد الرحمٰن بروہوی، بلوچستان میں صحابہ کرام، براہوی اکیڈمی کوئٹہ 2004ء، ص 72

[2] طبقات ابن سعد، ت 618

[3] الاستیعاب، ت 1587

[4] فتوح البلدان، ص 416

[5] چچ نامہ، ص 101

بلکہ کامیاب ہوئے تھے [1]۔ فتح نامہ سندھ کی روایت کے مطابق حضرت عثمان نے 15 ھجری میں آپ کو دیبل بھیجا تھا جہاں آپؓ نے دشمن سے مقابلہ کیا اور نہایت بہادری اور جرات مندی سے لڑ کر جام شہادت نوش کیا [2]۔ اور رہا یہ قول کہ آپؓ یہاں دیبل میں شہید نہیں بلکہ فتح مند ہو گئے تھے جیسا کہ بلاذری فرماتے ہیں؛

ولی عُمَر بْن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ عُثْمَان بْن أَبِي العاصي الثقفي البحرين وعمان سنة خمس عشرة فوجه أخاه الحكم إِلَى البحرين ومضى إِلَى عمان فأقطع جيشا إِلَى تانه، فلما رجع الجيش كتب إِلَى عُمَر يعلمه ذلك، فكتب إليه عُمَر: يا أخا ثقيف حملت دودا عَلَى عود وإني أحلف بالله لو أصيبوا لأخذت من قومك مثلهم، ووجه الحكم أيضا إِلَى بروص، ووجه أخاه المغيرة بْن أبى العاصي إِلَى خور الديبل، فلقي العدو فظفر...... [3]

تو آپؓ کامیاب ضرور ہوئے تھے لیکن شہادت پا کر نہ کہ غازی بن کر جیسا کہ پیچھے تفصیل گزر چکی ہے کہ حضرت مغیرہ بن ابی العاص رضی اللہ عنہ نے لشکر اسلام ساتھ لے کر بحرین سے براہ سمندر سندھ کی اہم بندر گاہ دیبل پر حملہ کیا تھا۔ 15ھ میں جب حضرت مغیرہ بن ابی العاص رضی اللہ عنہ یہاں دیبل آئے تو انہوں نے لشکر کی قلت کے باوجود کمال بہادری دکھائی لیکن چونکہ ایک تو مجاہدین اسلام تعداد میں بہت کم تھے اور دوسری بات یہ کہ انہوں نے کوئی خاص منصوبہ بھی تیار نہیں کیا تھا کیونکہ دیبل ایک ساحلی شہر تھا۔ یہاں اترتے ہی ایک خاص منصوبہ کے تحت حملہ کرنا ہی کامیابی کا ضامن ہو سکتا تھا، اور ایک اہم وجہ

---

[1] فتوح البلدان، ص416

[2] چچ نامہ، ص101

[3] فتوح البلدان، ص416

جو میں سمجھتا ہوں، تمام وجوہ پر بھاری تھی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ لشکر گرچہ خاص اللہ کی رضا کی خاطر سمندر پار آیا تھا لیکن امیر اور خلیفہ وقت کی اجازت اور اطاعت بھی بہر حال ضروری تھی۔ اور اس مہم میں خلیفہ وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بالکل بے خبر رکھا گیا تھا کیوں کہ وہ بحری مہم کے خلاف تھے جیسا کہ دوسرے باب میں تفصیلاً گزر گیا۔ اس لیے یہ تمام تر مجاہدین اسلام یہاں دیبل میں شہید ہوگئے۔ امیر لشکر مغیرہ بن ابی العاص رضی اللہ عنہ نے گو کہ اپنی لشکر کو حمیت دلاتے ہوئے ہر ممکن کوشش کی اور انہیں اس بات پر اکسایا کہ وہ کسی طرح بھی شکست کو فتح میں تبدیل کرلیں لیکن وہ پھر بھی ناکام رہے کیونکہ دیبل کے حاکم سامہ بن دیوائج نے مکمل منصوبہ بندی کے ساتھ اس آنے والے لشکر کا مقابلہ کیا اور یوں سب کے سب جام شہادت نوش کر گئے۔ گرچہ اس معرکے میں آنے والے تمام تر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شہید ہوئے تاہم اتنا ضرور ہوا کہ سندھ (پاکستان) کی سرزمین میں اولیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہونے کے ناتے انہوں نے اپنے مبارک اور مقدس خون سے اسلام کا پیغام پہنچا کر حق ادا کر دیا۔ رضوان اللہ علیہم اجمعین

اگرچہ مؤرخین کا خیال ہے کہ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ [1] نے یہاں شہادت کی بجائے کامیابی حاصل کی تھی جیسا کہ بلاذری فرماتے ہیں؛

ووجه أخاه المغيرة بن أبي العاصي إِلَى خور الديبل، فلقي العدو فظفر. [2]

---

[1] یاد رہے اس نام پر ایک اور شخص مغیرہ بن ابی العاصی بن امیہ ہیں، جو کہ خلیفہ سوم حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے چچا ہیں، اور اسکے بیٹے معاویہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قتل کروایا تھا جیسا کہ ابھی گزر گیا۔ بہر حال یہ اموی تھا اور حضرت مغیرہ بن ابی العاصی بن بشر بن دھمیان جو دیبل پر حملہ آور ہوئے تھے، وہ ثقفی ہیں جن کا اپنا وطن مالوف طائف تھا۔ (جمہرۃ الانساب لابن حزم، 1/ 87)

[2] ایضاً

قاضی اطہر مبارک پوری رحمۃ اللہ علیہ اور ڈاکٹر محمد اسحاق نے بھی بلاذری کی اقتداء میں ایسا ہی لکھا ہے[1] جبکہ بقول صاحب چچ نامہ کے ایسا نہیں ہوا بلکہ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تھے۔[2]

تحقیقی نظر سے دیکھا جائے تو بلاذری کی اس عبارت میں کامیابی کے الفاظ درست نہیں ہے کیونکہ حضرت مغیرہ بن ابی العاص رضی اللہ عنہ تو اس معرکے میں شہید ہوئے تھے۔ وگرنہ مؤرخین آپؓ کے بھائی حضرت حکمؓ کی ممبئ سے واپسی کی طرح آپ رضی اللہ عنہ کا بھی ذکر کرتے۔ چونکہ آپؓ واپس ہی نہیں ہوئے تھے تبھی تو ان کا نام اس جنگ کے بعد ڈھونڈنے سے بھی کہیں نہیں ملتا کہ بعد ازاں وہ تھے ہی نہیں تو۔ ہاں البتہ یاقوت حموی اور بلاذری نے لکھا ہے کہ 29ھ کے لگ بھگ حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ نے بصرہ میں اپنی ملکیت "شط عثمان" سے اپنے سارے بھائیوں کو جدا جدا زمینیں دی تھیں جہاں وہ اپنے لیے الگ الگ مکانات تعمیر کر کے رہ سکیں۔ انہوں نے اپنے ناموں سے یہاں مکانات آباد کیے اور وہاں رہنے لگے۔ بلاذری کہتے ہیں:

وقال القحذمي شط عُثْمَان اشتراه عُثْمَان بْن أبي العاصي الثقفي من عُثْمَان ابن عَفَّان بمال له بالطائف، ويقال أنه اشتراه بد ار له بالمدينة فزادها عُثْمَان ابن عَفَّان في المسجد وأقطع عثمان بن أبي العاصي أخاه حفص بن أبي العاصي حفصان، وأقطع أبا أمية بن أبي العاصي أخاه أميتان، وأقطع الحكم

---

[1] قاضی اطہر مبارک پوری، خلافت راشدہ اور ہندوستان، اسلامک پبلشنگ ہاؤس لاہور، ص 101، س طن، ڈاکٹر محمد اسحاق کا پی ایچ ڈی مقالہ "علم حدیث میں بر صغیر پاک وہند کا حصہ"، ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور، 2013ء، ص 25

[2] چچ نامہ، ص 101

بن أبي العاصي حكما، وأقطع أخاه المغيرة مغيرتان، قَالَ: فكان نهر الأرحاء لأبى عمرو بن أبى العاصي الثقفي. [1]

بلاذری کے علاوہ امام حموی بھی اس کے متعلق لکھتے ہیں؛

شط عثمان: ينسب إلى عثمان بن أبي العاصي الثقفي، وقد ذكرته، فأقطع عثمان أخاه حفصا حفصان وأخاه أمية أميّتان وأخاه الحكم حكمان وأخاه المغيرة مغيرتان. [2]

"شط عثمان" دراصل حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کی بصرہ میں ملکیت تھی۔ اسی شط عثمان کے بارے میں یاقوت حموی تفصیل کے ساتھ فرماتے ہیں؛

وشط عثمان: موضع بالبصرة كانت سباخا ومواتا فأحياها عثمان بن أبي العاصي الثقفي، وكتب عثمان بن عفان رضي الله عنه إلى عبد الله بن عامر ابن كريز وهو والي البصرة من قبله: أن أقطع عثمان بن أبي العاصي الثقفي ما كتب له بالشط، وكان نسخة الكتاب: بسم الله الرحمن الرحيم- هذا كتاب عبد الله عثمان أمير المؤمنين لعثمان بن أبي العاصي- إني أعطيتك الشط لمن ذهب إلى الأبلة من البصرة والمقابلة قرية الأبلة والقرية التي كان الأشعري عمل فيها وأعطيتك ما كان الأشعري عمل من ذلك وأعطيتك براح ذلك الشط أجمة وسبخة فيما بين الخرّارة إلى دير جابيل إلى القبرين اللذين على الشط المقابلين للأبلة وأعطيتك ما عملت من ذلك أنت وبنوك، إن واحدا تعطيه شيئا من ذلك من إخوتك فاعتمله عن عطيتك،

---

[1] فتوح البلدان، 1/352

[2] معجم البلدان للحموی، 1/435

وأمرت عبد الله بن عامر أن لا يمنعكم شيئا أخذتموه ترون أنكم تستطيعون عمله من ذلك فما كان فيه بعد ما عملتم واخترتم من فضل لا ترونكم ما عملتموه فليس لكم أن تتحوّلوا دونه لمن أراد أمير المؤمنين أن يعمل فيه حجة له، وأعطيتك ذلك عوضا عن أرضك التي أخذت منك بالمدينة التي اشتراها لك أمير المؤمنين عمر بن الخطّاب رضي الله عنه، وما كان فيما سميت فضل عن تلك الأرضين فإنها عطية أعطيتك إياها إذ عزلتك عن العمل، وقد كتبت إلى عبد الله ابن عامر أن يعينك في عملك ويحسن لك العون، فاعمل باسم الله وعونه وامسك، شهد المغيرة بن الأخفش والحارث بن الحكم بن أبي العاصي وفلان بن أبي فاطمة، وكتب تاريخه لثمان بقين من جمادى الآخرة سنة 29-[1]

خلاصہ کلام یہ کہ طائف میں حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کہ ایک جائیداد تھی جسے یا تو انہوں نے خریدا تھا اور یا پھر انہیں یہ جائیداد حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے دی تھی اس مکان کے بدلے جسے خلیفہ ثالث نے مسجد نبوی کی توسیع میں استعمال کیا تھا جیسا کہ ایک روایت یہ بھی بیان کی جاتی ہے۔ اس قطعہ ارضی کو "شط عثمان" کہا جاتا تھا۔ یہ چونکہ ایک بڑا رقبہ تھا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے استعمال سے زیادہ تھا لہٰذا آپ نے اپنے بھائیوں کو بھی اس سے مکان بنانے کے لیے حصہ دے دیا تھا جس میں حضرت مغیرہ بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کو بھی مکان بنانے کے لیے جگہ ملی تھی اور یہ سن 29 ہجری کا تھا۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ 29 ھجری تک موجود تھے۔ اسی بنا پر ڈاکٹر محمد اسحاق نے چچ نامہ کے اس قول کی تردید کی ہے جس میں حضرت

---

[1] معجم البلدان، 3/344

مغیرہ رضی اللہ عنہ کو شہید لکھا گیا ہے [1]۔ تاہم یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے بھائی حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کی اولاد کو یہ اراضی عطا کی ہو کہ وہ ہی دراصل ان کے والد تھے کہ انہوں نے حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کو مشن دیبل پر بھیجا تھا اور اب جبکہ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ موجود نہیں تھے تو "العم صنو الاب" کے تحت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہی آپ کی اولاد کے سرپرست اور والد جیسے تھے۔ آپ کی اولاد میں بڑے صاحب شرف لوگ گزرے ہیں جیسا کہ امام ابن حزم نے ان کا تفصیل سے ذکر کیا ہے [2]۔ چچ نامہ یعنی فتح نامہ سندھ جو کہ تقریباً 150 ہجری کے لگ بھگ لکھی گئی سندھ کی تاریخ پر اولیں اور مستند کتاب ہے، اس میں مسلمانوں کی اس اولیں حملہ کے بارے میں یوں لکھا گیا ہے:

"ان خبروں کے راویوں اور ان روایتوں کے جاننے والوں نے اسی طرح بیان کیا ہے کہ ہند اور سندھ کے شہروں میں لشکر اسلام کی پہلی جنگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے پندرہ سال بعد امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ہوئی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ نے حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کی سرداری میں سمندر کی راہ سے بحری بیڑہ بحرین بھیجا تاکہ وہ اس راستے سے دیبل روانہ ہوں۔ اس وقت سندھ کا راجہ چچ بن سیلائج تھا اور چچ کی طرف سے سامہ بن دیوائج دیبل کا حاکم تھا۔ دیبل کے باشندے تاجر تھے۔ اس وقت راجہ چچ کی حکومت کو 35 برس ہو چکے تھے۔ اور جب اسلامی لشکر شہر دیبل پہنچا تو اس (شہر کے مقامی لوگوں) نے قلعے سے باہر (نکل کر) جنگ کی۔ ثقفین میں سے ایک آدمی بیان کرتا ہے [3] کہ جب دونوں لشکر ایک دوسرے

---

[1] ڈاکٹر محمد اسحاق، "علم حدیث میں برصغیر پاک وہند کا حصہ"، ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور، 2013ء، ص 25

[2] جمہرۃ الانساب لابن حزم، 1/ 87

[3] یہ آدمی مقامی لگتا ہے جو کہ اس جنگ کا عینی شاہد تھا، اس سے چند باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ ☜

کے سامنے ہوئے تب حضرت مغیرہ بن ابی العاص رضی اللہ عنہ تلوار کھینچ کر بسم اللہ اور فی سبیل اللہ کہتے ہوئے لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔ اس آدمی سے پوچھا گیا کہ تم تو جنگ کر رہے تھے تو تمہیں یہ خبر کیسی معلوم ہوئی؟ اس نے جواب دیا کہ میں ہاتھوں سے جنگ کر رہا تھا، دل اور کانوں سے یہ حال سن رہا تھا۔"[1]

لہٰذا فتوح البلدان اور اس کے بعد والے عرب مؤرخین و مصنفین نے جو یہ لکھا ہے کہ حضرت مغیرہ بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کامیاب ہو کر لوٹے تھے، اس لیے صحیح نہیں کہ ایک تو اس واقعہ کے بعد حضرت مغیرہ بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کا نام تک پوری تاریخ میں نہیں ملتا سوائے ایک جگہ جس کی تفصیل ابھی گزر گئی کہ آپ کی اولاد کو آپ کے بھائی نے بصرہ میں ایک مکان بنام "مغیرتان" دیا تھا۔ دوم، چونکہ حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے غصے اور جلال کا پتہ تھا کہ انہوں نے اِس سے پہلے واقعہ پر انہیں تنبیہ دی تھی کہ اگر کوئی ایک مجاہد بھی ضائع ہو گیا تو میں بدلہ تمہارے خاندان سے لوں گا، غرض سختی سے منع کیا تھا، اس لیے تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے ہی بھائیوں کا انتخاب کیا کہ پھر خلیفہ کو کوئی شکایت کا موقع ہی نہ

ﷲ ایک، چونکہ یہ غیر مسلم تھا اس لیے اس نے عام مستعمل الفاظ بسم اللہ اور فی سبیل اللہ یاد کر لیے اور باقی وہ اشعار جو صحابہ نے رجز میں پڑھے تھے، وہ اس کو اس لیے یاد نہ ہو سکے کہ وہ عربی میں تھے اور ظاہر ہے کہ یہ لوگ ابھی عربی زبان سے ناشناتھے۔ دوم، یہ صحابہ تعداد میں بہت زیادہ نہ تھے کیونکہ ایک عام آدمی کو بھی سالار لشکر کا نہ صرف پتہ تھا بلکہ وہ اسے لڑتے اور رجز پڑھتے دیکھ اور سن رہا تھا، یا پھر ایسا بھی ممکن ہے کہ حضرت مغیرہ بن ابی العاص رضی اللہ عنہ سالار لشکر ہو کر سب سے آگے لڑ رہے تھے، سوم، اس آدمی کی یہ گواہی کہ حضرت مغیرہ بن ابی العاص رضی اللہ عنہ بہادری سے لڑتے ہوئے شہید ہوئے، اس بات پہ دال ہے کہ صحابہ کرام کی یہ جماعت فتح سے ضرور بہرہ مند ہوئی تھی لیکن وہ فتح معنوی تھی یعنی شہادت۔

[1] چچ نامہ، ص 101

ملے۔ سوم، اس معرکے کے عینی شاہد نے ان کی شہادت کی گواہی دی۔ چہارم، اس واقعہ کے بعد جب حضرت مغیرہ بن ابی العاص رضی اللہ عنہ اپنے تمام ساتھیوں سمیت شہید ہو گئے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی اپنا ارادہ چھوڑ دیا۔ اور پھر اسکے بعد جب تک حضرت عمر رضی اللہ عنہ زندہ تھے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے پھر کبھی بحری سفر خصوصاً سندھ پر فوجی مہم کے بارے میں منہ نہیں کھولا۔ اور اس بات کی خبر بھی حضرت امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ کو نہیں دی کہ انکے پاس اِس بار عذر کیلیئے بھی کچھ نہیں بچا تھا۔ یہ تو جب حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ عراق پر حاکم مقرر ہوئے تو انہوں نے حضرت ربیع بن زیاد رضی اللہ عنہ کو یہاں سندھ بھیج دیا، اور پھر یہاں آکر انہیں معلوم ہوا کہ حضرت مغیرہ بن ابی العاص رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے ہیں، چونکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت خلیفہ کے ڈر سے اس بات کو چھپائے رکھا تھا اور یہی بات ظاہر ہے کہ عرب میں تو کسی اور کو معلوم تھی نہیں، اور سندھ سے عرب تب جا کر پہنچی جب یہاں چند سال بعد عرب آ گئے، تو حضرت ربیع بن زیاد رضی اللہ عنہ کو سندھی لوگوں نے بتادیا کہ ہم نے جس طرح تم سے پہلے حضرت مغیرہ بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کا حال کیا تھا، تم لوگوں کا بھی وہی حشر کر دیں گے، یہ بات چچ نامہ سے معلوم ہوتی ہے کہ جب حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا تو انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو باخبر کر دیا کہ ان لوگوں نے حضرت مغیرہ بن ابی العاصی رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا ہے اور وہاں کے حاکم بہت متکبر اور سرکش ہو گئے ہیں لہٰذا آپ سندھ پر حملہ کی اجازت دیجئے تا کہ ہم ان کے دماغ سے سرکشی دور کر دیں اور اپنے بھائی مغیرہ بن ابی العاصی کا بدلہ بھی لیں لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں سختی سے منع کر دیا[1]۔

---

[1] چچ نامہ، ص 101

نیز جب راجہ داہر نے محمد بن قاسمؒ کو خط لکھا تو اس موقع پر بھی راجہ داہر نے یہی کچھ کہا تھا کہ تم عرب لوگ اپنے ارادے سے باز آجاؤ ورنہ تمہاری درگت بھی حضرت مغیرہ بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کی طرح بہت بُری ہوگی۔ راجہ داہر کے خط کے الفاظ یہ تھے:

"یہ خط ہے سندھ کے بادشاہ، ہند کے راجہ، بر و بحر کے حاکم راجہ داہر بن چچ کی طرف سے مغرور اور فریب زدہ محمد بن قاسم کی طرف کہ جو قتل عام اور جنگ کا اتنا شوقین اور بے رحم ہے کہ خود اپنے لشکر پر رحم نہیں کرتا اور سب کو بربادی کے غار کی طرف دھکیل دیا ہے۔ اس سے پہلے ایک دوسرے شخص مغیرہ بن ابو العاص [1] کے سر میں بھی ایسا ہی غرور پیدا ہوا تھا اور سیاست کا تیر لے کر آیا تھا۔ اس کے دماغ میں یہ سودا تھا کہ میں سندھ اور ہند فتح کر کے اپنے قبضے میں کر دوں گا لیکن ہمارے ایک ادنیٰ درجے کے ٹھاکر جو دیبل شکار کرنے گیا تھا، نے اسے وہاں قتل کر دیا...... خود کو غرور میں مبتلا نہ کرو ورنہ ہم تمہاری حشر بھی بُدیل [2] کی طرح کریں گے، کہ تم لوگوں میں ہم سے

---

[1] جیسا کہ پیچھے تفصیل گزر چکی کہ یہاں پر بعض نسخوں میں یہ نام شاید غلط لکھا گیا ہو یا پھر شاید راجہ داہر کو صحیح نام یاد نہ ہو اور صاحب چچ نامہ نے اسکے خط کو من و عن یعنی لفظ بہ لفظ نقل کیا ہو، بعد میں سرسری مطالعہ کرنے والوں نے سمجھا کہ چونکہ ابو العاص بن الحکم تو ہیں نہیں البتہ اس سے مراد حکم بن ابو العاص ہی ہیں اور ظاہر ہے کہ یہ حضرت حکم اس وقت سندھ آئے نہیں تو یہاں شہید کیسے ہوئے؟ اور مزے کی بات یہ کہ یہ تو بعد میں فتح ایران، افغانستان اور خراسان میں شامل تھے، 50ھ میں خراسان کے والی مقرر ہوئے اور وہیں وفات پائی۔ بلاذری کے الفاظ یہ ہیں: وكان عفيفا وله صحبة وإنما قال لحاجبه قيل ايتني بالحكم وهو يريد الحكم بن أبي العاصي الثقفي، فلما رآه تبرك به، وقال رجل صالح من أصحاب رسول الله ﷺ فولاه خراسان فمات بها في سنة خمسين وكان الحكم أول من صلى من وراء النهر. (فتوح البلدان، ص 374)

[2] حضرت بدیل بن طہفہ بجلی کو حجاج بن یوسف نے محمد بن قاسم سے پہلے سندھ پر حملہ کرنے کی غرض سے بھیجا تھا لیکن وہ دیبل کے مقام پر لڑتے ہوئے شہید ہو گئے تھے۔ ان کا آمنا سامنا راجہ داہر

مقابلے کی سکت نہیں ہے۔"[1]

اس عبارت سے یہ واضح نہیں ہوتا کہ آیا اسلامی لشکر نے فتح حاصل کی تھی کہ ہزیمت اٹھائی تھی، تاہم اشارتاً معلوم ہوتا ہے کہ اس جنگ میں مسلم سپہ سالار کی شہادت کی وجہ سے اسلامی عسکر ناکام ہوا تھا۔ مؤرخ سندھ مولانا عبدالحلیم شررؒ کو بھی لگتا ہے کہ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ یہاں دیبل میں شہید ہو گئے تھے۔ اپنی کتاب "تاریخ سندھ" میں لکھتے ہیں:

"معلوم ہوتا ہے کہ مغیرہ بن ابی العاصؓ شہر دیبل کی لڑائی میں واصل بحق ہوئے تھے۔"[2]

مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی تاریخ سندھ کے حاشیہ میں بحوالہ چچ نامہ اسی بات کا ذکر کیا ہے کہ حضرت مغیرہ بن ابی العاص رضی اللہ عنہ دیبل میں شہید ہوئے تھے[3]۔ مشکل یہ ہے کہ سوائے بلاذری اور صاحب چچ نامہ کے اور کسی مؤرخ نے اس کا ذکر نہیں کیا ہے۔ یعنی خلیفہ، طبری، مسعودی، حموی، دینوری، مقدسی، یعقوبی، ابن اثیر، ابن کثیر، امام ذہبی، ابن خلکان، ابن خلدون، سیوطی وغیرہ جیسے مستند مؤرخین میں سے کسی نے بھی اس واقعہ کا ذکر تک نہیں کیا ہے۔ کچھ اس قسم کے خیالات کا اظہار ڈاکٹر عبداللہ مبشر طرازی نے بھی اپنے عربی مقالہ "موسوعة التاریخ الاسلامی والحضارة الاسلامية لبلاد السند والبنجاب (باکستان الحالية) فی عهد العرب" میں کیا ہے۔ جس کا اردو ترجمہ ملاحظہ ہو؛ مؤرخین نے بعض نتائج کی طرف اشارہ کیا ہے۔ بلاذری

لله کے بیٹے جیسینہ کے ایک بڑے لشکر سے ہوا تھا، ان کے ساتھ صبح سے لے کر شام تک لڑتے رہے اس دوران انہوں نے کئی کافر واصل جہنم کیے اور آخر میں خود بھی جام شہادت نوش کیا۔ (چچ نامہ، ص 117)

1. چچ نامہ، ص134
2. تاریخ سندھ از شررؒ، ص84
3. تاریخ سندھ از سلیمان ندویؒ، ص27

نے لکھا ہے کہ دیبل میں جیش اسلامی نے فتح پائی لیکن انہوں نے تھانہ (بمبئی) سے عمان کی طرف واپسی کی طرح ذکر نہیں کیا ہے۔ صاحب چچ نامہ نے ہزیمت اور فتح کے بارے میں کچھ نہیں کہا ہے بلکہ صرف سپہ سالار کی شہادت کا ذکر کیا ہے۔ یعقوبی، مسعودی، طبری اور ابن خلدون میں کسی نے بھی اس واقعے کا تذکرہ نہیں کیا ہے۔"[1]

ایک طرف صاحب چچ نامہ (م 225ھ) ہیں جو حضرت مغیرہ کو شہید کہتے ہیں اور دوسری طرف بلاذری (م 279ھ) ہیں جو آپ کو فاتح قرار دیتے ہیں ایسے میں یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ کیا ہوا۔ اگر دیکھا جائے تو بلاذری 29ھ میں مکان مغیرہ کا بھی ذکر کرتے ہیں کہ آپ کے بھائی حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ نے آپ کو بصرہ میں مکان بنانے کے لیے جگہ دی تھی، بنانے کے بعد اس مکان کو "مغیرتان" کہا جاتا تھا جس کا مطلب یہ ہے کہ آپ شہید نہیں ہوئے تھے لیکن اگر قرب کی وجہ سے دیکھا جائے تو صاحب چچ نامہ کی بات درست لگتی ہے کہ وہ زمان و مکان کے اعتبار سے بلاذری سے مقدم و مقرب ہیں اور پھر راجہ داہر کے خط میں بھی حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کا ذکر اس بات کا ثبوت ہے کہ واقعی آپ شہید ہوئے تھے۔ جب کہ ڈاکٹر عبدالرحمٰن لکھتے ہیں کہ آپ کی اولاد ابھی تک سندھ اور بلوچستان میں "مغیری" کہلاتی ہے[2]۔ اب حقیقت کا علم تو صرف اللہ کی ذات کو ہے کہ حضرت مغیرہ بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کہاں اور کب شہید یا کہ فوت ہوئے۔ تاہم قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؓ ادھر دیبل ہی میں شہید ہوئے تھے کیونکہ اس کے بعد پوری تاریخ میں سوائے آپ

---

[1] الدکتور عبداللہ مبشر الطرازی، موسوعۃ التاریخ الاسلامیۃ لبلاد السند والبنجاب (باکستان الحالیۃ) فی عہد العرب، عالم المعرفۃ جدہ السعودیۃ، 1403ھ / 1983ء، ص 132

[2] بلوچستان میں صحابہ کرام، ص 95

کے مکان کے، آپؓ کا ذکر تک نہیں ملتا۔ جہاں تک مکان کا تعلق ہے تو جیسا کہ پہلے عرض ہوا کہ وہاں پر صراحت موجود نہیں ہے کہ واقعی مغیرہ کو دیا تھا یا ان کی اولاد کو۔ واللہ اعلم بالحقیقۃ

حضرت ربیع بن زیاد حارثی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت ربیع بن زیاد رضی اللہ عنہ صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھے [1]۔ آپ رضی اللہ عنہ کا شجرہ نسب "اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ" میں یوں درج ہے:

ربيع بْن زياد بْن الربيع الحارثي من بني الحارث بْن كعب، كذا نسبه أَبُو عمر وقال غيره: الربيع بْن زيد بْن أنس بْن الديان، واسمه يزيد بْن قطن بْن زياد بْن الحارث بْن مالك بْن ربيعة بْن كعب بْن الحارث بْن كعب بْن الحارثي.نسبه أَبُو فراس، فعلى هذا النسب يكون ابن عم عبد الحجر بْن عبد المدان، واسمه عمرو بْن الديان، واسمه يزيد.والحارث بْن كعب من مذحج. [2]

آپؓ کی والدہ کا نام فاطمہ بنت خرشب تھا [3]۔ آپؓ حضرت کعب احبارؓ سے روایت کرتے ہیں اور آپؓ سے حفصہ بنت سیرینؒ اور مطرف بن شخیر روایت کرتے ہیں [4]۔ یاد رہے ربیع بن زیادؓ کے نام سے دو اور صحابہ بھی ہیں۔ ایک ان میں ربیع بن زیاد خزاعی ہیں [5]، اور دوسرا ربیع بن زیاد عبسی ہیں [6]۔ اور ایک ربیع بن یزید سلمی ہیں

---

1. الوافی بالوافیات للامام صفدیؒ؛ 14/55، اسد الغابہ للامام ابن اثیر؛ تحت ترجمہ 1625
2. اسد الغابہ للامام ابن اثیر؛ تحت ترجمہ 1625
3. المعارف، 1/82
4. الوافی بالوافیات للامام صفدیؒ، 14/55
5. معجم الصحابہ للبغوی، 2/403
6. الکامل فی التاریخ، 1/576

جنہیں امام مغلطائی نے آپ ہی کا دوسرا نام لکھا ہے [1]۔ آپ اپنے جد امجد حارث کی نسبت سے "حارثی" مشہور ہیں [2] تاہم اپنے ایک دوسرے جد مذحج کی نسبت سے "مذحجی" [3] اور بصرہ میں قیام کرنے کی وجہ سے بصری بھی کہلاتے ہیں [4]۔

چونکہ آپ دور نبوی میں پیدا ضرور ہوئے لیکن آپ کی رسول اللہ ﷺ سے ملاقات نہیں ہوئی بلکہ آپ دور فاروقی میں مدینہ تشریف لائے تھے اسلئے امام بخاری، ابن ابی حاتم اور ابن حاتم نے آپکو تابعی لکھا ہے تاہم امام قرطبی، ابن اثیر، خلیفہ، ابن حجر، ذہبی وغیرہ دیگر تمام حضرات نے آپکو مدرک صحابی ہی لکھا ہے [5]۔ علی بن حامد کوفی فرماتے ہیں کہ حضرت مغیرہ کے بعد حضرت ربیع بن زیاد پہلے آدمی ہیں جو سندھ آئے تھے [6]۔ آپؓ کو گورنر عراق حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے 17ھ میں مکران کی طرف روانہ کیا تھا، آپؓ نے یہاں آکر فتوحات کی ابتدا کی تھی [7]۔ اور پھر 23ھ میں آپ کو ممالک مشرقیہ کی طرف بھیجا گیا جہاں آپؓ نے بیروذ اور اھواز فتح کیے [8]۔ اور اسی دور فاروقی میں آپؓ نے سبی (سندھ) اور عنوہ بھی اسلامی سلطنت میں شامل

---

[1] اکمال فی تہذیب الکمال، تحت ترجمہ 1541

[2] اسد الغابہ تحت ترجمہ 1625

[3] الجرح والتعدیل، 1/ 562

[4] الاستیعاب، 1/ 181

[5] أسد الغابہ ت (1625)، الاستیعاب ت (753)، التاریخ الکبیر 915، الجرح والتعدیل 2073، العبر 1/ 53، التجرید 1/ 177، شذرات الذھب 1/ 55، تھذیب الکمال 9/ 78، الطبقات الکبری لابن سعد 6/ 202۔

[6] منہاج الدین، ص 73

[7] العقد الثمین، ص 58

[8] الکامل فی التاریخ، 2/ 425

کر لیے ❶۔ اور جب آپؓ نے سبی فتح کر لیا اور سندھ میں مزید آگے بڑھنے کا ارادہ کیا تو اس وقت سندھ کے راجہ چچ نے آپؓ کو خبردار کیا کہ اگر اس نے مزید ایسی کسی کارروائی کرنے کی کوشش کی تو اس کا انجام بھی حضرت مغیرہ بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کی طرح براہی ہوگا ❷۔ چنانچہ آپؓ نے گورنر عراق حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو لکھ بھیجا، انہوں نے امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو صورتحال سے خبردار کیا، جنہوں نے سندھ میں مزید پیش قدمی کرنے سے انہیں روکا۔ دور عثمانی میں 30ھ میں آپؓ نے سجستان بھی فتح کر لیا ❸۔ اور دور علوی میں آپؓ نے زالق پر بھی اسلامی پرچم گاڑ دیا ❹۔ 50ھ میں والی خراسان حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد جب ان پر والی بصرہ حضرت زیاد بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھی تو آپ رضی اللہ عنہ کو اس کے بعد والی خراسان مقرر کر کے بھیج دیا ❺۔ آپؓ نہایت خاکسار طبیعت والے تھے، گورے رنگ کے دبلے پتلے کمزور جسم کے مالک تھے۔ طبقات ابن سعد میں آپؓ کے بارے میں لکھا ہے:

عَنِ ابْنِ بُرَيْدَةَ فِي حَدِيثٍ رَوَاهُ وَصَفُ فِيهِ الرَّبِيعَ ابن زِيَادِ الْحَارِثِيَّ قَالَ: رَجُلٌ أَبْيَضُ خَفِيفُ اللَّحْمِ خَفِيفُ الْجِسْمِ. ❻

آپؓ کی خاکسارانہ طبیعت اور عجیب شان و شوکت کے بارے میں ایک عجیب بات

---

❶ تاریخ الطبری 4/184، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب لابن عبدالبر 2/488

❷ چچ نامہ، ص 101

❸ تاریخ خلیفہ، 1/164

❹ ایضاً، 1/180

❺ فتوح البلدان، 1/384

❻ طبقات الکبریٰ، 6/202

مشہور ہے جسے اکثر مترجمین نے نقل کیا ہے، امام ابن اثیر فرماتے ہیں:

وللربيع صحبة وهو الذي قال فيه عمر: دلوني عَلَى رجل إذا كان في القوم أميرًا فكأنه ليس بأمير، وَإذا كان في القوم وليس بأمير فإنه أمير بعينه. فقالوا: ما نعرف إلا الربيع بن زياد الحارثي قال صدقتم. وكان خيرًا متواضعًا.[1]

ایک مرتبہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حاضرین مجلس سے پوچھا کہ مجھے ایسے شخص کے بارے میں بتاؤ کہ جب وہ قوم کے منصب امارت پر فائز ہو تو ایسا معلوم ہو کہ وہ امیر نہیں ہیں اور جب وہ اس منصب پر فائز نہ ہو تو انہیں امیر سمجھا جانے لگے؟

لوگوں نے کہا کہ ایسے اوصاف کا حامل تو ہمارے نزدیک صرف ربیع بن زیاد ہیں۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم لوگوں نے صحیح کہا۔

الحاصل آپ رضی اللہ عنہ بڑے متواضع اور لوگوں کے خیر خواہ انسان تھے۔ آپ سپہ سالار ہو کر بھی اپنی سواری کبھی ساتھیوں سے آگے نہیں کرنے دیتے اور ہمیشہ مال غنیمت میں دوسروں کے برابر حصہ لیا۔[2]

آپ رضی اللہ عنہ نے زرنج، زالق، کابل، سیستان، کرمان، مکران اور سبی کی جنگوں میں شرکت کی اور بہادری و جوانمردی دکھا کر فتحیاب رہے۔ 36ھ میں ایران کے علاقہ بست میں راجہ رتبیل کو شکست ہوئی تو وہ بھاگ کر سندھ کے علاقہ بدھیہ آگیا۔ آپ اس کے تعاقب میں یہاں چلے آئے اور اسے جالیا۔ مکران، کرمان، سیستان کے بعد خراسان کے گورنر بھی رہے[3]۔ آپ کسی ضرورت کے بغیر گورنر عراق کو خط

---

[1] اسد الغابہ، 2/255

[2] فتوح البلدان، ص379

[3] تاریخ طبری، 5/291

نہیں لکھتے تھے۔ تبھی حضرت زیاد فرمایا کرتے تھے کہ میں نے ربیع بن زیاد جیسے خط کسی کے نہیں دیکھے کہ وہ حصول نفع یا دفعِ ضرر کے متعلق ہوتے ہیں، آپ کے کاتب حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تھے؛وکان لا یکتب قط إلی زیاد إلا في اختیار منفعة أو دفع مضرة وکان الحسن البصري کاتبه. [1]

آپؓ کے شیوخ حدیث میں حضرت ابی بن کعب اور حضرت کعب احبار ممتاز ہیں اور آپ کے تلامذہ میں ابو مجلز، مطرف بن عبداللہ بن شخیر، حفصہ بنت سیرین قابل ذکر ہیں [2]۔ اسی سال جس سال حجر بن عدی شہید ہوئے یعنی 51ھ میں آپ نے بھی وفات پائی۔ امام طبری "وفات ربیع بن زیاد" کے تحت لکھتے ہیں؛

وَفَاةُ الرَّبِيعِ بْنُ زِيَادِ الْحَارِثِيُّ، وَهُوَ عَامِلُ زِيَادِ عَلَى خُرَاسَانَ.

(ذکر الخبر عن سبب وفاته:) حَدَّثَنِي عُمَرُ، قَالَ: حَدَّثَنِي عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ، قَالَ: ولي الربيع بن زياد خُرَاسَان سنتين وأشهرا، ومات فِي العام الَّذِي مات فِيهِ زياد، واستخلف ابنه عَبْد اللهِ بن الربيع، فولي شهرين، ثُمَّ مات عَبْد اللهِ قَالَ: فقدم عهده من قبل زياد عَلَى خُرَاسَان وَهُوَ يدفن، واستخلف عَبْد اللهِ بن الربيع عَلَى خُرَاسَان خليد بن عَبْدِ اللهِ الحنفي.قَالَ علي: وأخبرني مُحَمَّد بن الفضل، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: بلغنى ان الربيع ابن زياد ذكر يَوْمًا بخراسان حجر بن عدي، فَقَالَ: لا تزال العرب تقتل صبرا بعده، ولو نفرت عِنْدَ قتله لم يقتل رجل مِنْهُمْ صبرا، ولكنها أقرت فذلت، فمكث بعد هَذَا الكلام جمعة، ثُمَّ خرج فِي ثياب بياض فِي يوم جمعة، فَقَالَ: أَيُّهَا النَّاسُ، إني قَدْ مللت الحياة،

---

[1] اسد الغابہ، ت 1625

[2] الاستیعاب ت (753)، التاریخ الکبیر 915، الجرح والتعدیل 2073، العبر 1 / 53، التجرید 1 / 177

وإني داع بدعوة فأمنوا ثُمَّ رفع يده بعد الصَّلاة، وَقَالَ: اللهم إن كان لي عندك خير فاقبضني إليك عاجلا وأمن الناس فخرج، فما توارت ثيابه حَتَّى سقط فحمل إِلَى بيته، واستخلف ابنه عَبْد اللهِ، ومات من يومه۔ [1]

ایک طرف آپؓ حضرت حجر بن عدی کے قتل پر سخت غمزدہ تھے اور دوسری طرف والی عراق زیاد کی من مانیوں سے تنگ آگئے تھے اس لیے آپ نے لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ اب میں اپنی زندگی سے بیزار ہو چکا ہوں اور اپنے رب کے حضور دعا کی کہ اب تو اپنے پاس بُلا ہی دے۔ مشہور ہے کہ اللہ اپنے خاص بندوں کی دعا کبھی رد نہیں کرتا، اللہ نے آپ کی سن لی اور اسی برس آپ انتقال کر گئے۔ امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں؛لَمَّا بلغ الربيع بن زياد مقتل حُجْر بن عدي، دعا فَقَالَ: اللَّهم إن كَانَ للربيع عندك خير، فاقبضه إليك وعجل، فزعموا أَنَّهُ لَمْ يبرح من مجلسه حَتَّى مات۔ [2]

اس دعا کے بعد ابھی آپ رضی اللہ عنہ اس مجلس سے اٹھے بھی نہیں تھے کہ اللہ کو پیارے ہوگئے۔ قلندر ہر چہ گوید دیدہ گوید

حضرت سعد بن ھشام انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

آپ رضی اللہ عنہ بنو نجار کے چشم و چراغ تھے۔ آپؓ کا شجرہ نسب یہ ہے؛

سعد بن هِشَام بن عَامِر بن أمية بن زيد بن الحسحاس بن مالك بن عَامِر بن غنم بن عدي بن النجار الأنصاري۔ [3]

---

1. ایضاً،
2. تاریخ الاسلام، 2/480
3. اسد الغابہ، 5/377

آپ رضی اللہ عنہ کے دادا حضرت عامر بن امیہ رضی اللہ عنہ جنگ احد میں شریک ہوئے اور شہید بھی ہوئے [1]۔ ابو نعیم امی عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں؛

حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ أَحْمَدَ، ثنا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ عَبْدِ الرَّزَّاقِ، عَنْ مَعْمَرٍ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ زُرَارَةَ بْنِ أَوْفَى، عَنْ سَعْدِ بْنِ هِشَامٍ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: «نِعْمَ الْمَرْءُ كَانَ عَامِرًا، أُصِيبَ مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ يَوْمَ أُحُدٍ. [2]

حضرت عامر رضی اللہ عنہ یوم احد شہید ہوئے تو وہ بھی بقیہ شہداء احد کے ساتھ مقام احد میں دفن کیے گئے۔ عامر رضی اللہ عنہ کے بیٹے حضرت ہشام روایت کرتے ہیں؛

أخبرنا أَبُو الفضل المنصور بْن أَبِي الحسن الطبري الفقيه، بِإِسْنَادِهِ إِلَى أَبِي يعلى أحمد بْن عَلِيٍّ، قال: حدثنا شيبان بْن فروخ، حدثنا سليمان بْن المغيرة، حدثنا حميد بْن هلال، عن هشام بْن عامر، قال: جاءت الأنصار يَوْم أحد، فقالوا: يا رَسُول اللهِ، بنا قرح وجهد، فكيف تأمرنا؟ قال: " احفروا، وأوسعوا، واجعلوا الرجلين والثلاثة في القبر الواحد "، فقالوا: من تقدم؟ قال: " قدموا أكثرهم قرآنًا "قال: فقدم أَبِي بين يدي اثنين من الأنصار، أو قال: واحد من الأنصار. [3]

حضرت سعد کے والد کا دور جاہلیت کا نام "شہاب" تھا لیکن اسے رسول اللہ ﷺ نے تبدیل کرکے "ھشام" کر دیا تھا [4]۔ ابن اثیر لکھتے ہیں؛

شهاب والد سعد بْن هشام.أتى النَّبِيّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فقال: " ما اسمك؟ "

---

[1] یاد رہے کہ ایک عامر بن ابی امیہ، ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے بھائی ہیں جو فتح مکہ کے دن مسلمان ہوئے تھے اور وہ مخزومی تھے۔ (اسد الغابہ، ت2682)

[2] معرفۃ الصحابہ لابی نعیم، 3/1478

[3] اسد الغابہ، ت2681

[4] معرفۃ الصحابہ لابی نعیم، ت3746

قال: شهاب، قال: " أنت هشام " ❶

ہشام اور ان کے والد عامر کے بارے میں تو صراحت سے ثابت ہے کہ یہ دونوں حضرات شرف ملاقات سے سرفراز ہوئے تھے البتہ حضرت سعد بن ہشام کے بارے میں کسی بھی نے صراحت سے نہیں لکھا ہے تاہم قرائن سے ہم معلوم کرسکتے ہیں کہ حضرت سعد بھی صحابی رسول ﷺ ہیں کیونکہ آپ کی شہادت مکران ❷ میں 23ھ میں ہوئی ❸۔ اب ظاہر ہے کہ شہادت کے وقت ان کی عمر کم از کم اٹھارہ انیس برس تو ہوگی، یعنی جس وقت رسول اللہ ﷺ وصال فرمارہے تھے اس وقت سعد آٹھ، نو برس کے تھے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا شمار گرچہ صغار صحابہ میں آتا ہے، تاہم صحابی رسول ﷺ کہلانے کا شرف رکھتے ہیں۔ اور یہ بھی یاد رکھے کہ بنو نجار مدینہ میں رہتے تھے، ہاں حضرت ہشام نے بعد میں بصرہ کوچ کیا تھا ❹ اور وہیں وفات پائی ❺۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ''التاریخ الکبیر'' میں آپ کے بارے

---

❶ اسد الغابہ، 2/541

❷ مکران میں شہید ہوئے، اس کا ثبوت تو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی ''التاریخ الکبیر'' سے ملتا ہے جیسا کہ ذکر کیا گیا ہے تاہم جہاں تک آپ کی تاریخ شہادت کی بات ہے تو امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے 81ھ تا 90ھ لکھا ہے (التاریخ الاسلام، 2/937) تبھی تو محمد اسحاق بھٹی نے آپ کا شمار تابعین میں کیا ہے (فقہائے ہند، 1/50، لاہور 1974ء)، جبکہ ڈاکٹر عبدالرحمٰن (ڈبل پی ایچ ڈی) نے اپنی کتاب ''بلوچستان میں صحابہ کرام'' کے ص 50 پر لکھا ہے کہ حضرت سعد صحابی رسول ﷺ تھے اور ان کی شہادت دور فاروقی میں 23ھ کو مکران (پاکستان) میں ہوئی۔ واللہ اعلم

❸ ڈاکٹر عبدالرحمٰن، بلوچستان میں صحابہ کرام، ص 50

❹ جیسا کہ پہلے عرض ہوا ہے کہ بصرہ شہر کی بنیاد 14ھ میں رکھی گئی تھی اس لیے اگر حضرت ہشام بصرہ چلے بھی گئے ہونگے تو 14ھ کے بعد جس کا مطلب یہ ہے کہ وصال نبی ﷺ تک مدینہ میں موجود تھے۔

❺ اسد الغابہ، ت 5379

میں لکھتے ہیں: سَعْد بْن هشام بْن عامر الْأَنْصَارِيّ ابْن عم أنس، عَنْ أنس وَسَمِعَ عَائِشَةَ، روى عَنْهُ الْحَسَن وزرارة، قَالَ لنا أَبُو الوليد حَدَّثَنَا حصين بْن نافع سَمِعَ الْحَسَن: قتل سَعْد فِي أرض مكران على أحسن حال [1]

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے بقول حضرت سعد بن ہشام رضی اللہ عنہ نے مکران میں بہترین حالت میں جام شہادت نوش کیا۔ اللہ ہی بہتر جانتے ہیں وہ "احسن حال" کیا تھا؟ حضرت سعد رضی اللہ عنہ گرچہ براہ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راویت نہیں کرتے لیکن امی عائشہ، اپنے والد ہشام، انس بن مالک، عبد اللہ بن عباس، سمرہ بن جندب اور ابو ہریرہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے روایت کرتے ہیں۔ آپ ایک مشہور حدیث کے راوی ہیں۔ جب آپ نے امی عائشہ رضی اللہ عنہا سے اخلاق نبوی کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے آپ کو جواب دیا کہ کیا تم نے قرآن نہیں پڑھا کہ قرآن ہی "خلق نبوی" ہے۔ یعنی جو قرآن میں مکتوب ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ اس کی عملی تفسیر ہے۔

امام ابن سعد "الطبقات الکبریٰ" میں رویت کرتے ہیں؛

أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ بْنُ عَطَاءٍ. أَخْبَرَنَا سَعِيدُ بْنُ أَبِي عَرُوبَةَ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ زُرَارَةَ بْنِ أَوْفَى عَنْ سَعْدِ بْنِ هِشَامٍ قَالَ: قُلْتُ لِعَائِشَةَ أَنْبِئِينِي عَنْ خُلُقِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ: أَلَسْتَ تَقْرَأُ الْقُرْآنَ؟ قَالَ قُلْتُ: بَلَى. قَالَتْ: فَإِنَّ خُلُقَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْقُرْآنُ. [2]

امی عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا مطلب یہ تھا کہ اگر کسی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کے بارے میں جاننا ہو تو وہ قرآن اٹھا کر دیکھ لیں۔

---

1. التاریخ الکبیر للبخاری، ت1980
2. طبقات ابن سعد، 1/ 273

اس کے علاوہ ایک اور حدیث بھی کافی مشہور ہے؛

أَخْبَرَنَا سَعِيدُ بْنُ مَنْصُورٍ. أَخْبَرَنَا هُشَيْمٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حُرَّةَ عَنِ الْحَسَنِ عَنْ سَعْدِ بْنِ هِشَامٍ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُوضَعُ له السواك من الليل. وكان اسْتَأْنَفَ السِّوَاكَ فَكَانَ إِذَا قَامَ مِنَ اللَّيْلِ اسْتَاكَ. ثُمَّ تَوَضَّأَ. ثُمَّ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ خَفِيفَتَيْنِ.ثُمَّ صَلَّى ثَمَانِي رَكَعَاتٍ. ثُمَّ أَوْتَرَ.[1]

آپ کی روایات صحاح ستہ میں موجود ہیں۔ آپ کے تلامذہ میں امام حسن بصری، حمید بن ہلال، زرارہ بن ابی اوفی اور حمید بن عبدالرحمٰن حمیری شامل ہیں[2]۔ ابن حجر عسقلانی ''تہذیب التہذیب'' میں لکھتے ہیں: سعد"بن هشام بن عامر الأنصاري المدني بن عم أنس. روى عن أبيه وعائشة وابن عباس وأبي هريرة وسمرة بن جندب وأنس رضي الله عنهم وعنه حميد بن هلال وزرارة بن أبي أوفى وحميد بن عبد الرحمن الحميري والحسن البصري قال النسائي ثقة وذكر البخاري أنه قتل بأرض مكران على أحسن أحواله قلت قال أبو بكر الحازمي "مكران" بضم الميم بلدة بالهند وقال ابن سعد كان ثقة إن شاء الله تعالى وذكره ابن حبان في الثقات وقال قتل .أرض مكران غازيا. وقرأت في كتاب الزهد لسيار بن حاتم بسند له أن سعد بن هشام استشهد هو في غزاة لهما[3]

حضرت حکم بن عمرو غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت حکم بن عمرو تعلبی (ثعلبی) غفاری رضی اللہ عنہ مشہور صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ علماء

---

1. ایضاً، 1/374
2. تاریخ الاسلام لامام ذہبی، 2/937
3. ابن حجر عسقلانی، تہذیب التہذیب، ت900

متقدمین نے ان کا ذکر بطور صحابی کیا ہے۔ آپ کا شجرہ نسب طبقات ابن سعد میں یوں درج ہے؛

الحكم بن عمرو بن مجدع بن حذيم بن الحارث بن نعيلة بن مليك بن ضمرة ابن بكر بن عبد مناة بن كنانة ونعيلة أخو غفار وصحب الحكم بن عمرو النبي صلى الله عليه وسلم.[1]

آپؓ گرچہ غفاری نہیں تھے کہ آپؓ غفار کے بھائی نعلیہ ثعلبہ کی اولاد میں سے تھے، تاہم شہرت آپؓ کی غفاری سے ہوئی۔ آپؓ مدینہ میں مقیم تھے لیکن جب رسول اللہ ﷺ رحلت فرما گئے تو آپؓ نے اس کے بعد بصرہ جا کر قیام کیا اور یوں آپؓ کی اولاد بھی وہی پلی بڑھی[2]۔ یاد رہے کہ حکم بن عمرو رضی اللہ عنہ کے نام سے تین اور صحابہ بھی ہیں؛ جن میں ایک حکم بن عمرو ثمالی رضی اللہ عنہ ہیں[3]، دوسرے حکم بن عمرو ثقفی رضی اللہ عنہ ہیں[4] اور تیسرے حکم بن عمرو شرید رضی اللہ عنہ ہیں[5]۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں 23 ہجری میں حضرت حکم بن عمرو غفاری رضی اللہ عنہ کو مکران کی طرف بھیجا گیا۔ آپؓ ایک اعلیٰ درجے کے قابل سیاستدان تھے، آپؓ نے جا کر علاقے کا خوب سروے کیا اور جب آپؓ علاقہ بھر سے بخوبی آگاہ ہوئے تو اس کے بعد آپؓ نے وہاں کے لوگوں کے مزاج سے آگاہی ضروری سمجھی۔ بعد ازاں

---

[1] طبقات ابن سعد؛ تحت ترجمہ 2843

[2] ایضاً، الترجمہ 3622

[3] الاستیعاب، 1/360

[4] ایضاً، 1/361

[5] اسد الغابہ، 2/51

آپؓ نے وہاں کے لوگوں کی چال ان پر چلائی کہ ان کے اندر اس قدر بد دلی اور مایوسی پھیلا دی کہ ان میں اسلامی لشکر کا مقابلہ کرنے کی سکت باقی نہ رہی الغرض ان میں باہمی پھوٹ ڈال کر تقسیم کر دیا اور یوں بآسانی ان پر حملہ کر کے پورے مکران کو اپنے زیر کر دیا اور مکران کے والی مقرر ہوئے۔ گرچہ آپؓ سے قبل بھی حضرت ربیع بن زیاد یہاں آکر کامیاب ہو چکے تھے لیکن وہ کامیابی مستقل نہیں تھی کیونکہ یہ لوگ منافق قسم کے لوگ تھے، کبھی بھی اپنے قول کا پاس نہیں رکھتے تھے۔ مسلمانوں کی رحمدلی دیکھ کر سر اطاعت خم کر دیتے تھے اور پھر موقع دیکھ کر بغاوت پر اتر آتے تھے۔ لیکن اس بار حضرت حکم بن عمرو رضی اللہ عنہ نے ایسی یلغار کر دی کہ مکرانی چکرا گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس جب حضرت صحار عبدی رضی اللہ عنہ نے جا کر مال غنیمت پہنچا کر خوشخبری سنائی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ بہت خوش ہوئے اور حضرت صحار عبدی رضی اللہ عنہ سے یہاں کے حالات دریافت کیے۔ حضرت صحار رضی اللہ عنہ کے جواب پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سندھ میں مزید پیش قدمی سے منع فرمایا۔ مکران کا یہ حصہ موجودہ بلوچستان میں شامل تھا۔ اس وقت یہاں کا حکمران راجہ راسل تھا۔ مکران اس وقت ملک سندھ کا ایک اہم صوبہ تھا۔

44ھ میں جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے بھائی حضرت زیاد رضی اللہ عنہ کو عراق اور خراسان کا والی مقرر کیا تو انہوں نے حضرت حکم بن عمرو غفاری رضی اللہ عنہ کو خراسان کی ولایت سونپی جہاں آپؓ اپنی وفات تک مقیم رہے۔ امام قرطبی نے آپؓ کے بارے میں ایک واقعہ لکھا ہے؛عن الحسن قَالَ كتب زياد إلى الحكم ابن عمرو الغفاري وهو على خراسان أن أمير المؤمنين كتب أن يصطفى له الصفراء والبيضاء، فلا تقسم بين الناس ذهبًا ولا فضة.فكتب إليه الحكم بلغني أن أمير المؤمنين كتب أن يصطفي له البيضاء والصفراء، وإني وجدت

كتاب الله قبل كتاب أمير المؤمنين، وإنه والله لو أنّ السّماوات والأرض كانتا رتقًا على عَبْد، ثم اتقى الله جعل له مخرجًا، والسلام عليكم.ثم قال للناس اغدوا على ما لكم فغدوا فقسمه بينهم وقال الحكم اللّهمّ إن كان لي عندك خير فاقبضني إليك. فمات بخراسان بمرو.[1]

آپؓ نے یہ دعا کی تو اللہ نے قبول کرلی اور اسی سال بلکہ انہی دنوں میں حجر بن عدی رضی اللہ عنہ کو بھی قتل کیا گیا تھا، اس لیے آپؓ نے اللہ کے حضور دعا کی کہ اے اللہ! اب مجھے اٹھا لے لہٰذا آپؓ نے 51ھ میں مرو میں وفات پائی[2]۔ آپ سے تین روایات

---

[1] الاستیعاب 1/356

[2] طبقات ابن سعد: 7 / 28، 366، وتاريخ يحيى برواية الدوزي: 2 / 126، وتاريخ خليفة 211، وطبقاته: 32، 175، 321، ومسند أحمد: 4 / 212، 5 / 66، وتاريخ البخاري الكبير: 2 / الترجمة 2646، وتاريخه الصغير: 140، والمعرفة ليعقوب: 3 / 25، وتاريخ الطبري: 5 / 224، 225، 229، 250، 251، 285، 286، 6 / 320، وثقات ابن حبان: الورقة 99 (3 / 84 من المطبوع) ، ومشاهير علماء الامصار، الترجمة 415، والمعجم الكبير للطبراني: 3 / 247، ومستدرك الحاكم: 3 / 441، وجمهرة ابن حزم: 186، ورجال البخاري للباجي: الورقة 49 والاستيعاب: 1 / 356، وإكمال ابن ماكولا: 7 / 223، والجمع لابن القيسراني: 1 / 102، وأنساب السمعاني: 9 / 165، ومعجم البلدان: 1 / 282، 4 / 511، والكامل لابن الاثير: 3 / 452، 455، 470، 489، وأسد الغابة: 2 / 36، وأسماء الرجالر للطيبي: الورقة 12، وتذهيب الذهبي: 1/ 168، وسير أعلام النبلاء: 2/ 474، والكاشف: 1 / 246، وتجريد أسماء الصحابة: 1 / 136، وتاريخ الاسلام: 2 / 220، وإكمال مغلطاي: 1 / الورقة 280، ومجمع الزوائد: 9 / 410، وتهذيب التهذيب: 2/ 436 - 437، والاصابة: 1 / 343، وخلاصة الخزرجي: 1 / الترجمة 1557، وراجع تحفة الاشراف للمؤلف: 3 / 72.

منقول ہیں؛

1- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ زِيَادِ بْنِ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ خُزَاعِيِّ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ مُغَفَّلٍ الْمُزَنِيُّ بِالْبَصْرَةِ، نا ابْنُ عَائِشَةَ، نا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ، عَنْ يُونُسَ، وَحُمَيْدٍ، وَحَبِيبٍ، عَنِ الْحَسَنِ قَالَ: لَقِيَ عِمْرَانُ بْنُ حُصَيْنٍ الْحَكَمَ بْنَ عَمْرٍو الْغِفَارِيَّ فَقَالَ: أَمَا تَذْكُرُ يَوْمَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا طَاعَةَ فِي مَعْصِيَةٍ قَالَ: نَعَمْ

2- حَدَّثَنَا إِدْرِيسُ بْنُ عَبْدِ الْكَرِيمِ الْحَدَّادُ، نا عَاصِمُ بْنُ عَلِيٍّ، نا قَيْسٌ ، عَنْ عَاصِمِ بْنِ سُلَيْمَانَ، عَنْ سَوَادَةَ بْنِ عَاصِمٍ، عَنِ الْحَكَمِ بْنِ عَمْرٍو الْغِفَارِيِّ قَالَ: نَهَى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ سُؤْرِ الْمَرْأَةِ

3- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ شَاذَانَ الْجَوْهَرِيُّ، نا مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ الْمَرْوَزِيُّ، نا ابْنُ الْمُبَارَكِ، نا سُلَيْمَانُ التَّيْمِيُّ، عَنْ أَبِي تَمِيمَةَ، عَنْ دُلْجَةَ بْنِ قَيْسٍ، أَنَّ الْحَكَمَ بْنَ عَمْرٍو الْغِفَارِيَّ قَالَ لِرَجُلٍ: أَتَذْكُرُ يَوْمَ «نَهَى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الدُّبَّاءِ وَالْحَنْتَمِ وَالنَّقِيرِ؟» قَالَ: نَعَمْ وَأَنَا شَاهِدٌ عَلَى ذَلِكَ [1]

حضرت سہل بن عدی خزرجی انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت سہل بن عدی رضی اللہ عنہ بدری صحابی ہیں [2]۔ آپ حضرت عبد الرحمٰن، حضرت سہیل، حضرت حارث اور حضرت ثابت رضی اللہ عنہم کے بھائی ہیں [3]۔ آپؓ نے اپنے بھائیوں سمیت

---

[1] معجم الصحابہ لابن قانع، 1/ 209

[2] مترجمین نے آپ کو بدری لکھا ہے تاہم قاضی محمد سلیمان سلمان پوری رحمۃ اللہ علیہ نے جو "اصحاب بدر" کے نام سے کتاب لکھی ہے اور مشتاق بک کارنر لاہور میں چھپی ہے اس میں انہوں نے جن 313 اصحاب بدر کے بارے میں تفصیل لکھی ہے ان ناموں میں حضرت سہل بن عدی رضی اللہ عنہ شامل نہیں ہیں۔ واللہ اعلم

[3] بعض حضرات نے آپ کا نام سہل کے بجائے سہیل لکھا ہے حالانکہ سہیل آپ کے بھائی تھے اور وہ یہاں نہیں آئے تھے بلکہ حضرت سہل بن عدی رضی اللہ عنہ یہاں وارد ہوئے تھے۔

جنگ احد میں بھی شرکت کی۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ صحابی رسول ﷺ تھے وگرنہ اس کے علاوہ آپ کی صحابیت پر کوئی صراحت موجود نہیں ہے۔ تبھی تو ڈاکٹر محمد اسحاق اپنے پی۔ ایچ۔ ڈی مقالہ

"India's Contribution to study of Hadith Literature"

میں "حضرت سہل بن عدی رضی اللہ عنہ" کے متعلق لکھتے ہیں:

Of his Suhbat (Companioinship) with the Prophet Muhammad (S.w.w), we have no direct evidence, but thus Sahal bin Adi fought in battle of Uhad.[1]

آپؓ مدینہ منورہ کے مشہور قبیلہ خزرج سے تعلق رکھتے تھے۔ آپؓ کا سلسلہ نسب یہ ہے:

سهل بن عدي بن مالك بن حرام بن خديج بن معاوية بن عوف بن الخزرج[2]

آپؓ کے ایک ہم نام حضرت سہل بن عدی خزرجی انصاری اور بھی ہیں جو خزرج کے بنو اشہل سے تعلق رکھتے تھے، اور جنگ احد میں شہید ہوئے تھے[3]۔ جبکہ آپؓ بنو عوف میں سے تھے اور ایک دوسرے حضرت سہل بن عدی رضی اللہ عنہ بھی ہیں لیکن وہ تمیمی ہیں[4]،

---

[1] Dr Muhammad Ishaq, India's contribution to study of Hadith Literature, Decca 1955, p.5

[2] اسد الغابہ، الترجمہ 2302

[3] الاستیعاب، الترجمہ 1098

[4] ڈاکٹر عبد الرحمٰن بروہوی نے نام میں مشابہت کی وجہ سے دونوں کو ایک سمجھتے ہوئے لکھا ہے کہ خلیفہ بن خیاط سے غلطی ہوئی ہے کہ انہیں جنگ یمامہ میں شہید لکھا ہے حالانکہ غلطی خود ڈاکٹر صاحب کر رہے ہیں کہ سہل بن عدی خزرجی اور سہل بن عدی تمیمی کو ایک سمجھ رہے ہیں۔ ڈاکٹر عبد الرحمٰن، بلوچستان میں صحابہ کرام، ص54

جو جنگ یمامہ میں شہید ہو گئے تھے [1]۔ حضرت سہل بن عدی رضی اللہ عنہ نے چونکہ جنگ احد میں بڑی بہادری دکھائی تھی اسلئے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی نظر آپؓ پر بہر حال تھی اور پھر جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو عراق کا گورنر بنایا تو 17ھ میں امیر المؤمنین نے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو لکھ بھیجا کہ اھواز کی مہم کیلئے ایک لشکر تیار کر لو جس کی امارت حضرت سہیل بن عدی رضی اللہ عنہ کے بھائی حضرت سہل بن عدی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں ہو۔ اور اس کے ساتھ براء بن مالک، عاصم بن عمرو، مجزاۃ بن ثور، کعب بن سور، عرفجہ بن ھرثمہ، حذیفہ بن محصن، عبد الرحمٰن بن سہل، حصین بن معبد اور ابو سبرہ بن ابی رھم ضرور شامل ہو [2]۔ وہاں سے کامیابی کے بعد آپؓ واپس کرمان آ گئے، کیونکہ دار الخلافت سے کرمان پر بھی حملہ کرنے کا حکم آیا تھا [3]۔ کرمان کی فتح کے بعد آپؓ نے سندھ کے صوبہ مکران کے بعض علاقوں پر بھی یلغار کی اور حضرت عبد اللہ بن عبد اللہ انصاری رضی اللہ عنہ اور حضرت حکم بن عمرو غفاری رضی اللہ عنہ کی معیت میں مکران کو بھی فتح کر لیا، جس کی ولایت پھر حضرت حکم بن عمرو رضی اللہ عنہ کے حصے میں آئی جیسا کہ پیچھے تفصیل گزر گئی۔ آپؓ کی وفات کہاں، کب اور کیسے ہوئی؟ اس بارے میں بہت کھوج لگانے کے بعد کچھ نہ ہاتھ آیا، بعد میں معلوم ہوا کہ آپؓ کی قبر مبارک راجن پور میں ہے [4]۔ راجن پور کے جنوب مغربی پہاڑ پر ایک مزار

---

[1] اسد الغابہ، الترجمہ 2304

[2] تاریخ طبری، 4/84

[3] الاصابہ، الترجمہ 3555

[4] آپ یہاں کب کیسے آئے اور شہید ہوئے کہ فوت ہوئے؟ اور کیا حقیقت میں آپؓ یہاں موجود بھی ہیں کہ نہیں؟ کسی کتاب میں اس بارے میں کچھ نہیں لکھا گیا ہے، ہاں وہاں کے عوام کا کہنا ہے کہ یہ حضرت

واقع ہے جس کے بارے میں مقامی لوگوں کا کہنا ہے کہ یہ حضرت سہل بن عدی رضی اللہ عنہ کا مزار پر انوار ہے۔ اس بابت وہ بڑے وثوق سے دعویٰ کرتے ہیں۔ اللہ بہتر جانے کہ حقیقت کیا ہے تاہم چونکہ آپؓ کی موت، شہادت اور جائے تدفین کے بارے میں تاریخ نے چپ سادھ لی ہے، اس لیے مذکور مزار سے انکار نہیں کیا جا سکتا، گرچہ یہ تحقیق ابھی تشنہ لب ہے کہ آپؓ یہاں کیسے اور کب آئے اور کب شہید یا فوت ہوئے؟

حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

یہ تو ہر کسی کو معلوم ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ فاتح کابل ہیں لیکن شاید یہ کم ہی لوگوں کو معلوم ہوگا کہ اس کے علاوہ آپؓ فاتح کچھی بلوچستان بھی ہیں۔ جیسا کہ آگے تفصیل آرہی ہے۔ قبل از اسلام آپ کا اپنا نام عبدالکعبہ یا عبد کلال تھا، مسلمان ہوتے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نام تبدیل کر کے ''عبدالرحمٰن'' رکھ دیا[1]۔

آپ مکہ کے ممتاز قبیلہ قریش کے چشم و چراغ تھے۔ آپ کا شجرہ نسب چوتھی پشت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جا ملتا ہے۔ ابن سعد نے آپ کا شجرہ یوں لکھا ہے: عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ سَمُرَةَ بْنِ حَبِيبِ بْنِ عَبْدِ شَمْسِ بْنِ عَبْدِ مَنَافِ بْنِ قُصَيٍّ [2]

اور والدہ کا نام اروی تھا۔ جن کا شجرہ نسب یہ ہے:

وَأُمُّهُ أروى بِنْتُ أَبِي الْقُرْعَةِ وَهُوَ حَارِثَةُ بْنُ قَيْسِ بْنِ أَعْيَا بْنِ مَالِكِ بْنِ عَلْقَمَةَ

لله سہل خزرجی رضی اللہ عنہ ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ 1970ء میں بڑے بڑے علماء یہاں آئے تھے اور انہوں نے بذریعہ کشف اس بات کی تصدیق کی تھی کہ یہیں پر حضرت سہل رضی اللہ عنہ مدفون ہیں، تب جا کر اس کی قبر مبارک پر یہ عمارت بنائی گئی۔ واللہ اعلم بالحقیقۃ

[1] الاصابہ، 310/4

[2] الطبقات الکبریٰ، 1/176

بْنِ فِرَاسِ بْنِ غَنْمِ بْنِ مَالِكِ بْنِ كِنَانَةَ [1]

آپ رضی اللہ عنہ کی کنیت ابو سعید تھی [2]۔ آپ رضی اللہ عنہ 8ھ میں فتح مکہ کے دن مسلمان ہوئے [3]۔ اور اسی روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپؓ کا نام تبدیل کر کے عبد الرحمٰن رکھ دیا تھا۔ آپؓ نے غزوہ تبوک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں حصہ لیا اور پھر جنگ موتہ میں میں شریک ہوئے، اس کے علاوہ فتوحات عراق میں بھی آپؓ نے بھرپور شرکت کی [4]۔ پھر 33ھ میں حضرت عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے آپ کو بسوئے سجستان، خراسان، کابل اور زابلستان روانہ کیا۔ جہاں آپ نے مسلسل تین سال تک جہاد کر کے فتوحات حاصل کیں۔ اس دوران آپ نے سندھ کے علاقہ دادر (ڈھاڈر) جو کہ بدھ مت کا مرکز تھا اور جہاں ان کا ایک مندر تھا جس میں سونے کا ایک بت تھا جس کی آنکھیں یاقوت کی تھیں۔ آپؓ نے اس علاقے پر حملہ کیا اور قبضہ کرنے کے بعد سیدھے اس مندر میں جا پہنچے۔ اس بت کے متعلق چونکہ آپ پہلے سن چکے تھے کہ یہاں کے لوگوں کا عقیدہ اس بت پر ہے اس لیے آپؓ نے اس بت کے ہاتھ پاؤں کاٹ کر مجاور اور دیگر موجود لوگوں کو مخاطب کیا کہ گرچہ ہمیں ان دنیوی مال و دولت کی چنداں ضرورت نہیں ہے تاہم تم لوگوں کو دکھانا تھا کہ یہ بت کسی کو نفع و نقصان نہیں پہنچا سکتے [5]۔ پنجابی کے مشہور شاعر ملک طاہر جھنگوی نے کیا خوب کہا ہے؛

---

[1] ایضاً، 7/260

[2] الطبقات للخلیفہ، 1/41

[3] الطبقات الکبریٰ: 1/176، تقریب التہذیب: 1/203

[4] الاصابہ، 4/310

[5] فتوح البلدان، ص 473، معجم البلدان: 3/153

بت ڈھا کے دیتی مندر وچ اذان صحابہ　　محبوب نبی پاک تے ذیشان صحابہ

اس معرکہ میں مسلم عسکر کو کافی مال غنیمت ہاتھ آیا۔ اسلامی فوج چار ہزار سپاہیوں پر مشتمل تھی اور ان میں سے ہر ایک کے حصے میں چار ہزار درہم آئے [1]۔ ڈاکٹر عبدالرحمٰن بروہوی نے لکھا ہے کہ یہ بت خانہ قلات میں کہیں واقع تھا [2]۔ اس طلائی بت کا نام تاریخ میں زور، زون اور زورک ذکر ہے۔ اس واقعہ کو ڈاکٹر محمد اسحاق نے اپنے انگریزی پی۔ ایچ۔ ڈی مقالہ میں بھی درج کیا ہے۔ محمد اسحاق بھٹی نے لکھا ہے کہ ڈھاڈر (کچھی) کو فتح کرنے کے بعد آپؓ کے وہاں کے لوگوں کو جبل الزور میں محصور کر لیا اور بعد میں صلح کر کے ان کو رہا کر دیا [3]۔

ڈھاڈر کے متعلق بلوچستان کے نامور مؤرخ ڈاکٹر عبدالرحمٰن بروہوی لکھتے ہیں:

"واضح رہے کہ عرب مؤرخین نے دادر / دادھر / ڈھاڈر کو "داور" لکھا ہے۔ ڈھاڈر بلوچستان کے علاقہ کچھی اور موجودہ ضلع بولان کا ایک تاریخی مقام ہے۔ اس زمانے میں یہ ایک وسیع علاقہ تھا جو خان گڑھ (جیکب آباد سے آگے تک پھیلا ہوا تھا)۔ اسکا صدر مقام "تل" تھا جسے اب "ٹل / ٹھل" کہا جاتا ہے جو جیکب آباد کے قریب واقع ہے۔" [4]

42ھ میں جب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ کو والی بصرہ مقرر کیا تو انہوں نے آپ کو دوبارہ ان مشرقی ممالک کی ولایت سونپتے ہوئے اس طرف بھیج دیا تھا۔ آپ کے ساتھ حضرت مہلب بن ابی صفرہ رضی اللہ عنہ اور امام حسن بصری

---

[1] بعض حضرات مثلاً ابن حجر وغیرہ نے اس واقعہ کو حضرت مجاشع بن مسعود سے منسوب کیا ہے، تاہم ممکن ہے کہ وہ الگ واقعہ ہو یا پھر شاید مؤرخین کو اشتباہ ہو گیا ہو۔ واللہ اعلم

[2] بلوچستان میں صحابہ کرام، ص 115

[3] فقہائے ہند، 1 / 28

[4] بلوچستان میں صحابہ کرام، ص 115

رحمہ اللہ بھی شامل تھے۔ آپ نے 44ھ تک کابل، زابلستان، سیستان، خراسان یعنی موجودہ افغانستان، ایران اور بلوچستان کے بعض علاقوں میں پھر سے اسلام کے جھنڈے گاڑ دیئے[1]۔

آپؓ سے کئی ایک راویات مروی ہیں، جن میں چند مشہور احادیث یہاں ذکر کئے جاتے ہیں۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ مسند میں روایت کرتے ہیں:

1- حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ عَنْ عُيَيْنَةَ حَدَّثَنَا أَبِي قَالَ خَرَجْتُ فِي جَنَازَةِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ فَجَعَلَ رِجَالٌ مِنْ أَهْلِهِ يَسْتَقْبِلُونَ الْجِنَازَةَ فَيَمْشُونَ عَلَى أَعْقَابِهِمْ وَيَقُولُونَ رُوَيْدًا بَارَكَ اللهُ فِيكُمْ، قَالَ: فَلَحِقَنَا أَبُو بَكْرَةَ مِنْ طَرِيقِ الْمِرْبَدِ، فَلَمَّا رَأَى أُولَئِكَ وَمَا يَصْنَعُونَ حَمَلَ عَلَيْهِمْ بِبَغْلَتِهِ، وَأَهْوَى لَهُمْ بِالسَّوْطِ، وَقَالَ خَلُّوا فَوَالَّذِي كَرَّمَ وَجْهَ أَبِي الْقَاسِمِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، لَقَدْ رَأَيْتُنَا مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَإِنَّا لَنَكَادُ أَنْ نَرْمُلَ بِهَا وَقَالَ يَحْيَى مَرَّةً لَقَدْ رَأَيْتُنَا مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.[2]

2- حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ، أَخْبَرَنَا مَنْصُورٌ عَنِ الْحَسَنِ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ سَمُرَةَ، قَالَ: قَالَ لِي النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "يَا عَبْدَ الرَّحْمَنِ بْنَ سَمُرَةَ، إِذَا آلَيْتَ عَلَى

---

[1] طبقات ابن سعد؛ 7/ 68، الاصابہ؛ 4/ 70، الاستیعاب:4/ 68

[2] مسند احمد؛ 20400، الا سناد وحسنه الترمذي، وقال بإثره: روي هذا الحديث عن عبد الرحمن بن أبي بكرة، عن النبي صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مرسلاً وأخرجه البخاري (1912)، ومسلم (1089) (32)، والبزار (3624)، وأبو عوانه، والبيهقي 4/ 250، والبغوي (1717) من طريق إسحاق بن سويد، والبزار (3625) من طريق عبد الرحمن بن إسحاق الكوفي.

يَمِينٍ، فَرَأَيْتَ غَيْرَهَا خَيْرًا مِنْهَا، فَأْتِ الَّذِي هُوَ خَيْرٌ، وَكَفِّرْ عَنْ يَمِينِكَ. ❶

3- حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، حَدَّثَنَا الْجُرَيْرِيُّ، عَنْ حَيَّانَ بْنِ عُمَيْرٍ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ سَمُرَةَ، قَالَ: بَيْنَمَا أَنَا أَتَرَامَى بِأَسْهُمِي فِي حَيَاةِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَاللهِ إِذْ كُسِفَتِ الشَّمْسُ فَنَبَذْتُهُنَّ، وَسَعَيْتُ أَنْظُرُ مَا أَحْدَثَ كُسُوفِ الشَّمْسِ لِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَإِذَا هُوَ " رَافِعٌ يَدَيْهِ يُسَبِّحُ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ، وَيَحْمَدُ، وَيُهَلِّلُ، وَيُكَبِّرُ، وَيَدْعُو، فَلَمْ يَزَلْ كَذَلِكَ حَتَّى حُسِرَ عَنِ الشَّمْسِ، فَقَرَأَ سُورَتَيْنِ، وَرَكَعَ رَكْعَتَيْنِ ". ❷

4- حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ، حَدَّثَنَا يُونُسُ، عَنِ الْحَسَنِ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ سَمُرَةَ، قَالَ: قَالَ لِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَا عَبْدَ الرَّحْمَنِ، لَا تَسْأَلِ الْإِمَارَةَ، فَإِنَّكَ إِنْ أُعْطِيتَهَا عَنْ مَسْأَلَةٍ وُكِلْتَ إِلَيْهَا، وَإِنْ أُعْطِيتَهَا عَنْ غَيْرِ مَسْأَلَةٍ، أُعِنْتَ عَلَيْهَا، وَإِذَا حَلَفْتَ عَلَى يَمِينٍ، فَرَأَيْتَ غَيْرَهَا خَيْرًا مِنْهَا فَأْتِ الَّذِي هُوَ خَيْرٌ وَكَفِّرْ عَنْ يَمِينِكَ ". ❸

---

❶ إسناده صحيح على شرط الشيخين. الحسن: وهو البصري صرح بالتحديث عن عبدالرحمن بن سمرة في "الصحيحين" وغيرهما. هُشيم: هو ابن بشير، ومنصور: هو ابن زاذان، ويونس: هو ابن عبيد البصري وأخرجه مسلم (1652)، وأبو داود (3277)، والبزار في "مسنده" (2278)، والنسائي 7/ 11. وابن خزيمة في السياسة كما في "إتحاف المهرة" 10/ 605، وابن حبان (4479)، والدارقطني في "جزء أبي الطاهر الذهلي" (56)، والبيهقي 10/ 36 و100 من طريق هشيم، بهذا الإسناد. وقرن مسلم وابن خزيمة وأبو عوانة وابن حبان والدارقطني والبيهقي بمنصور ويونس حميداً الطويل.

❷ مسند احمد 20617 وأخرجه ابن أبي شيبه 2/ 469، ومسلم (913).

❸ مسند احمد 20618، وأخرج شطره الأول فقط النسائي 8/ 225، والطحاوي في ☜

5- حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ مَهْدِيٍّ، حَدَّثَنَا جَرِيرُ بْنُ حَازِمٍ عَنْ يَعْلَى بْنِ حَكِيمٍ، عَنْ أَبِي لَبِيدٍ، قَالَ: غَزَوْنَا مَعَ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ سَمُرَةَ كَابُلَ، فَأَصَابَ النَّاسُ غَنَمًا فَانْتَهَبُوهَا، فَأَمَرَ عَبْدُ الرَّحْمَنِ، مُنَادِيًا يُنَادِي: إِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ:" مَنِ انْتَهَبَ نُهْبَةً فَلَيْسَ مِنَّا، فَرُدُّوا هَذِهِ الْغَنَمَ "، فَرَدُّوهَا، فقَسَمَهَا بِالسَّوِيَّةِ. [1]

6- حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ، قَالَ: " وَجَدْتُ فِي كِتَابِ أَبِي بِخَطِّ يَدِهِ، وَأَكْبَرُ عِلْمِي أَنِّي قَدْ سَمِعْتُهُ مِنْهُ "، حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ، حَدَّثَنَا نَاصِحُ بْنُ الْعَلَاءِ أَبُو الْعَلَاءِ، مَوْلَى بَنِي هَاشِمٍ، حَدَّثَنَا عَمَّارُ بْنُ أَبِي عَمَّارٍ، مَوْلَى بَنِي هَاشِمٍ، أَنَّهُ مَرَّ عَلَى عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ سَمُرَةَ، وَهُوَ عَلَى نَهَرِ أُمِّ عَبْدِ اللهِ يَسِيلُ الْمَاءُ، مَعَ غِلْمَتِهِ وَمَوَالِيهِ، فَقَالَ لَهُ عَمَّارٌ: يَا أَبَا سَعِيدٍ الْجُمُعَةَ، فقَالَ لَهُ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ سَمُرَةَ: إِنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُولُ إِذَا كَانَ يَوْمُ مَطَرٍ وَابِلٍ، فَلْيُصَلِّ أَحَدُكُمْ فِي رَحْلِهِ. [2]

"شرح مشكل الآثار"(59) من طريق إسماعيل ابن علية، بهذا الإسناد.وأخرجه الدارمي (2347)، والبخاري(7147)،ومسلم ص1456(13)،وأبو داود (2929)، والترمذي (1529) ووكيع في "أخبار القضاة" 1/ 64، وأبو عوانة 4/ 405 و406، وابن حبان (4348)

[1] مسند احمد 20619، وأخرجه الدارمي (1995) ، والطحاوي في "شرح مشكل الآثار" (1311) من طريق وهب بن جرير، وأبو داود (2703) ، وابن قانع في "معجم الصحابة" 2/ 167-168 من طريق سليمان بن حرب

[2] مسند احمد 20618 وأخرجه ابن خزيمة (1862) ، وابن المنذر في "الأوسط" 4/ 25، والحاكم 1/ 292-293 من طرق عن ناصح بن العلاء، بهذا الإسناد

7- حَدَّثَنَا يَزِيدُ أَخْبَرَنَا هِشَامٌ عَنِ الْحَسَنِ عَنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ سَمُرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَحْلِفُوا بِآبَائِكُمْ وَلَا بِالطَّوَاغِيتِ. [1]

اور سب سے مشہور حدیث جو آپؓ سے مروی ہے، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ سمیت تمام محدثین نے جسے ذکر کیا ہے وہ یہ ہے:

حَدَّثَنَا حَجَّاجُ بْنُ مِنْهَالٍ، حَدَّثَنَا جَرِيرُ بْنُ حَازِمٍ، عَنِ الحَسَنِ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ سَمُرَةَ، قَالَ: قَالَ لِي النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «يَا عَبْدَ الرَّحْمَنِ بْنَ سَمُرَةَ، لاَ تَسْأَلِ الإِمَارَةَ، فَإِنَّكَ إِنْ أُعْطِيتَهَا عَنْ مَسْأَلَةٍ وُكِلْتَ إِلَيْهَا، وَإِنْ أُعْطِيتَهَا عَنْ غَيْرِ مَسْأَلَةٍ أُعِنْتَ عَلَيْهَا، وَإِذَا حَلَفْتَ عَلَى يَمِينٍ، فَرَأَيْتَ غَيْرَهَا خَيْرًا مِنْهَا فَكَفِّرْ عَنْ يَمِينِكَ، وَأْتِ الَّذِي هُوَ خَيْرٌ". [2]

ترجمہ: حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا کہ اے عبدالرحمٰن! کبھی امارت نہیں مانگنا کیونکہ اگر مانگنے پر تمھیں امارت مل گئی تو اللہ تعالیٰ تم سے اپنی مدد اٹھالے گا اور اگر زبردستی تمھیں امارت سونپی گئی تو پھر اللہ تمہاری مدد کرے گا۔ اور جب تم کسی بات پر قسم کھالو اور پھر اس کے خلاف کرنے میں خیر دیکھو تو قسم کا کفارہ ادا کرو اور جو کام بہتر معلوم ہو اسے کر۔

نیز ایک اور طویل حدیث، جسے ابن شاہین بغدادی (م 385ھ) نے اپنی کتاب "الترغیب" میں نقل کی ہے، وہ بہت ہی عجیب اور اعمال کے فضائل میں بہت مفید

---

[1] وأخرجه النسائي 7/ 7، وابن الجارود (923) ، والبيهقي 10/ 29 من طريق يزيد بن هارون، بهذا الإسناد.وأخرجه مسلم (1648) ، وابن ماجه (2095) من طريق عبد الأعلى، عن هشام بن حسان.

[2] صحيح بخاری ، 7146، مسلم 1652

حدیث ہے، ملاحظہ کیجئے:

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ عُثْمَانَ بْنِ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ الْمُنْذِرِ بْنِ الزُّبَيْرِ بْنِ الْعَوَّامِ، بِالْبَصْرَةِ ا ثنا عُمَرُ بْنُ عَلِيِّ بْنِ مُقَدَّمٍ أَبُو مُحَمَّدٍ، حَدَّثَتْنَا حَمَادَةُ بِنْتُ شِهَابِ بْنِ سُهَيْلِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ الْأَخْنَسِ الْأَسَدِيَّةُ أُمُّ بَدْرٍ الْجَوْهَرِيَّةُ، قَالَتْ: حَدَّثَنِي أَبُو عَبْدِ اللهِ الْمَدَنِيُّ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ زَيْدٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيِّبِ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ سَمُرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: " إِنِّي رَأَيْتُ الْبَارِحَةَ عَجَبًا، رَأَيْتُ مِنَ أُمَّتِي رَجُلًا نَزَلَ بِهِ عَذَابُ الْقَبْرِ فَجَاءَهُ وُضُوءُهُ فَاسْتَنْقَذَهُ مِنْ ذَلِكَ، وَرَأَيْتُ رَجُلًا مِنْ أُمَّتِي احْتَوَشَتْهُ الشَّيَاطِينُ فَجَاءَهُ ذِكْرُ اللهِ فَخَلَّصَهُ مِنْ أَيْدِيهِمْ، وَرَأَيْتُ رَجُلًا مِنْ أُمَّتِي قَدِ احْتَوَشَتْهُ مَلَائِكَةُ الْعَذَابِ فَجَاءَتْهُ صَلَاتُهُ فَاسْتَنْقَذَتْهُ مِنْ أَيْدِيهِمْ، وَرَأَيْتُ رَجُلًا مِنْ أُمَّتِي يَتَلَهَّفُ عَطَشًا فَكُلَّمَا قَصَدَ حَوْضًا مُنِعَ ا فَجَاءَ صِيَامُهُ شَهْرَ رَمَضَانَ فَاسْتَنْقَذَهُ وَأَرْوَاهُ، وَرَأَيْتُ رَجُلًا مِنْ أُمَّتِي وَالنَّبِيُّونَ حِلَقًا حِلَقًا كُلَّمَا دَنَا إِلَى حَلْقَةٍ طُرِدَ ا فَجَاءَهُ اغْتِسَالُهُ مِنَ الْجَنَابَةِ فَأَخَذَ بِيَدِهِ فَأَجْلَسَهُ إِلَى جَنْبِهِمْ، وَرَأَيْتُ رَجُلًا مِنْ أُمَّتِي أَحَاطَتْ بِهِ الظُّلُمَاتُ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ فَتَحَيَّرَ فِيهَا فَجَاءَتْهُ حَجَّتُهُ وَعُمْرَتُهُ فَاسْتَخْرَجَاهُ مِنَ الظُّلُمَاتِ وَأَدْخَلَاهُ النُّورَ، وَرَأَيْتُ رَجُلًا مِنْ أُمَّتِي يُكَلِّمُ الْمُؤْمِنِينَ وَلَا يُكَلِّمُوهُ فَجَاءَتْهُ صِلَةُ الرَّحِمِ، فَقَالَتْ: يَا مَعْشَرَ الْمُؤْمِنِينَ كَلِّمُوهُ فَقَدْ كَانَ وَاصِلًا لِرَحِمِهِ فَكَلَّمَهُ الْمُؤْمِنُونَ وَصَافَحُوهُ وَكَانَ مَعَهُمْ، وَرَأَيْتُ رَجُلًا مِنْ أُمَّتِي يَتَّقِي حَرَّ النَّارِ وَشَرَرَهَا بِيَدِهِ وَوَجْهِهِ فَجَاءَتْ صَدَقَتُهُ فَصَارَتْ ظِلًّا عَلَى رَأْسِهِ وَسِتْرًا عَلَى وَجْهِهِ، وَرَأَيْتُ رَجُلًا مِنْ أُمَّتِي احْتَوَشَتْهُ الزَّبَانِيَةُ فَجَاءَهُ أَمْرُهُ بِالْمَعْرُوفِ وَنَهْيُهُ عَنِ الْمُنْكَرِ فَاسْتَنْقَذَهُ مِنْ أَيْدِيهِمْ، وَرَأَيْتُ رَجُلًا مِنْ أُمَّتِي جَاثِيًا عَلَى

رُكْبَتَيهِ وَبَيْنَهُ وَبَيْنَ اللهِ حُجُبٌ فَجَاءَ حُسْنُ خُلُقِهِ فَأَخَذَ بِيَدِهِ فَأَدْخَلَهُ عَلَى اللهِ عَزَّ وَجَلَّ، وَرَأَيْتُ رَجُلًا مِنْ أُمَّتِي قَدْ هَوَتْ صَحِيفَتُهُ إِلَى شِمَالِهِ فَجَاءَ خَوْفُهُ مِنَ اللهِ فَأَخَذَ صَحِيفَتَهُ فَجَعَلَهَا فِي يَمِينِهِ ا وَرَأَيْتُ رَجُلًا مِنْ أُمَّتِي قَائِمًا عَلَى شَفِيرِ جَهَنَّمَ فَجَاءَهُ وَجَلُهُ مِنَ اللهِ فَاسْتَنْقَذَهُ مِنْ ذَلِكَ وَمَضَى ا وَرَأَيْتُ رَجُلًا مِنْ أُمَّتِي خَفَّ مِيزَانُهُ فَجَاءَهُ أَفْرَاطُهُ فَثَقَّلُوا مِيزَانَهُ، وَرَأَيْتُ رَجُلًا مِنْ أُمَّتِي هَوَى فِي النَّارِ فَجَاءَهُ دُمُوعُهُ الَّذِي سَالَ مِنْ خَشْيَةِ اللهِ فَاسْتَنْقَذَهُ مِنْ ذَلِكَ، وَرَأَيْتُ رَجُلًا مِنْ أُمَّتِي قَائِمًا عَلَى الصِّرَاطِ يُرْعِدُ كَمَا يُرْعِدُ السَّعَفُ فِي يَوْمِ رِيحٍ عَاصِفٍ فَجَاءَهُ حُسْنُ ظَنِّهِ بِاللهِ فَكَفَّ عَنْهُ رُعْبَتَهُ وَمَضَى عَلَى الصِّرَاطِ ا وَرَأَيْتُ رَجُلًا مِنْ أُمَّتِي يَزْحَفُ أَحْيَانًا وَيَنْطَلِقُ أَحْيَانًا فَجَاءَتْهُ صَلَاتُهُ عَلَيَّ فَأَقَامَتْهُ عَلَى رِجْلِهِ، وَرَأَيْتُ رَجُلًا مِنْ أُمَّتِي انْتَهَى إِلَى أَبْوَابِ الْجَنَّةِ فَغُلِّقَتْ دُونَهُ فَجَاءَتْ شَهَادَةُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ فَفَتَحَتْ لَهُ أَبْوَابَ الْجَنَّةِ فَوَلَجَ ". [1]

ترجمہ: حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے کل رات ایک عجیب خواب دیکھا ہے۔ دیکھا کہ میری امت میں سے ایک شخص کیلئے عذاب قبر کا اہتمام کیا گیا ہے کہ اتنے میں اسکے وضو نے آکر اسے بچالیا۔

ایک شخص کو دیکھا کہ شیاطین نے اسے ہر طرف سے جکڑ کر رکھا ہے کہ اس کے پاس اللہ کا ذکر آیا اور اسے ان شیاطین کے ہاتھوں سے چھڑالیا۔

ایک شخص کے پاس عذاب کے فرشتے آئے کہ اس کی نماز نے آکر اسے خلاصی دی۔

ایک شخص کو دیکھا کہ وہ پیاس سے نڈھال ہو کر ہلاک ہونے کو ہے کہ وہ جب حوض

---

[1] ابن شاہین عمر بن احمد بن عثمان البغدادی (م 385ھ)، الترغیب فی فضائل الاعمال و ثواب ذالك ، دارالکتب العلمیۃ بیروت لبنان ، 1424ھ/ 2004ء ، 1/ 151

کے پاس جانے کا ارادہ کرتا ہے تو اسے دھتکارا جاتا ہے، اتنے میں رمضان کے روزوں نے آکر اسے پانی سے سیرابی دی۔

ایک شخص کو دیکھا کہ وہ انبیاء کی محفل میں بیٹھنے سے روکا جارہا ہے لیکن غسل جنابت نے آکر ان کی محفل میں اسے بٹھادیا۔

ایک شخص کو دیکھا کہ ہر طرف سے اسے اندھیروں نے گھیر رکھا ہے اور وہ بڑا پریشان دکھائی دے رہا ہے، اسی وقت اس کے حج وعمرہ نے آکر اس کو تاریکیوں سے نکال کر روشنیوں میں داخل کردیا۔

ایک شخص کو دیکھا کہ وہ مومنوں سے بات چیت کرنا چاہتا ہے لیکن وہ اس سے منہ موڑ لیتے ہیں، دریں اثناء صلہ رحمی نے آکر ان سے کہا؛

"اے مومنو! اس شخص سے کلام کرو کہ یہ صلہ رحمی کرنے والا تھا"

پس ایماندار لوگ اس سے بات کرنے لگے اور ساتھ ہاتھ بھی ملانے لگے۔

ایک شخص کو دیکھا کہ وہ جہنم کی آگ اور تپش سے ڈرے جارہا ہے کہ اتنے میں صدقہ آئی اور اس کے سر پر چھاؤں کرکے اس کو آگ سے دور کردیا۔

ایک شخص کو دیکھا کہ اسے جہنم کے فرشتے پکڑ کر لے جارہے ہیں کہ فوراً امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نے آکر اسے ان سے آزاد کردیا۔

ایک شخص کو دیکھا جو گھٹنوں کے بل پڑا ہے اس حال میں کہ اس کے اور اللہ کے مابین پردے حائل ہیں، پس حسن خلق نے آکر اس کا ہاتھ تھام لیا اور اسے اللہ کے حضور لے گیا۔

ایک شخص کو دیکھا جسے بائیں ہاتھ میں عمل نامہ پکڑایا جارہا تھا، اتنے میں خدا خوفی نے آکر اسے عمل نامہ دائیں ہاتھ میں پکڑا دیا۔

ایک شخص کو دیکھا کہ وہ جہنم کے کنارے کھڑا ہے قریب ہے کہ وہ اس میں گر جائے، اسی اثناء میں اللہ سے امیدی نے آکر اسے بچالیا۔

ایک شخص کو دیکھا کہ اس کے نیکیوں کا پلڑا کم ہوتا جارہا ہے کہ عین اسی وقت اس کے افراط (یعنی اس کے فوت شدہ نابالغ اولاد) نے آکر اس کا پلڑا بھاری کر دیا۔

ایک شخص کو دیکھا کہ اسے جہنم کی آگ میں الٹا لٹکایا جارہا ہے کہ خدا کے خوف سے نکلے آنسوؤں نے آکر اسے بچالیا۔

ایک شخص کو دیکھا جو پل صراط پر اس حال میں کھڑا ہے کہ اس کے پاؤں ایسے لڑکھڑا رہے ہیں جیسا کہ تیز آندھی میں چیزیں ڈگمگاتی ہوں کہ اس دوران اللہ کی ذات پر حسن ظن نے آکر اسے پل کے اس پار لے گیا۔

ایک شخص کو دیکھا کہ وہ دو قدم جاکر گر جاتا ہے اور گھسیٹتے گھسیٹتے چلا جارہا ہوتا ہے کہ پھر سے اٹھ کر چلنے ہی لگتا ہے کہ دوبارہ گر جاتا ہے، مجھ پر درود نے آکر اس کے پاؤں مضبوط کر کے اس کے قدم جما لیے اور اپنے پیروں پر کھڑا کر دیا۔

ایک شخص کو دیکھا کہ وہ جنت کے دروازوں پر کھڑا ہے مگر ابواب سارے بند ہیں، اتنے میں کلمہ لا إله إلا الله کی شہادت نے آکر اس کے لیے تمام ابواب کھول دیے اور یوں وہ جنت میں داخل ہو گیا۔"[1]

علاوہ ازیں بہت ساری احادیث آپ سے مروی ہیں لیکن خوف طوالت کی وجہ سے وہ یہاں درج نہیں کی جاسکتیں۔ آپ انتہائی خاکسار مزاج اور خدمت خلق کے جذبہ سے سرشار انسان تھے۔ ابن اثیر نے لکھا ہے کہ جب بارش ہوتی تو آپ

---

[1] گرچہ یہ ایک طویل حدیث ہے لیکن انتہائی افادیت کے پیش نظر اس سے صرف نظر نہ کرسکا اور درج کر دیا۔

برساتی پہن لیتے اور پھاوڑا لے کر راستہ صاف کرنے میں لگ جاتے تھے۔

وكان متواضعًا، فإن كَانَ اليوم المطير ليس برنسًا وأخذ المسحاة يكنس الطريق.[1]

آپ بصرہ میں جس محلہ میں رہائش پذیر تھے وہ آپ کی نسبت سے ''محلہ ابن سمرہ'' سے مشہور تھا۔ آپ نے وہیں پر 50ھ میں وفات پائی اور حضرت زیاد نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی۔ گرچہ آپ کے بارے میں ایک روایت یہ بھی ہے کہ آپ نے ''مرو'' میں وفات پائی لیکن ابن اثیر نے لکھا ہے کہ اصح یہ ہے کہ آپ نے بصرہ میں وفات پائی۔ ابن سعد فرماتے ہیں؛

رَجَعَ إِلَى الْبَصْرَةِ، فَمَاتَ بِهَا سَنَةَ خَمْسِينَ، وَصَلَّى عَلَيْهِ زِيَادُ بْنُ أَبِي سُفْيَانَ.[2]

خلیفہ[3] اور ابن عساکر[4] نے بھی 50ھ لکھا ہے جبکہ ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کی تاریخ وفات 51ھ لکھی ہے؛ثم رجع إلى البصرة فسكنها، وإليه تنسب سكة ابن سمرة بالبصرة، وتوفي بها سنة إحدى وخمسين.[5]

امام مزی رحمۃ اللہ علیہ تحریر کرتے ہیں کہ آپ کی اہلیہ کا نام ہند بنت ابی العاص تھا اور اس کے علاوہ آپ کے بیٹوں کے نام بھی لکھے ہیں؛فولد عَبْد الرَّحْمَن بْن سَمُرَة: عَبد الله وعُبَيد الله، وعثمان ومحمدا وعبد الملك، وشعيبا وأمهم هند بنت

---

[1] اسد الغابہ، 450/3
[2] الطبقات الکبریٰ، 366/7
[3] تاریخ خلیفہ بن خیاط ص 211
[4] تاریخ دمشق، 418/34
[5] الاستیعاب، ت1422

أَبِي العاص بْن نوفل بْن عَبْد شمس. [1]

حضرت عبداللہ بن عبداللہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت عبد اللہ بن عبد اللہ بن عتبان اموی انصاری رضی اللہ عنہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عالی مرتبت صحابی تھے۔ بڑے دلیر، نہایت شجاع اور بہت ہی بہادر آدمی تھے۔ فن حرب کے نشیب و فراز سے بخوبی واقف اور اس میدان کے ماہر انسان تھے۔ آپؓ مدینہ کے اشرافیہ میں سے ایک تھے [2]۔ آپؓ پھر کوفہ چلے گئے۔ جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو ایران اور عراق کے محاذوں پر بھیجنے کا فیصلہ کیا تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو مدینہ آنے کی دعوت دی تو حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے کوفہ کی امارت حضرت عبد اللہ بن عبد اللہ بن عتبان انصاری رضی اللہ عنہ کے حوالے کی۔ جب حضرت سعد رضی اللہ عنہ مدینہ پہنچ گئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے دریافت کیا کہ کوفہ کے منصب امارت پر کس کو مقرر کرکے آئے ہو؟ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ حضرت عبد اللہ بن عبد اللہ انصاری رضی اللہ عنہ کو یہ عہدہ سونپا ہے۔ یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ بہت خوش ہوئے [3]۔

پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ رضی اللہ عنہ کو اصفہان کی گورنری پر مامور فرمایا۔ جہاں آپؓ نے اسلام کا بول بالا کیا اور وہاں کے لوگ مجبور ہوگئے جزیہ ادا کرنے پر۔ بعد ازاں آپؓ نے فارس کے ایک مقام "جی" پر دشمنان اسلام سے مقابلہ کیا، دشمن پہلے تو بہت غرور میں تھا لیکن جب اس نے اہل عرب کی جوانمردی اور بہادری دیکھی تو ششدر رہ گئے اور صلح نامہ لکھنے پر مجبور ہوگئے۔ یہ صلح نامہ دور فاروقی میں سن 23ھ

---

[1] تہذیب الکمال، 17/159

[2] الاصابہ، الترجمہ 4808

[3] ایضاً، 4/135

میں آپ رضی اللہ عنہ نے ہی لکھا تھا[1]۔

پھر آپ رضی اللہ عنہ کرمان چلے آئے اور یہاں پر حضرت سہل بن عدی رضی اللہ عنہ اور حضرت حکم بن عمرو غفاری رضی اللہ عنہ کی خوب اعانت کر کے نہ صرف کرمان بلکہ مکران بھی فتح کر لیا تھا[2]۔ اللہ نے آپ رضی اللہ عنہ کو قابل رشک جنگی صلاحیتوں سے نوازا تھا۔ اس باب میں آپ الگ مزاج رکھتے تھے یعنی ان لوگوں سے لڑنا پسند فرماتے تھے جو انانیت میں مغرور ہوتے تھے، آپ ان کا غرور خاک میں ملاتے تھے۔

حضرت شہاب بن مخارق تمیمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت شہاب بن مخارق بن شہاب بن قیس مازنی تمیمی رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدرک صحابی تھے[3]۔ آپ ؓ بنو جندب کے مشہور شاعر تھے بلکہ آپ ؓ شاعر بن شاعر تھے کیونکہ آپ ؓ کے والد بھی بڑے اچھے شاعر تھے[4]۔ طبری نے اپنی تاریخ میں سن 16 ہجری کے واقعات میں لکھا ہے کہ لوگوں نے ایک ایرانی شہسوار سے کہا کہ عرب لوگ ایران میں داخل ہو گئے ہیں تو اس نے کوئی توجہ نہیں دی لیکن جب وہ دیہاتیوں کے پاس گیا تو اس نے دیکھا کہ لوگ سامان باندھ رہے ہیں۔ اس نے پوچھا تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ اہل عرب نے حملہ کر دیا ہے اس پر ایرانی شہسوار نے گیلی مٹی کی دیوار پر اپنی غلیل سے مٹی کی کچی گولیاں مارنا شروع کیں۔ اس

---

[1] اسد الغابہ، الترجمہ 3043

[2] العقد الثمین، ص 62

[3] مدرک صحابی سے مراد وہ صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، جس نے زمانہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم تو پایا ہو مگر ملاقات نصیب نہ ہوئی ہو، اسلام گرچہ حیات رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں قبول کیا ہو یا بعد از وصال صلی اللہ علیہ وسلم۔

[4] ایضاً، ص 63

کے بعد اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی، وہ آگے بڑھا ہی تھا کہ سامنے آنے والے شخص نے اس پر نیزے سے حملہ کر دیا اور کہا تم مزہ چکھو، جس سے وہ مر گیا۔ اس شخص نے حملہ کرتے وقت کہا تھا: خذها وأنا ابن المخارق!

امام طبری کے الفاظ یہ ہیں: كَتَبَ إِلَيَّ السَّرِيُّ، عَنْ شُعَيْبٍ، عَنْ سَيْفٍ، عن عطية وعمرو ودثار أبي عمر، قالوا: كان فارس من فرسان العجم في المدائن يومئذ مما يلي جازر، فقيل له: قد دخلت العرب وهرب أهل فارس، فلم يلتفت إلى قولهم، وكان واثقا بنفسه، ومضى حتى دخل بيت أعلاج له، وهم ينقلون ثيابا لهم، قال: ما لكم؟ قالوا: أخرجتنا الزنابير، وغلبتنا على بيوتنا، فدعا بجلاهق وبطين، فجعل يرميهن حتى ألزقهن بالحيطان، فأفناهن وانتهى إليه الفزع، فقام وأمر علجا فأسرج له، فانقطع حزامه، فشده على عجل، وركب، ثم خرج فوقف ومر به رجل فطعنه، وهو يقول: خذها وأنا ابن المخارق! فقتله ثم مضى ما يلتفت إليه. كَتَبَ إلي السري، عن شعيب، عن سيف، عن سعيد بْن المرزبان بمثله، وإذا هو ابن المخارق بْن شهاب. ❶

امام طبری اور امام ابن اثیر رحمہما اللہ نے آپؓ کی سن 17ھ میں جہادی سرگرمیوں کا تذکرہ کیا ہے۔ آپؓ نے بھی مکران میں آکر حضرت حکم بن عمرو رضی اللہ عنہ کی معاونت میں مصروف جہاد رہ کر کارہائے نمایاں انجام دیے۔ آپؓ نہایت مستقل مزاج اور بدرجہ غایت پختہ ارادے کے مالک تھے۔ اپنے وقت کے بہترین شہسوار اور ایک مسلّم شاعر تھے۔ کئی جنگوں میں شرکت کر کے بہادری کے جوہر دکھائے۔ علاوہ ازیں آپؓ ہمدردئ خلائق اور خدمت مخلوق میں اپنی مثال آپ تھے۔ آپؓ نے 23ھ میں سندھ کے اہم

---

❶ تاریخ طبری، 4/15

علاقے مکران آکر جہاد کیا [1]۔ آپؓ چونکہ ایک اعلیٰ پایہ کے شاعر تھے تاہم آپؓ کی شاعری باوجود ہزار سعی کے مل نہ سکی البتہ آپؓ کے والد مخارق بن شہاب کا ایک شعر ہاتھ آیا جو انہوں نے اپنے ایک چچازاد کے لیے کہا تھا جسے امام انباری نے اپنی کتاب الاضداد میں ذکر کیا ہے:

وَ إِنِّي لَمَوْ لاَ كَ الَّذِي لَكَ نَصْرُهُ   إِذا بُرْطِمَتْ تحتَ السِّبَالِ العَنَافِقُ [2]

حضرت صحار بن عباس عبدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

آپؓ قبیلہ عبد القیس کے نامور سردار تھے۔ آپؓ اپنے قبیلہ کے وفد میں آکر اسلام سے فیضیاب ہوئے اور صحابیت کے مرتبہ عالیہ کو پہنچے [3]۔ آپؓ کی کنیت ابو عبد الرحمٰن تھا۔ آپؓ بہت خوبصورت تھے۔ رنگ مائل بہ سرخی تھا یعنی لعل تھا، تبھی تو لوگ آپؓ کو "احمر" کہا کرتے تھے [4]۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ آپؓ کو "ارزق" کہا کرتے تھے [5]۔ شکل و صورت کے علاوہ اللہ نے آپؓ کو اور بھی کئی صلاحیات سے نوازا تھا۔

---

[1] تاریخ طبری؛4/184، تاریخ ابن اثیر؛2/424

[2] ابو بکر انباری (م328ھ)، الاضداد، 1/48، مکتبہ عصریہ بیروت لبنان، 1407ھ

[3] وفد بنی عبد القیس کے بارے میں ابن سعد، خلیفہ، طبری، ابن ابی حاتم، ابن حبان، ابو نعیم، ابن اثر، ابن عبد البر، ذہبی، امام بخاری اور ابن حجر عسقلانی تمام حضرات نے لکھا ہے۔

[4] أسد الغابة ت 2483، الثقات 3/ 194، تجريد أسماء الصحابة 1/ 263- رجال السند والهند 2/ 335- حسن المحاضرة 1/ 209، ذيل الكاشف 666- العقد الثمين 64- التاريخ الكبير 4/ 327- الأعلام 3/ 201، الجرح والتعديل 4/ 2006، 2007- تلقيح فهوم أهل الأثر 372، الطبقات الكبرى 5/ 562، 7/ 87- تبصير المشتبه 3/ 902- بقي بن مخلد 284.

[5] المعارف، 1/339

آپؓ بڑے عالم، فاضل، عابد، زاہد اور پیکر خیرات وحسنات تھے۔ اپنی بلا کی خطابت، فصاحت اور بلاغت کی وجہ سے لوگوں میں "أخطب الناس" سے مشہور تھے [1]۔ علم انساب اور علم جغرافیہ کے بھی بہت بڑے ماہر اور مایہ ناز عالم تھے۔ تبھی تو آپؓ جب 23ھ میں حضرت حکم بن عمرو غفاری رضی اللہ عنہ کے ساتھ سندھ میں مکران کی مہم میں کامیابی سے ہمکنار ہوئے، تو حضرت حکم رضی اللہ عنہ نے آپؓ کو مال غنیمت دے کر حضرت امیر المؤمنین کی خدمت میں بھیجا تاکہ انہیں خوشخبری سنا کر خوش کر دیں۔ اور جب آپؓ مدینہ جا پہنچے تو واقعی خلیفہ وقت کو اس فتح سے بہت خوشی ملی۔ چونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو آپؓ کی علمیت اور تجربے ومشاہدے کا بھرپور احساس تھا، اس لیے انہوں نے آپؓ سے یہاں کے حالات دریافت کرنا چاہے، چونکہ آپؓ خطابت کے بے تاج بادشاہ تھے اس لیے آپؓ نے ایک ہی جملہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سوال کا ایسا ادیبانہ جواب دیدیا کہ سامعین ششدر رہ گئے، فرمایا؛

يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ أَرْضٌ سَهْلُهَا جَبَلٌ وَمَاؤُهَا وَشَلٌ وَثَمَرُهَا دَقَلٌ وَعَدُوُّهَا بَطَلٌ وَخَيْرُهَا قَلِيلٌ وَشَرُّهَا طَوِيلٌ وَالْكَثِيرُ بِهَا قَلِيلٌ وَالْقَلِيلُ بِهَا ضَائِعٌ وَمَا وَرَاءَهَا شَرٌّ مِنْهَا. فَقَالَ عُمَرُ: أَسَجَّاعٌ أَنْتَ أَمْ مُخْبِرٌ؟ فَقَالَ لَا بَلْ مُخْبِرٌ. [2]

فرمایا؛ مکران (سندھ) کی ہموار ونرم زمین پہاڑ ہے، اس کا پانی کم اور کھارا، اسکی کھجوریں ردی اور بے کار جبکہ اس کے دشمن بڑے جری اور بے باک ہیں۔ وہاں کا خیر قلیل اور شر طویل ہے۔ وہاں کم فوج کا بھیجنا ہلاکت اور کثرت بھی ضیاع ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ

---

[1] ایضاً،

[2] الاصابہ، الترجمہ 4061، البدایہ والنہایہ 7/148

نے فرمایا کہ شعر کہہ رہے ہو کہ وہاں کا حال بتارہے ہو؟ آپؓ نے فرمایا کہ وہاں کا حال بتارہا ہوں۔ یہ جواب سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسلامی لشکر کو آگے بڑھنے سے سختی سے منع فرمایا۔

آپؓ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے حامیوں میں سے تھے اور چاہتے تھے کہ انکے قاتلوں کو کیفر کردار تک پہنچایا جائے۔ آپؓ سے چند احادیث بھی مروی ہیں۔ آپؓ کی اولاد میں بھی بڑے بڑے علماء اور محدثین ہو گزرے ہیں۔ بقول دینوریؒ آپؓ کے ایک بیٹے عبد الرحمٰن بن صحار اور ایک پوتے جعفر بن زید بن صحار اپنے زمانے کے بڑے علماء اور مجتہدین ہو گزرے ہیں [1]۔ اور امام ابن حجر عسقلانی نے جعفر کو آپؓ کا بیٹا لکھا ہے [2]۔ امام ابن حجر عسقلانی مزید فرماتے ہیں؛أبو نعیم. ویقال ابن صخر بن شراحیل بن منقذ بن عمرو بن مرة العبديّ.قال البخاريّ: له صحبة. وقال ابن السكن: له صحبة، حديثه في البصريين، وكان يكنى أبا عبد الرحمن بابنه.وقال ابن حبّان: صحار بن صخر، ويقال له صحار بن العباس، له صحبة، سكن البصرة ومات بها،

وروى أحمد وأبو يعلى والبغوي والطبراني من طريق يزيد بن الشّخير، عن عبد الرحمن بن صحار العبديّ، عن أبيه: سمعت النبي صلّى الله عليه وسلم يقول: «لا تقوم السّاعة حتّى يخسف بقبائل من بني فلان وبني فلان» [3].

---

[1] المعارف، 1/339

[2] الاصابہ، الترجمہ 4061

[3] أخرجه أحمد في المسند3/ 483عن عبد الرحمن بن صحار العبديّ عن أبيه... الحديث.والطبراني في الكبير8/ 87،وابن أبي شيبة في المصنف15/ 41،والحاكم في

قال: فعرفت أنّ بني فلان من العرب، لأن العجم إنما تنسب إلى قراها. لفظ أبي يعلى. وفي رواية البغوي، عن عبد الرحمن بن صحار، وكان من عبد القيس، قال البغوي: لا أعلمه روى غير هذا.وروى ابن شاهين له بهذا الإسناد أنه أتى النبي صلّى الله عليه وسلم، فقال: يا رسول الله، إني رجل مسقام، فأحبّ أن تأذن لي في جرّة أنتبذ فيها. وأورد له حديثا آخر بسند ضعيف.وأخرج البغويّ من طريق خلدة بنت طلق: حدثني أبي أنه كان عند رسول الله صلّى الله عليه وسلم فجاء صحار عبد القيس، فقال: يا رسول الله، ما ترى في شراب نصنعه في أرضنا ... الحديث.وروى عنه أيضا ابنه جعفر بن صحار، ومنصور، بن أبي منصور وجيفر بن الحكم.وقال ابن حبّان في الصّحابة: مات بالبصرة.قلت: ولصحار أخبار حسان، وكان بليغا مفوّها، ذكر الجاحظ في الحيوان أنه قيل له: ما يقول الرّجل لصاحبه عند تذكيره إياه أياديه وإحسانه؟ قال: يقول: أما نحن فإنّا نرجو أن نكون قد بلغنا من أداء ما يجب لك علينا مبلغا مرضيا.قال صحار: وكانوا يستحبون أن يدعوا للقول متنفسا، وأن يتركوا فيه فضلا، أن يتجافوا عن حقّ إن أرادوه، ولم يمنعوا منه.وقال الجاحظ في كتاب البيان: قال معاوية لصحار: ما البلاغة؟ قال: الإيجاز. قال:ما الإيجاز؟ قال: ألا تبطئ ولا تخطىء.وقال الرّشاطيّ: ذكر أبو عبيدة أنّ معاوية قال لصحار: يا أزرق. قال: القطامي أزرق. قال: يا أحمر. قال: الذّهب أحمر. قال: ما هذه البلاغة فيكم؟ قال:

لہ المستدرك4/ 445، عن عبد الرحمن بن صحار العبديّ عن أبيه بلفظه قال الحاكم صحيح الإسناد ولم يخرجاه وأقره الذهبي.وأورده الهيثمي في الزوائد9/ 11،والمتقي الهندي في كنز العمال حديث رقم38721، 39734، وأورده السيوطي في الدر المنثور6/ 61

شيء يختلج في صدورنا فنقذفه كما يقذف البحر بزبده. قال: فما البلاغة؟ قال: أن تقول فلا تبطئ وتصيب فلا تخطئ.وقال محمّد بن إسحاق النّديم في «الفهرست» روى صحار عن النّبي صلّى الله عليه وسلم حديثين أو ثلاثة، وكان عثمانيا أحد النّسابين والخطباء في أيام معاوية، وله مع دغفل النسابة محاورات.[1]

آپ چونکہ آخری وقت میں بصرہ چلے گئے اور وہیں سکونت اختیار کرلی[2] اس لیے آپ نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے آخری دور میں بصرہ میں وفات پائی۔[3]

حضرت عاصم بن عمرو تمیمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت عاصم بن عمرو تمیمی رضی اللہ عنہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشہور جرنیل صحابی حضرت قعقاع رضی اللہ عنہ کے بھائی تھے۔ آپ کا شجرہ نسب ابن قانعؒ نے یوں لکھا ہے؛

عَاصِمِ بْنِ عَمْرِو بْنِ عَوْفِ بْنِ مَالِكِ بْنِ مَبْذُولِ بْنِ عَمْرِو بْنِ غَنْمِ بْنِ مَازِنِ بْنِ تَيْمِ وَهُوَ الْمَازِنِيُّ عَمُّ عَبَّادِ بْنِ تَمِيمٍ.[4]

آپؓ گرچہ تاریخ میں فاتح سجستان سے یاد کیے جاتے ہیں لیکن شاید یہ بہت ہی کم لوگوں کو معلوم ہو کہ آپؓ سندھ بھی آئے تھے اور یہاں اپنے جوہر دکھائے تھے جیسا کہ ابن کثیرؒ، ابن عبد البر اور ابن حجر نے تصریح کی ہے[5]۔ تقریباً سبھی مؤرخین

---

[1] الاصابہ، الترجمہ 4061

[2] ڈاکٹر عبد الرحمٰن، بلوچستان میں صحابہ کرام، ص54

[3] Dr Muhammad Ishaq, India's contribution to study of Hadith Literature, Decca 1955, p.5

[4] معجم الصحابہ، 2/102

[5] البدایہ والنہایہ؛7/ 148، الاستیعاب؛2/500، الاصابہ؛2/614

اور مترجمین نے آپؓ کے حالات متفرق لکھے ہیں۔ راقم نے کوشش کی ہے کہ ان سب کو مختصراً مگر اجمالاً بیان کر دوں تا کہ اس بطل جلیل کی اسلام کے لیے دی گئیں قربانیاں آشکارا ہو جائیں۔ 9ھ میں غزوہ تبوک سے چند دن قبل قبیلہ بنو تمیم نے آکر اسلام قبول کرلیا، اسی وفد میں حضرت عاصم بن عمرو رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ گرچہ کسی غزوہ میں آپؓ نے حصہ نہیں لیا لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپؓ نے بہت سی جہادی کارروائیوں میں کارہائے نمایاں سرانجام دیئے۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے ساتھ مرتدین کی سرکوبی میں اول دستے میں رہے۔ پھر جب خالد بن ولید رضی اللہ عنہ دومۃ الجندل کی طرف آگے بڑھے تو آپؓ بھی ان کے شانہ بشانہ تھے۔ شام اور مدینہ کے درمیان ایک مضبوط قلعہ تھا جہاں عیسائی سازش کرتے رہتے تھے اور ان کا ایک سرغنہ اکیدر نامی شخص تھا جسے پکڑنا یا قتل کرنا ہر حال میں ضروری تھا۔ چنانچہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے آپؓ ہی کو اسے پکڑنے کیلئے بھیج دیا۔ آپؓ نے کمال بہادری دکھا کر اسے رسیوں میں جکڑ کر حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر کرلیا۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے اسے قتل کر دیا، اور پھر قلعہ دومۃ الجندل کا محاصرہ کر کے اسے فتح کرلیا۔ فتح ہوتے ہی حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ قلعہ میں موجود سب قیدیوں کو قتل کر دو۔ ایسے میں حضرت عاصم رضی اللہ عنہ آگے بڑھے اور فرمایا کہ نہیں ان میں بنو کلب کو امن دیا جائے کیونکہ انہوں نے ہم سے امان مانگی تھی۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے بھی آپؓ کی لاج رکھ لی اور بنو کلب کو امان دے دیا۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جب خالد رضی اللہ عنہ کو ارض شام کی طرف بھیجنے کا ارادہ کیا تو حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی تمنا تھی کہ حضرت عاصم رضی اللہ عنہ بھی ان کے ساتھ چلے جائیں لیکن مثنیٰ بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے اس پر احتجاج کیا اور بالآخر عاصم رضی اللہ عنہ رہ گئے اور ان

کے بھائی حضرت قعقاع رضی اللہ عنہ کو اپنے ساتھ لے چلیں۔ آپؓ پھر بھی آرام سے بیٹھے والے نہ تھے اس لیے آپؓ حضرت ابو عبیدہ بن مسعود ثقفی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہو کر اہل فارس کے ساتھ جہاد کے لیے چلے گئے۔ کسکر میں جا کر قتال کیا، جہاں آپ یہ رجزیہ اشعار پڑھا کرتے تھے:

عَمْرِي وَمَا عَمْرِي عَلَيَّ بِهَيِّنٍ..... لَقَدْ صُبِّحَتْ بِالْخِزْيِ أَهْلُ النَّمَارِقِ

بِأَيْدِي رِجَالٍ هَاجَرُوا نَحْوَ رَبِّهِمْ..... يَجُوسُونَهُمْ مَا بَيْنَ دُرْتَا وَبَارِقِ

قَتَلْنَاهُمْ مَا بَيْنَ مَرْجِ مُسْلِحٍ..... وَبَيْنَ الْهَوَافِي مِنْ طَرِيقِ الْبَذَارِقِ [1]

اور پھر معرکہ جسر میں زبردست جنگ ہوئی۔ دشمن دریا کے اُس پار تھا اور وہاں سے برابر للکار رہا تھا۔ امیر لشکر حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کا حکم تھا کہ ہم دریا پار کر کے جا کر مقابلہ کریں گے۔ بہت سارے مجاہدین اس رائے کے خلاف تھے کیونکہ انکا خیال تھا کہ اس سے فائدے کی امید کم اور نقصان پہنچنے کی قوی امید ہے۔ امیر کا حکم تھا اسلئے کشتیوں کا پُل بنایا گیا اور جونہی مسلمان آگے بڑھے، جگہ تنگ ہونے کی وجہ سے مجاہدین دشمن کے نرغے میں آ گئے۔ واقعی مجاہدین بری طرح پھنس گئے تھے، بہت سارے مجاہدین شہید ہو گئے اور کئی ایک بھاگ گئے۔ ایسے میں کسی نے پل توڑ ڈالا، جس سے کئی ایک دریا میں گر گئے۔ حضرت عاصم رضی اللہ عنہ نے ایسے میں حضرت مثنیٰ رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر پل دوبارہ جلدی سے بندھوایا۔ اور بچی کھچی فوج کو دریا سے پار لے آئے۔ امیر لشکر حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ بھی اس جنگ میں شہید ہوئے۔ نو ہزار مجاہدین میں سے صرف تین ہزار مجاہدین بچ گئے تھے۔ اور ان کا بچانا بھی آپؓ اور حضرت مثنیٰ رضی اللہ عنہ کا کارنامہ تھا، پھر جنگ بویب میں آپؓ نے مقدمۃ الجیش کے شہسواروں کی امارت کرتے

---

[1] تاریخ طبری، 3/497

ہوئے دشمن پر وہ یلغار کردی کہ اب کے بار وہ یا تو جان سے گئے اور یا پھر جان بچا کر بھاگ گئے۔ یزدجر کے بادشاہ بنتے ہی رستم اور فیروز دو بڑے پہلوانوں نے یکجا ہو کر مسلمانوں کے خلاف ایک زبردست لشکر تیار کیا اور ایک نتیجہ خیز جنگ لڑنے کی ٹھان لی۔ ادھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی تیس ہزار کا لشکر تیار کر چکے تھے۔ مسلمانوں کے سالار لشکر حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے اسلامی اصولوں کے مد نظر پہلے دعوت اسلام دینا ضروری سمجھا۔ لہٰذا یزدجر کے پاس جو وفد گیا، ان میں حضرت عاصم بن عمرو رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ وفد نے خوبصورت اسلوب میں دعوت اسلام دی جسے سن کر متکبر یزدجر آگ بگولا ہو گیا اور کہنے لگا کہ اگر قاصدوں کو قتل نہ کیا جاتا تو میں تمہیں ابھی قتل کر دیتا۔ پھر اسی وقت حکم دیا کہ مٹی کا ایک ٹوکرا لاؤ تا کہ اہل عرب کے ان معززین کے سر پر رکھ دوں؛ فقال لولا أن الرسل لا تقتل لقتلتكم، لا شيء لكم عندي وقال ائتوني بوقر من تراب، فقال: احملوه على أشرف هؤلاء، ثم قال: من أشرفكم؟ فسكت القوم، فقال عاصم بن عمرو- وافتات ليأخذ التراب: أنا أشرفهم، أنا سيد هؤلاء فحملنيه، فقال: أكذاك؟ قالوا: نعم، فحمله على عنقه، فخرج به من الإيوان والدار حتى أتى راحلته فحمله عليها، ثم انجذب في السير، فأتوا به سعدا وسبقهم عاصم فمر بباب قديس فطواه، فقال: بشروا الأمير بالظفر، ظفرنا إن شاء الله. ثم مضى حتى جعل التراب في الحجر، ثم رجع فدخل على سعد، فأخبره الخبر فقال: أبشروا فقد والله أعطانا الله أقاليد ملكهم.[1]

حضرت عاصم رضی اللہ عنہ اس ٹوکرے کو خوشی خوشی لے آئے اور لوگوں کو فتح کی نوید سنائی۔

---

[1] تاریخ طبری، 3/500

انہیں بتایا کہ مبارک ہو! اللہ نے ان کی سلطنت کی چابیاں ہمیں دے دی ہیں۔اس جنگ کو تاریخ "جنگ قادسیہ" کے نام سے یاد کرتی ہے۔ حضرت عاصم رضی اللہ عنہ نے کمال بہادری دکھائی، نہ صرف خود میں بلکہ مجاہدین میں بھی رجز پڑھ کر خوب جوش وولولہ پیدا کیا۔ آپ کی زبان پر یہ اشعار تھے؛

قَدْ عَلِمَتْ بَيْضَاءُ صَفْرَاءُ اللَّبَبِ مِثْلَ اللُّجَيْنِ إِذْ تَغْشَاهُ الذَّهَبُ

أَنِّي امْرُؤٌ لا مَنْ تَعِيبُهُ السَّبَبُ مِثْلِي عَلَى مِثْلِكَ يُغْرِيهِ الْعَتَبُ [1]

ایرانی ہاتھی دیکھ کر مسلمانوں کے گھوڑے بدک گئے تو امیر لشکر حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے حضرت عاصم رضی اللہ عنہ کے پاس پیغام بھیجا؛ فَأَرْسَلَ سَعْدٌ إِلَى عَاصِمِ بْنِ عَمْرٍو، فَقَالَ: يَا مَعْشَرَ بَنِي تَمِيمٍ، أَلَسْتُمْ أَصْحَابُ الإِبِلِ وَالْخَيْلِ! أَمَا عِنْدَكُمْ لِهَذِهِ الْفِيلَةِ مِنْ حِيلَةٍ ؟

آپؓ نے جواب دیا کیوں نہیں ہے اور پھر اپنے رفقاء کو حکم دیا کہ اپنے تیروں سے ان ہاتھیوں کو نشانہ بناؤ۔ آپؓ کے ساتھیوں نے ایرانی ہاتھیوں کا سامنا کر کے ان کا خوب علاج کیا اور سب کو قتل کر دیا۔

بَلَى وَاللهِ، ثُمَّ نَادَى فِي رِجَالٍ مِنْ قَوْمِهِ رُمَاةٍ وَآخَرِينَ لَهُمْ ثَقَافَةٌ، فَقَالَ لَهُمْ: يَا مَعْشَرَ الرُّمَاةِ ذُبُّوا رُكْبَانَ الْفِيلَةِ عَنْهُمْ بِالنَّبْلِ، وَقَالَ: يَا مَعْشَرَ أَهْلِ الثَّقَافَةِ اسْتَدْبِرُوا الْفِيلَةَ فَقَطِّعُوا وضنها، وَخَرَجَ يَحْمِيهِمْ وَالرَّحَى تَدُورُ عَلَى أَسَدٍ، وَقَدْ جَالَتِ الْمَيْمَنَةُ وَالْمَيْسَرَةُ غَيْرَ بَعِيدٍ، وَأَقْبَلَ أَصْحَابُ عَاصِمٍ عَلَى الْفِيلَةِ، فَأَخَذُوا بِأَذْنَابِهَا وَذَبَاذِبِ تَوَابِيتِهَا، فَقَطَّعُوا وُضُنَهَا، وَارْتَفَعَ عَوَاؤُهُمْ، فَمَا بَقِيَ

---

[1] ایضاً، 3/536

لَهُمْ يَوْمَئِذٍ فِيلٌ إِلا أُعْرِيَ، وَقُتِلَ أَصْحَابُهَا. [1]

آپؓ اور دیگر صحابہ کرام کی جرات و بہادری سے مسلمانوں نے جنگ قادسیہ میں متکبر ایرانیوں کی دوڑیں لگوائیں اور وہ وہاں سے فرار ہو کر دجلہ پار کر کے بہر سیر شہر میں چُھپ گئے۔ اسلامی لشکر اس کے پیچھے جانا چاہتا تھا لیکن ایرانی تمام کشتیاں ساتھ لے گئے تھے۔ اور دریا کا پانی بھی چڑھ گیا تھا۔ دریں اثناء امیر لشکر حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے خواب دیکھا کہ اسلامی لشکر کے گھوڑے دریا میں گھس گئے ہیں اور دریا پار ہو گئے ہیں۔ اس کے بعد حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے ایک زور دار تقریر کر کے لوگوں کو اس بات پر اکسایا کہ وہ کسی بھی حالت میں دریا پار کر دشمن کا کام تمام کر دیں۔ سب سے پہلے حضرت عاصم رضی اللہ عنہ تیار ہوئے اور اس کے بعد ساٹھ آدمی اور بھی تیار ہو گئے۔ حضرت عاصم رضی اللہ عنہ نے ان سے ایک زور آور اور ایمان آفروز تقریر کرتے ہوئے فرمایا فقالَ مَا يمنعكم من العبور إِلَّا هَذِه النُّطْفَة ثمَّ أقحم فرسه فَاعْترَضَ بِهِ دجلة ثمَّ قَرَأَ مَا كَانَ لِنَفْسٍ أَنْ تَمُوتَ إِلا بِإِذن الله فأقحم النَّاس خيولهم. [2]

کیا تم پانی کے اس قطرے سے ڈرتے ہو؟

یہ کہتے ہوئے اپنا گھوڑا دریا میں ڈال دیا اور پھر فرمایا؛ کوئی بھی نفس اپنے وقت مؤجل سے پہلے نہیں مرتا، آپ رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر سب نے دریا میں گھوڑے ڈال دیے۔ ایرانیوں نے جب یہ دیکھا تو چلائے؛ "دیوان آمدند، دیوان آمدند" اور دم دبا کر بھاگ نکلے اور یوں کسریٰ پر مسلمانوں نے قبضہ کر لیا۔ بعد ازاں جلواء، تکریت، اور نہاوند

---

[1] ایضاً، 500/3

[2] تاریخ خلیفہ، 1/133

کے معرکوں میں بھی آپؓ نے کارہائے نمایاں انجام دیے۔ پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے آپؓ کو سجستان کی مہم پر روانہ کیا اور آپ رضی اللہ عنہ نے جا کر یہ مہم بھی اللہ کے فضل و کرم سے بخوبی سر کر لیا۔ اس دوران آپ رضی اللہ عنہ نے نہ صرف سجستان فتح کیا بلکہ سندھ کا وہ علاقہ جو سجستان سے لگا ہوا تھا وہ بھی اپنے زیر کر لیا۔ یہ سن 23ھ کا واقعہ ہے[1]۔

---

[1] اس مضمون کے تیار کرنے میں ان حوالوں کا سہارا لیا گیا۔ نسب قريش؛353 و 355 و361، ومسند أحمد؛ 3/ 478، والمحبّر؛ 418 و 448، وطبقات ابن سعد 5؛/ 15، وطبقات خليفة 234، وتاريخ خليفة ؛ 267، والتاريخ الكبير؛ 6/ 477، 478 رقم 3038، وتاريخ الثقات للعجلي؛ 242 رقم 642، والثقات لابن حبان 5؛/ 223، والجرح والتعديل 6/ 346 رقم 1912، والمعارف 184 و 187 و 188، والعقد الفريد 6/ 8 و 349، والمعرفة والتاريخ 1/ 221، وأنساب الأشراف 1/ 427 و 428، ومروج الذهب (طبعة الجامعة اللبنانية) 1561، فتوح البلدان 226، معجم الشعراء للمرزباني 271، ومشاهير علماء الأمصار رقم 442، والاستيعاب 3/ 136، 137، وعيون الأخبار 1/ 322، وجمهرة أنساب العرب 152 و 155 و 333، وتاريخ الطبري 2/ 642 و 4/ 99 و 6/ 566، وربيع الأبرار 4/ 285، وتهذيب الأسماء واللغات ق 1 ج 1/ 255 رقم 277، ووفيات الأعيان 6/ 302، 303، والكامل في التاريخ 2/ 210 و 3/ 54 و 4/ 308 و 5/ 59 و 325 و 394، وأسد الغابة 3/ 76، والجمع بين رجال الصحيحين 1/ 383، وتهذيب الكمال 2/ 636، والعبر 1/ 78، وسير أعلام النبلاء 4/ 97 رقم 30، والكاشف 2/ 46 رقم 2534، وتاريخ الإسلام (عهد الخلفاء الراشدين) 268، والوافي بالوفيات 16/ 570، 571 رقم 604، ومرآة الجنان 1/ 271، والإصابة 3/ 56 رقم 6154، وتهذيب التهذيب 5/ 52، 53 رقم 83، وتقريب التهذيب 1/ 385 رقم 19، وخلاصة تذهيب التهذيب 183، والنجوم الزاهرة 1/ 185، وشذرات الذهب 1/ 77، البداية والنهاية 7/ 132

ڈاکٹر عبد الرحمٰن کی تحقیق کے مطابق 23ھ میں سیستان کی فتح کے بعد حضرت عاصم بن عمرو رضی اللہ عنہ نے موجودہ بلوچستان کے مکران، کچی اور خاران کے علاقوں میں آکر فتوحات حاصل کی تھیں۔ [1]

حضرت عبداللہ بن عمیر اشجعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

آپؓ قبیلہ اشجع سے تعلق رکھتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہونے کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرنے والے بھی ہیں۔ جیسا کہ علماء متقدمین و متاخرین نے فرمایا ہے [2]۔ ابن ابی حاتم فرماتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن عمیر رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرنے کی سعادت حاصل ہے۔ ابن مندہ کا قول ہے کہ طبرانی میں یحیٰی بن مسلم، ابن واقدان [3] کے واسطے حضرت عبد اللہ بن عمیر اشجعی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ ابن بندہ نے اس کو ایک دوسری سند سے بھی روایت کیا ہے [4]۔

آپ رضی اللہ عنہ کی روایت یہ ہے [5]:

حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ أَحْمَدَ، ثنا الْحَسَنُ بْنُ الْعَبَّاسِ الرَّازِيُّ، ثنا مُحَمَّدُ بْنُ حُمَيْدٍ، ثنا أَبُو زُهَيْرٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ مَغْرَاءَ، عَنْ يَحْيَى بْنِ مُسْلِمٍ، عَنْ

---

[1] بلوچستان میں صحابہ کرام، ص72

[2] أسد الغابة ت (3101)، الاستيعاب ت (1642)، الجرح والتعديل 5/ 123، تجريد أسماء الصحابة 1/ 326، العقد الثمين 66، تهذيب الكمال 2/ 718، الجرح والتعديل 5/ 565، 665، التاريخ الكبير 5/ 34.

[3] امام ابن حجر نے ابن وقدان، جبکہ ابو نعیم نے اس کا نام عبد اللہ لکھا ہے اور امام طبری نے اس کا نام برعکس لکھا ہے یعنی واقد بن عبد اللہ۔ (تاریخ طبری 4/376، معرفۃ الصحابہ 3/1735)

[4] الاصابہ، 4/171

[5] أورده المتقي الهندي في كنز العمال حديث رقم 14823 وعزاه إلى الطبراني في الكبير عن عبد الله بن عمر الأشجعي. قال الهيثمي في الزوائد 6/ 236

عَبْدِ اللهِ بْنِ وَقْدَانَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَيْرٍ الْأَشْجَعِيِّ، قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: «إِذَا خَرَجَ عَلَيْكُمْ خَارِجٌ وَأَنْتُمْ مَعَ رَجُلٍ جَمِيعًا يُرِيدُ أَنْ يَشُقَّ عَصَا الْمُسْلِمِينَ وَيُفَرِّقَ جَمْعَهُمْ فَاقْتُلُوهُ.[1]

"عبداللہ بن عمیر اشجعی روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ تم لوگ کسی شخص پر (بحیثیت امیر) متفق ہو جاؤ اور اس کے بعد کوئی دعویدار آکر مسلمانوں میں اختلاف پیدا کرنے اور ان کی طاقت توڑنے کی کوشش کرے تو ایسے شخص کو قتل کر دو۔"

ابن اثیر نے آپ کا شمار اہل مدینہ میں کیا ہے اورآپ کی یہی روایت لکھی ہے کہ اگر کوئی باغی تم میں سے نکلے تو اسے قتل کردو۔ امام طبری اور امام ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ آپؓ نے 23ھ میں حضرت عاصم بن عمرو رضی اللہ عنہ کے ساتھ سجستان کا جہاد کیا اور دونوں کی کوششوں سے وہ علاقہ فتح ہوا جو اس زمانے میں بلاد سجستان سے لیکر سندھ کے اندرونی حصے تک پھیلا ہوا تھا[2]۔العقدالثمین کے مؤلف کی تحقیق کے مطابق حضرت عبداللہ بن عمیر اشجعی رضی اللہ عنہ سندھ کے علاقوں میں آئے تھے اور یہاں پر جہادی کارروائیوں میں حصہ لیا تھا[3]۔

ڈاکٹر عبدالرحمٰن کا کہنا ہے کہ آپ نے مکران اور خاران میں کارروائیاں کیں[4]۔ان کی برکت سے یہ سرزمین بابرکت ہوئی۔اور محمد اسحاق بھٹی کی تحقیق کے

---

[1] معرفۃ الصحابہ لابی نعیم، 3/ 1735

[2] تاریخ طبری؛4/ 181، تاریخ ابن کثیر؛7/ 132

[3] العقد الثمین ، ص 66

[4] بلوچستان میں صحابہ کرام، ص54

مطابق آپ نے دور فاروقی میں آکر سندھ (موجودہ بلوچستان) کے کئی شہر زیر نگیں کئے اور پھر آپ کی شہادت بھی یہیں سندھ (موجودہ بلوچستان) میں ہوئی [1]۔

حضرت نسیر بن دیسم عجلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

آپ رضی اللہ عنہ بحرین کے قبیلہ بنو بکر کی ذیلی شاخ بنو عجل کے چشم و چراغ تھے [2]۔ آپؓ مخضرم [3] صحابی تھے [4]۔ آپ اپنے دادا کے نام سے زیادہ مشہور ہیں۔ بلاذری، ابن حجر، یاقوت حموی اور ابن حزم وغیرہ نے نسیر بن ثور لکھا ہے [5]۔ آپ کا شجرہ نسب یہ ہے: النسير صاحب قلعة النّسير بن ديسم بن ثور بن عريجة بن محلّم ابن هلال بن ربيعة بن ضبيعة بن عجل بن لجيم بن صعب بن علي بن بكر بن وائل. [6]

آپؓ نے نہاوند میں ایک قلعہ فتح کیا تھا جسے قبضہ کرنا بہت مشکل تھا لیکن آپؓ کی مستقل مزاجی اور بہادری کی وجہ سے وہ قلعہ مسلمانوں کے قبضہ میں آگیا تھا، اس لیے نہ صرف اس قلعے کو آپؓ کی نسبت "قلعہ نسیر" کہا جانے لگا بلکہ اس کے بعد آپؓ کو بھی "صاحب قلعہ نسیر" سے یاد کیا جانے لگا [7]۔ امام ابو منذر کلبیؒ (م204ھ)

---

[1] فقہائے ہند، 1/15

[2] امام ابو منذر کلبی (م204ھ)، نسب معد والیمن الکبیر، 1/76

[3] مخضرم اس صحابی کو کہتے ہیں جس نے زمانہ جاہلیت پایا ہو اور زمانہ رسالت بھی لیکن کسی وجہ سے شرف ملاقات نصیب نہ ہوئی ہو۔

[4] فقہائے ہند، 1/12

[5] فتوح البلدان؛ 1/245، معجم البلدان، 5/33، الاصابہ: 3/355

[6] جمہرة انساب العرب، 1/314

[7] معجم البلدان، 5/33

نے آپؓ کو "قلعة النسیر" کہا ہے، لکھتے ہیں: النَسَیْرُ بن دُیْسم بن ثَوْر بن عُرَیْجَةَ، الذي یُقالُ لهُ قَلْعَةَ النُسَیْرِ. [1]

لیکن شاید ان سے لفظ "صاحب" رہ گیا ہو یا کاتب کا سہو ہو۔ آپؓ نے دور صدیقی اور دور فاروقی اور دور عثمانی میں کئی جنگوں میں باقاعدہ حصہ لیا۔ جنگ قادسیہ، نہروان، ھمذان، سجستان، نہاوند اور مکران وغیرہ کئی معرکوں میں آپؓ نے اپنی بہادری کے جوہر دکھائے [2]۔ 23ھ میں آپؓ نے حضرت سہل بن عدی رضی اللہ عنہ کے ساتھ سندھ کے علاقہ قفص پر قبضہ کیا تھا، اس لشکر میں فوج کے ایک دستے کی کمان آپؓ کے سپرد تھی۔ آپؓ نے اسی سال 23ھ میں مکران کے حاکم مرزبان کو قتل کیا تھا [3]۔ اور آگے بڑھ کر خاران پر قبضہ کیا [4]۔ اس جنگ میں حضرت عبد اللہ بن عبد اللہ بن عتبان بھی مدد کے لیے اپنے لشکر کے ساتھ پہنچ گئے تھے۔ 35ھ میں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے آپ کو ھمذان کی ولایت سونپی تھی [5]۔ الحاصل آپؓ نہایت جری، نڈر اور دلیر سپہ سالار تھے۔ علاوہ ازیں آپؓ اپنے وقت کے ایک مایہ ناز خطیب بھی تھے [6]۔ اور کیوں نہ ہوتے کہ آپؓ کی پرورش فصاحت و بلاغت کے ماحول میں ہوئی

---

[1] نسب معد والیمن الکبیر، 1/ 76

[2] فتوح البلدان: 1/ 245، تاریخ طبری: 2/ 42، 4/ 134، تاریخ ابن اثیر: 2/ 400

[3] تاریخ ابن اثیر: 2/ 423، تاریخ ابن خلدون: 2/ 566

[4] خاران اس وقت مکران کا حصہ تھا، اٹھارویں صدی عیسوی میں میر نصیر خان نوری کے عہد میں یہ قلات میں شامل کیا گیا۔ (بلوچستان میں صحابہ کرام، ص 97)

[5] تاریخ طبری: 4/ 330

[6] ایضاً، 4/ 422

تھی۔ محمد اسحاق بھٹی لکھتے ہیں؛ "مقدمۃ الجیش کے امیر کی حیثیت سے حضرت نسیر بن دیسم رضی اللہ عنہ نے 23ھ میں بلوچستان کا کچھ حصہ فتح کیا۔"[1]

حضرت حکیم بن جبلہ عبدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

آپؓ قبیلہ عبد القیس کے نامور سردار تھے۔ آپؓ کا شجرہ نسب یہ ہے؛ حكيم بْن جبلة بْن حصين بْن أسود بن كعب بْن عامر بْن الحارث بْن الديل بْن عمرو بْن غنم بْن وديعة بْن لكيز بْن أفصى بْن عبد القيس بْن دعمي بْن جديلة بْن أسد بْن ربيعة بْن نزار بن معد بن عدنان، العبدي البصري.[2]

آپؓ کا نام حاء کے فتحہ کے ساتھ ہے کہ ضمہ کے ساتھ[3]؟ مگر امام ابن عبد البر، فتحہ اور امام ابن حجر عسقلانی، ضمہ کو ترجیح دیتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ یہ تصغیر ہے[4]۔ جبکہ ابن خلکان دونوں کو درست قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں؛

وأما حكيم بن جبلة المذكور في عمود هذا النسب فإنه بفتح الحاء المهملة وكسر الكاف، ويقال أيضاً بضم الحاء وفتح الكاف، ويقال جبلة وجبل.[5]

اسی طرح آپ کے والد کا نام بھی مختلف فیہ ہے۔ جبل اور جبلہ دونوں مذکور ہے، تاہم ابن عبد البر نے "جبلہ" کو اصح مانا ہے[6]۔ اور اسی طرح ابن اثیر اور ابن خلکان نے بھی

---

1. فقہائے ہند، ص 61
2. اسد الغابہ، الترجمہ 1233، تاریخ ابن خلکان: 7/53
3. حکیم فاء کلمہ یعنی "حاء" کے فتحہ کے ساتھ بروزن کریم، رحیم اور نسیم بھی درست ہے اور حکیم "حاء" کلمہ کے ضمہ کے ساتھ بھی درست ہے یعنی تصغیر حکیم بروزن عبید، سہیل اور زبیر وغیرہ (وفیات الاعیان، 7/59)
4. الاصابہ: 2/181
5. تاریخ ابن خلکان: 7/59
6. الاستیعاب، 1/366

لکھا ہے یعنی حکیم بن جبلہ۔ ابن عبد البر نے لکھا ہے کہ مجھے کوئی راویت نہیں ملی جس سے آپ کی صحابیت ثابت ہوتی ہو، لیکن امام زرکلی نے آپ کو صحابی لکھا ہے [1]۔ آپؓ مدرک صحابی ہیں، یعنی آپ نے زمانہ رسول ﷺ پایا ضرور لیکن یہ معلوم نہ ہو سکا کہ آپ نے حیات طیبہ میں اسلام قبول کیا کہ وصال نبی ﷺ کے بعد۔ علامہ ابن اثیر لکھتے ہیں؛أدرك النَّبِيَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ولا أعلم له رواية ولا خبراً يدل عَلَى سماعه منه ولا رؤيته له. [2]

آپ سے کوئی بھی روایت منقول نہیں ہے۔ خلیفہ، بلاذری، طبری، ابن عبد البر، ابن اثیر، ابن کثیر، ابن حجر اور امام ذہبی سمیت سبھی نے لکھا ہے کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے عراق کے گورنر حضرت عبد اللہ بن عامر بن کریز رضی اللہ عنہ کو ایک مکتوب کے ذریعے حکم دیا کہ کسی دانا اور تجربہ کار آدمی کو ملک سندھ بھیج دیا جائے تاکہ وہاں جا کر مختلف علاقوں میں گھوم پھر کر حالات کا خوب جائزہ لے کر جب واپس آئے تو دربار خلافت آکر ہمیں اپنے تجربات و مشاہدات سے آگاہ کرلیں۔ چنانچہ حضرت عبد اللہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے حضرت حکیم کا انتخاب کیا اور آپؓ کو بسوئے سندھ روانہ کر دیا۔ آپؓ نے جا کر ملک سندھ کے حالات کا بخوبی مشاہدہ کیا اور اچھی طرح سے جائزہ لیا پھر واپس آکر دربار خلافت میں حاضر ہوئے۔ اور امیر المؤمنین حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش ہوئے۔ اور جب حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے آپؓ سے سندھ کا حال احوال دریافت کیا، تو آپؓ نے حضرت صحار عبدی رضی اللہ عنہ کی طرح ایک ہی جملہ میں ادبی

---

1. الاعلام، 2/286
2. اسد الغابہ، الترجمہ 1233

جواب دے دیا، کہنے لگے: ماؤهما وشل، وثمرها دفل ولصها بطل، إن قل الجيش فيها ضاعوا، وإن كثروا جاعوا، فقال له عُثْمَان: أخابر أم ساجع، قَالَ: بل خابر فلم يوجه عثمان رضي الله عنه إليها أحدًا، حتى قتل.[1]

جیسا پہلے عرض ہوا کہ ایسا ہی ایک مشاہداتی جواب اس سے پیشتر خلیفہ دوم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو حضرت صحار عبدی رضی اللہ عنہ نے دیا تھا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ یہ ایک ہی واقعہ ہو جسے بعض مؤرخین نے حضرت صحار رضی اللہ عنہ اور بعض نے حضرت حکم رضی اللہ عنہ سے منسوب کیا ہو۔ اب یا تو حضرت حکیم نے بھی حضرت صحار رضی اللہ عنہ کی پیروی کر کے ویسا ہی جواب دیا کیونکہ دونوں ایک ہی قبیلے سے تعلق رکھتے تھے، دونوں کا ملنا اور پھر حضرت حکیم کا اس ادبی جواب سے خبر دار ہونا کوئی بعید از قیاس بات نہیں بلکہ دونوں ہم عصر اور دونوں بصروی ہیں۔ کیونکہ اسی قسم کا جواب بعد 80ھ کے لگ بھگ میں حجاج بن یوسف کو اس کے استفسار پر حضرت ایوب بن زیدؒ نے بھی دیا تھا[2]۔ اور یا پھر یہ حضرت حکم کے اپنے الفاظ تھے۔ یعنی آپ، حضرت صحار کے بعد دوسرے سیاح ہیں جو سندھ آئے۔ خلیفہ بن خیاط نے لکھا ہے کہ آپ مکران اور سندھ کے پہلے قاضی مقرر ہوئے تھے[3]۔ اور عبد اللہ بن معمر، عمیر بن عثمان اور سعید بن کندیر رضی اللہ عنہم تینوں امراء کے دور میں یہاں کے قاضی رہے[4]۔

---

[1] فتوح البلدان: 1/416، اسد الغابہ: الترجمہ 1233

[2] وفیات الاعیان، 1/230۔ تعجب کی بات یہ کہ ایوب بن زید ہلالیؒ پڑھنا لکھنا نہیں جانتے تھے لیکن فصاحت وبلاغت میں اپنی مثال آپ تھے۔ کتابت کے لیے اپنے ساتھ ایک کاتب رکھتے تھے۔ سوئے قسمتی کہ حجاج بن یوسف نے انہیں 84ھ میں قتل کر دیا تھا۔ (وفیات الاعیان 1/232)

[3] تاریخ خلیفہ، 1/181

[4] بلوچستان میں صحابہ کرام، ص 104

آپ کے بارے میں ابن اثیر رحمہ اللہ نے جامع الفاظ میں جو لکھا ہے وہ ملاحظہ ہو:

ثم إنه أقام بالبصرة، فلما قدم إليها الزبير، وطلحة، مع عائشة رضي الله عنهم، وعليها عثمان بْن حنيف أميرًا لعلي رضي الله عنه، بعث عثمان بْن حنيف بْن جبلة في سبعمائة من عبد القيس، وبكر بْن وائل، فلقي طلحة، والزبير بالزابوقة قرب البصرة، فقاتلهم قتالًا شديدًا، فقتل، وقيل: إن طلحة والزبير لما قدما البصرة، استقر الحال بينهم وبين عثمان بْن حنيف، أن يكفوا عن القتال إِلَى أن يأتي علي، ثم إن عَبْد اللهِ بْن الزبير بيت عثمان رضي الله عنه، فأخرجه من القصر، فسمع حكيم، فخرج في سبعمائة من ربيعة فقاتلهم حتى أخرجهم من القصر، ولم يزل يقاتلهم حتى قطعت رجله، فأخذها وضرب بها الذي قطعها فقتله، ولم يزل يقاتل ورجله مقطوعة، وهو يقول: يا ساق لن تراعي إن معي ذراعي أحمى بها كراعي حتى نزفه الدم، فاتكأ عَلَى الرجل الذي قطع رجله، وهو قتيل، فقال له قائل: من فعل بك هذا؟ قال: وسادتي.فما رئي أشجع منه، ثم قتله سحيم الحداني.قال أَبُو عبيدة معمر بْن المثنى: ليس يعرف في جاهلية ولا إسلام رجل فعل مثل فعله.قال أَبُو عمر: ولقد فعل معاذ بْن عمرو بْن الجموح يَوْم بدر، لما قطعت يده من الساعد قريبًا من هذا.[1]

آپ کو جنگ جمل میں اس دن قتل کیا گیا جس دن حضرت مجاشع بن مسعود رضی اللہ عنہ قتل ہوئے، یعنی جمعہ کے دن 10 ذی الحج 36ھ کو آپ دونوں شہید ہوئے۔ خلیفہ بن خیاط لکھتے ہیں: معركة الْجمل:وفيهَا كَانَت وقْعَة الْجمل بِالْبَصْرَةِ بالزاوية نَاحيَة طف

---

[1] اسد الغابہ: الترجمہ 1233

الْبَصْرَة يَوْم الْجُمُعَة لعشر خلون من جُمَادَى الْآخِرَة سنة سِتّ وَثَلَاثِين حَدثنَا من سمع جوَيْرِيَة بنت أَسمَاء عَن يحيى بْن سعيد عَن عَمه أَن مَرْوَان رمى طَلْحَة بِسَهْم فَقتله وَانْحَدَرَ الزبير منصرفا فَقتل بوادي السبَاع قَتله عُمَيْر بْن جرموز الْمُجَاشِعِي وَفِي الْجمل الأولى قبل قدوم عَلِيّ قتل مجاشع بْن مَسْعُود السّلمِيّ وَحَكِيم بن جبلة الْعَبْدي.[1]

خلاصہ کلام یہ کہ آپ کے پیر کو جس نے تلوار سے کاٹا تھا، آپ نے اپنا وہی کٹا ہوا پیر اٹھا کر اسی سے اس مارنے والے شخص کو مار دیا، جس نے آپ کا پیر کاٹ دیا تھا۔ پھر اسی شخص پر تکیہ لگا کر بیٹھا رہا اور رجزیہ اشعار پڑھتا رہا۔ زیادہ خون بہنے کی وجہ سے نڈھال ہو گئے اور اسی مقتول شخص پر دراز ہو گئے۔ اس دوران کسی نے پوچھا کہ یہ آپ کا پیر کس نے کاٹا لیا ہے؟ آپ نے جوب دیا کہ میرے تکیہ نے۔ پھر اسی حالت میں قبیلہ بنو حدان کے تمیم حدانی نے آپ کو قتل کر دیا۔ کہا جاتا ہے کہ اس طرح کا واقعہ نہ تو اسلام کی تاریخ میں کہیں ملتا ہے اور نہ ہی زمانہ جاہلیت میں سوائے غزوہ بدر میں حضرت معاذ بن عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ کے واقعے کے، کہ انہوں نے اپنا ہاتھ جو کہ لٹک کر جہاد کرنے میں حائل ہو رہا تھا، اس پر پاؤں رکھ کر خود سے جدا کر دیا تھا اور ایک حضرت حکیم نے اپنا پاؤں ہاتھوں میں لے کر دوسرے کے سر پہ دے مارا۔

وفیات الاعیان میں اس کے برعکس واقعہ مذکور ہے کہ ایک دن حکیم بن جبلہ نے اپنی بیوی سے کہا جو قوم سے ازدی تھی، کہ میں آج تیری قوم کے ساتھ ایسا معاملہ کروں گا جو لوگوں میں یاد رہے گا۔ جواب میں بیوی نے کہا کہ مجھے ایسا لگتا ہے کہ میری قوم کے لوگ تیرے ساتھ وہ عمل کریں گے کہ تم خود لوگوں میں یادگار بنو گے۔

---

[1] تاریخ خلیفہ، 1/181

چنانچہ آپ کا سامنا سحیم نامی شخص سے ہوا جس نے ایسا وار کیا کہ آپ کا سر تن سے جدا ہو گیا، ابھی گردن کے پوست کے ساتھ لٹکا ہوا تھا کہ اس نے آپ کا سر پیچھے کی طرف گھما دیا یعنی آپ کا منہ پیچھے کی طرف ہو گیا[1]۔

الاستیعاب میں بھی اس طرح کا واقعہ لکھا گیا ہے تاہم اس میں آپ کا بیوی کے ساتھ مکالمہ موجود نہیں ہے۔ ابن عبد البر کا خیال ہے کہ آپؓ کے قتل کا یہ واقعہ جنگ جمل میں نہیں بلکہ اس سے قبل پیش آیا تھا[2]۔ حالانکہ ابن عبد البر کے علاوہ تمام مؤرخین اور اصحاب الرجال نے اس کو "جنگ جمل" کے واقعات میں لکھا ہے۔ جو بھی ہو آپؓ کے قتل کا واقعہ ایک اندوہناک اور دردناک حادثہ تھا جسے تقریباً تمام تر مؤرخین نے بھی کافی وقعت دی ہے۔

حضرت عبید اللہ بن معمر التیمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

آپؓ قریش کے قبیلہ تیم کے نامور فرد تھے، آپؓ کا شجرہ نسب امام ابن قانع نے یوں لکھا ہے؛ عُبَيْدُ اللهِ بْنُ مَعْمَرِ بْنِ عُثْمَانَ بْنِ عَمْرِو بْنِ كَعْبِ بْنِ سَعْدِ بْنِ تَيْمِ بْنِ مُرَّةَ القرشي التيمي.[3]

آپؓ مدینہ کے باسی تھے، آپؓ کی صحابیت کے بارے میں اختلاف ہے جیسا کہ ابو نعیم نے لکھا ہے، تاہم آپؓ سے حدیث مروی ہے؛ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ إِسْحَاقَ، قَالَ: ثنا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي عَاصِمٍ، ثنا إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْحَجَّاجِ، ثنا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ مَعْمَرٍ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ

---

[1] وفیات الاعیان، 1/230

[2] الاستیعاب، 1/366

[3] معجم الصحابہ: 2/178، الاستیعاب: 3/1013

وَسَلَّمَ قَالَ : مَا أُعْطِيَ أَهْلُ بَيْتِ الرِّفْقَ إِلَّا نَفَعَهُمْ، وَلَا مُنِعُوهُ إِلَّا ضَرَّهُمْ » رَوَاهُ هَارُونُ بْنُ عَبْدِ اللهِ عَنْ ، سُلَيْمَانَ بْنِ حَرْبٍ عَنْ ، حَمَّادٍ مِثْلَهُ. (1)

آپ رضی اللہ عنہ صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھے کیونکہ آپ رضی اللہ عنہ گرچہ اس وقت کم عمر تھے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا لیکن آپ رضی اللہ عنہ کو صحابیت کا شرف بہرحال حاصل ہے۔ بلکہ آپؓ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت بھی کرتے ہیں۔ عروہ بن زبیرؒ اور امام محمد بن سیرینؒ جیسے جلیل القدر تابعین اور اعلیٰ درجے کے محدثین، آپ رضی اللہ عنہ کے شاگرد ہیں۔ (2)

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آپ رضی اللہ عنہ نے عصر النبی صلی اللہ علیہ وسلم پایا تھا اور؛

ويدل على إدراكه عصر النبيّ صلى الله عليه وسلّم، وهو مميّز، ما أخرجه الزبير بن بكار عن عثمان بن عبد الرحمن أنّ عبيد الله بن معمر، وعبد الله بن عامر بن كريز، اشتريا من عمر بن الخطاب رقيقا من سبي، ففضل عليهما من ثمنهم ثمانون ألف درهم، فأمر بهما عمر فلزما بهما، فقضى بينهما طلحة بن عبيد الله. وتناقض فيه أبو عمر فقال: وهم من قال له صحبة، وإنما له رؤية، ثم ذكر أيضا أنه قتل وهو ابن أربعين سنة. (3)

آپؓ بڑے شجاع اور دور اندیش انسان تھے۔ آپؓ اصطخر، خراسان اور فارس کی جنگوں میں شرکت کی اور داد شجاعت دی۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں آپؓ کو فوج کا ایک دستہ دے کر مکران بھیجا گیا، جہاں آپؓ نے اپنی بہادری کے

---

(1) معرفۃ الصحابہ، 4/1876

(2) معجم الصحابہ: 2/178

(3) الاصابہ، 5333

جوہر دکھا کر فتوحات حاصل کیے [1]۔ ازاں بعد آپؓ کو ان مفتوحہ علاقوں کی امارت سونپی گئی۔ آپؓ بصرہ کے بھی والی رہ چکے تھے [2]۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ نے اصطخر کی مہم کے لیے اپنے بھائی کا انتخاب کیا تھا اور انہوں نے وہاں کافی جنگ بھی لڑی تھی لیکن جونہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی جگہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تو انہوں نے حضرت حکم رضی اللہ عنہ کی جگہ حضرت عبید اللہ بن معمر رضی اللہ عنہ کو یہ ذمہ داری سپرد کی۔ امام ابن اثیر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: وَمَاتَ عُمَرُ. وَبَعَثَ عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ عُبَيْدَ اللهِ بْنَ مَعْمَرٍ مَكَانَهُ، فَبَلَغَ عُبَيْدَ اللهِ أَنَّ أَرْزَنْبَانَ يُرِيدُ الْغَدْرَ بِهِ، فَقَالَ لَهُ: أُحِبُّ أَنْ تَتَّخِذَ لِأَصْحَابِي طَعَامًا وَتَذْبَحَ لَهُمْ بَقَرَةً وَتَجْعَلَ عِظَامَهَا فِي الْجَفْنَةِ الَّتِي تَلِينِي فَإِنِّي أُحِبُّ أَنْ أَتَمَشَّشَ الْعِظَامَ، فَفَعَلَ وَجَعَلَ يَأْخُذُ الْعَظْمَ الَّذِي لَا يُكْسَرُ إِلَّا بِالْفُؤُوسِ فَيَكْسِرُهُ بِيَدِهِ وَيَأْخُذُ مُخَّهُ، وَكَانَ مِنْ أَشَدِّ النَّاسِ، فَقَامَ أَرْزَنْبَانُ فَأَخَذَ بِرِجْلِهِ وَقَالَ: هَذَا مَقَامُ الْعَائِذِ بِكَ! فَأَعْطَاهُ عَهْدًا. وَأَصَابَ عُبَيْدَ اللهِ مَنْجَنِيقٌ فَأَوْصَاهُمْ وَقَالَ: إِنَّكُمْ سَتَفْتَحُونَ هَذِهِ الْمَدِينَةَ إِنْ شَاءَ اللهُ فَاقْتُلُوهُمْ بِي سَاعَةً فِيهَا، فَفَعَلُوا، فَقَتَلُوا مِنْهُمْ بَشَرًا كَثِيرًا، وَمَاتَ عُبَيْدُ اللهِ بْنُ مَعْمَرٍ. وَقِيلَ: إِنَّ قَتْلَهُ كَانَ سَنَةَ تِسْعٍ وَعِشْرِينَ. [3]

آپؓ نے ایک روایت کے مطابق اصطخر کے مقام پر 27 ھ میں شہادت پائی [4]، اور دوسری روایت کے مطابق مکران میں جام شہادت نوش کیا [5]۔ آپؓ کی کل عمر چونکہ

---

[1] تاریخ طبری، 4/ 264

[2] الاخبار الطوال؛ 1/ 310، التاریخ الکبیر للبخاری؛ ت 1286

[3] الکامل فی التاریخ، 2/ 421

[4] التاریخ الاوسط للبخاری، 1/ 69

[5] العقد الثمین، ص 75

40 برس تھی اس لیے کہا جاتا ہے کہ آپؓ نے 13 سال رسول اللہ ﷺ کی معیت میں گزار کر صحابیت کا درجہ پا لیا تھا۔ آپ بہت بڑے شاعر تھے۔ ایک بار حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا

إذا أنت لم ترخ الإزار تكرّما　　على الكلمة العوراء من كلّ جانب

فمن ذا الّذي نرجو لحقن دمائنا　　ومن الّذي نرجو لحمل النّوائب [1]

آپؓ نے مکران فتح کیا تھا اور پھر یہیں پر 27ھ میں ایک معرکہ کے دوران شہید ہوئے۔ [2]

حضرت عمیر بن سعد انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

آپؓ کا نام عمیر بن سعد اوسی انصاری ہیں۔ البتہ امام طبری نے آپؓ کا نام غلطی سے عمیر بن عثمان بن سعد لکھا ہے [3]۔ جو ان کے علاوہ کسی نے بھی نہیں لکھا ہے گویا طبری اس میں متفرد ہیں۔ لیکن میرے خیال میں یہ غلطی سے لکھا گیا ہے کیونکہ پھر خود ہی تیسرے اور چوتھے جلد میں عمیر بن سعد انصاری تحریر فرماتے ہیں۔ کسی دوسرے صحابی کا ہونا امکان تو ضرور رکھتا ہے لیکن اس پر کسی بھی صحابی کا تذکرہ کسی نے بھی نہیں کیا ہے۔ ہاں البتہ اس نام سے موسوم تین محدثین ضرور گزرے ہیں۔ ایک عمیر بن عثمان اصبہانی [4]، دوم عمیر بن عثمان مروزی [5] اور تیسرے عمیر بن

---

[1] وأورد له المرزباني في معجم الشعراء 1/264

[2] آپ رضی اللہ عنہ کے بیٹے حضرت عمر بن عبید اللہ بن معمر تیمیؒ نے شہر ارمابیل کے قریب خاشک (خواش) کے مقام پر ایک مسجد تعمیر کی تھی جو مدتوں تک یہاں قائم رہی۔ (بلوچستان میں عربوں کی فتوحات اور ان کی حکومتیں، ص102)

[3] تاریخ طبری؛4/265

[4] تاریخ اصبہان لابی نعیم اصبہانی، 1/422

[5] تاریخ بغداد لخطیب بغدادی، 4/130

عثمان بن ابان [1]۔ تاہم آپؓ کے شجرہ نسب میں بڑا اختلاف پایا جاتا ہے۔ امام ابن اثیرؒ نے اپنی شہرہ آفاق کتاب اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ میں اسکی پوری تفصیل یوں لکھی ہے؛عمير بْن سعد بْن عُبَيْد بْن النعمان بْن قيس بْن عَمْرو بْن عوف قاله أَبُو نعيم، عَنِ الواقدي.وقَالَ أَبُو نعيم: وقيل: عمير بْن سعد بْن شهيد بْن عَمْرو بْن زَيْد بْن أمية بْن زَيْد الْأَنْصَارِيّ، وهكذا نسبه ابْن منده، ولم يذكر النسب الأول، وهو الَّذِي يُقال لَهُ: نسيج وحده نزل فلسطين.

وقَالَ ابْن الكلبي: سعد بْن عُبَيْد بْن قيس بْن عَمْرو بْن زَيْد بْن أمية، شهد بدرًا، ثُمَّ قَالَ بعده: وعمير بْن سعد بْن شهيد بْن عَمْرو بْن زَيْد بْن أمية بْن زَيْد بْن مَالِك بْن عوف بْن عَمْرو بْن عوف بْن زَيْد بْن مَالِك بْن الأوس الْأَنْصَارِيّ الأوسي، بعثه عُمَر بْن الخطاب عَلَى جيش إِلَى الشام، فجعل ابْن الكلبي سعد بْن عُبَيْد بْن قيس بْن عَمْرو بْن زَيْد غير سعد والد عمير بْن سعد بْن شهيد بْن عَمْرو بْن زَيْد بْن أمية، جعلهما يجتمعان فِي عَمْرو بْن زَيْد.وكان عمير من فضلاء الصحابة، وزهادهم.وقَالَ ابْن منده: عمير بْن سَعِيد بْن شهيد بْن عَمْرو بْن زَيْد بْن أمية الْأَنْصَارِيّ، يُقَالُ له: نسيج وحده، نزل فلسطين، ومات بها. [2]

آپؓ کے والد حضرت سعد بدری صحابی اور قرآن کے مایہ ناز قاری تھے اور جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کے دور میں قرآن جمع اور حفظ کرنے کی سعادت بھی

---

[1] مصباح الاریب فی تقریب للعنسی، 4/125

[2] اسد الغابہ، ت 4076

حاصل کی تھی [1]۔ حضرت سعد انصاریؓ 15ھ میں بعمر 64 سال جنگ قادسیہ میں شہید ہوئے [2]۔ قاضی محمد سلیمانؒ نے آپؓ کا شجرہ نسب یوں لکھا ہے؛ عمیر بن سعد بن نعمان بن قیس بن عمرو بن زید بن امیہ بن ضبیعہ بن زید بن مالک بن عوف بن عمرہ بن عوف [3]

آپؓ راوی حدیث بھی ہیں۔ امام بخاری نے آپؓ سے ایک روایت نقل کی ہے، جو یہاں درج کی جاتی ہے؛ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عِمْرَان بْنِ أَبِي لَيْلَى، قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَن بْنُ مُحَمَّدِ الأَنْصَارِيَّ الْمَدَنِيُّ، عَنْ عَبْدِ الْحَمِيْد بْنِ أَبِي جَعْفَرعَنِ الْحَسَنِ، قَالَ: اسْتَعْمَلَ عُمَر بْنُ الْخَطَّاب عُمَيْر بْنَ سَعْدِ الأَنْصَارِيَّ فَذَكَرَ حَدِيْثًا طَوِيْلاً، قَالَ فِيهِ: قَالَ: عُمَيْر بْنُ سَعْدِ سَمِعْتُ رسولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: أَنَا خَصْمُ الْيَتِيمِ وَالْمُعَاهَدِ وَمَنْ أَكُنْ خَصْمَهُ أَخْصِمُهُ. [4]

آپؓ کے گوناگوں صفات کو دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے؛

وَدِدْتُ أَنَّ لِيَ رَجُلًا مِثْلَ عُمَيْرٍ أَسْتَعِينُ بِهِ فِي أَعْمَالِ الْمُسْلِمِينَ. [5]

یعنی کاش مجھے عمیر جیسا آدمی مل جاتا جس سے میں امارت کا کام لے سکتا۔

آپؓ کا شمار عباد و زہاد صحابہ میں سے ہوتا ہے [6]۔ حضرت عمرؓ نے ایک بار آپؓ کو

---

1. معرفۃ الصحابہ لابی نعیم، 4/2086
2. قاضی محمد سلیمان سلمان پوری، اصحاب بدر، مشتاق بک کارنر لاہور، س ط ن، ص 134
3. ایضاً
4. التاریخ الکبیر للبخاری، 1/384
5. طبقات ابن سعد، 4/374
6. معرفۃ الصحابہ لابی نعیم، 4/2086

اسلامی لشکر کا سپہ سالار بنا کر شام کی طرف بھیجا تھا[1]۔ اور آپؓ کو شام کا والی مقرر کر دیا تھا[2]۔ بعد ازاں خلیفہ دوم حضرت عمرؓ نے آپؓ کو حمص کی امارت بھی سونپی تھی[3]۔ حمص میں آپؓ کی خطابت سننے کے لیے لوگ جوق در جوق آ کر بے تاب رہتے تھے اور دوران خطابت ہمہ تن گوش ہو کر ایک ایک لفظ کو قلب و دماغ میں محفوظ کر لیتے تھے۔ آپؓ جہاد بالسیف اور جہاد باللسان دونوں کے شاہسوار تھے اور ہمیشہ دونوں شعبوں میں مصروف عمل رہتے تھے۔

آپؓ کی ان ہی ممتاز خاصیات کو دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ کاش! مجھے عمیر جیسا کوئی دوسرا مل جائے جو مسلمانوں کے مختلف انتظامی معاملات میں میرا ہاتھ بٹا سکے! اصل میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس قول کے پیچھے ایک اہم اور طویل واقعہ ہے جسے حضرت امام اسماعیل بن محمد اصبہانی (م 535ھ) نے اپنی کتاب ''سیر سلف الصالحین'' میں ذکر کیا ہے جس سے آپؓ کی زہد و قناعت عیاں ہو جاتی ہے؛

قِيلَ: وَلِيَ لِعُمَرَ عَلَى حِمْصَ سَنَةً، ثُمَّ أَشْخَصَهُ فَقَدِمَ عَلَيْهِ الْمَدِينَةَ، فَجَدَّدَ عَهْدَهُ فَامْتَنَعَ عَلَيْهِ وَأَبَى أَنْ يَلِيَ لَهُ أَوْ لِأَحَدٍ بَعْدَهُ.وَكَانَ عُمَرُ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يَقُولُ: وَدِدْتُ أَنْ لِي رَجُلًا مِثْلَ عُمَيْرٍ أَسْتَعِينُ بِهِ فِي أَعْمَالِ الْمُسْلِمِينَ.رُوِيَ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ هَارُونَ بْنِ عَنْتَرَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ، أَنَّ عُمَيْرَ بْنَ سَعْدٍ الْأَنْصَارِيَّ، رَضِيَ اللهُ عَنْهُ بَعَثَهُ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَامِلًا عَلَى حِمْصَ، فَمَكَثَ حَوْلًا لَا يَأْتِيهِ خَبَرُهُ، فَقَالَ عُمَرُ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ لِكَاتِبِهِ: اكْتُبْ

---

[1] تاریخ طبری، 3/ 408

[2] اصحاب بدر، ص 134

[3] معرفۃ الصحابہ لابی نعیم، 4/ 2086

إِلَى عُمَيْرٍ، فَوَاللهِ مَا أَرَاهُ إِلَّا خَانَنَا: إِذَا جَاءَكَ كِتَابِي هَذَا فَأَقْبِلْ، وَأَقْبِلْ بِمَا جَبَيْتَ مِنْ فَيْءِ الْمُسْلِمِينَ حِينَ تَنْظُرُ فِي كِتَابِي هَذَا، قَالَ: فَأَخَذَ عُمَيْرٌ جِرَابَهُ فَجَعَلَ فِيهِ رِدَاءَهُ وَقَصْعَةً، وَأَخَذَ عَنَزَتَهُ، ثُمَّ أَقْبَلَ يَمْشِي مِنْ حِمْصَ حَتَّى دَخَلَ الْمَدِينَةَ، فَقَدِمَ وَقَدْ شَحُبَ لَوْنُهُ، وَاغْبَرَّ وَجْهُهُ، وَطَالَتْ شَعْرَتُهُ، فَدَخَلَ عَلَى عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، وَقَالَ: السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ، فَقَالَ عُمَرُ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: مَا شَأْنُكَ؟ فَقَالَ عُمَيْرٌ: مَا تَرَى مِنْ شَأْنِي، أَلَسْتَ تَرَانِي صَحِيحَ الْبَدَنِ، ظَاهِرَ الدَّمِ، مَعِي الدُّنْيَا أَجُرُّهَا بِقَرْنِهَا؟ قَالَ: وَمَا مَعَكَ؟ فَظَنَّ عُمَرُ أَنَّهُ قَدْ جَاءَ بِمَالٍ، فَقَالَ: مَعِي جِرَابِي أَجْعَلُ فِيهِ زَادِي، وَقَصْعَتِي آكُلُ فِيهَا وَأَغْسِلُ فِيهَا رَأْسِي وَثِيَابِي، وَإِدَاوَتِي أَحْمِلُ فِيهَا وَضُوئِي وَشَرَابِي، وَعَنَزَتِي أَتَوَكَّأُ عَلَيْهَا وَأُجَاهِدُ بِهَا عَدُوًّا إِنْ عَرَضَ لِي، فَوَاللهِ مَا الدُّنْيَا إِلَّا تَبَعٌ لِمَتَاعِي.قَالَ عُمَرُ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: فَجِئْتَ تَمْشِي؟ قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: أَمَا كَانَ لَكَ أَحَدٌ يَتَبَرَّعُ لَكَ بِدَابَّةٍ تَرْكَبُهَا؟ قَالَ: مَا فَعَلُوا وَمَا سَأَلْتُهُمْ ذَلِكَ، فَقَالَ عُمَرُ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: بِئْسَ الْمُسْلِمُونَ خَرَجْتَ مِنْ عِنْدِهِمْ، فَقَالَ لَهُ عُمَيْرٌ: اتَّقِ اللهَ يَا عُمَرُ، قَدْ نَهَاكَ اللهُ عَنِ الْغِيبَةِ، وَقَدْ رَأَيْتُهُمْ يُصَلُّونَ صَلَاةَ الْغَدَاةِ، قَالَ عُمَرُ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: وَلَئِنْ بَعَثْتُكَ، وَأَيُّ شَيْءٍ صَنَعْتَ؟ قَالَ: وَمَا سُؤَالُكَ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ؟ فَقَالَ عُمَرُ: سُبْحَانَ اللهِ، فَقَالَ عُمَيْرٌ: لَوْلَا أَنِّي أَخْشَى أَنْ أَغُمَّكَ مَا أَخْبَرْتُكَ، بَعَثْتَنِي حَتَّى أَتَيْتُ الْبَلَدَ، فَجَمَعْتُ صُلَحَاءَ أَهْلِهَا فَوَلَّيْتُهُمْ جِبَايَةَ فَيْئِهِمْ حَتَّى إِذَا جَمَعُوهُ وَضَعْتُهُ مَوَاضِعَهُ، وَلَوْ نَالَكَ مِنْهُ شَيْءٌ لَآتَيْتُكَ بِهِ، قَالَ: فَمَا جِئْتَنَا بِشَيْءٍ؟ قَالَ: لَا، قَالَ: جَدِّدُوا لِعُمَيْرٍ عَهْدًا، فَقَالَ: إِنَّ ذَلِكَ لَشَيْءٌ مَا عَمِلْتُ لَكَ، وَلَا لِأَحَدٍ بَعْدَكَ، وَاللهِ مَا سَلِمْتُ بَلْ لَمْ أَسْلَمْ، لَقَدْ قُلْتُ

لِنَصْرَانِيٍّ: أَخْزَاكَ اللهُ! ! فَهَذَا مَا عَرَّضْتَنِي لَهُ يَا عُمَرُ، وَإِنَّ أَشْقَى أَيَّامِي يَوْمَ خُلِّفْتُ مَعَكَ يَا عُمَرُ، وَاسْتَأْذَنَهُ فَأَذِنَ لَهُ، فَرَجَعَ إِلَى مَنْزِلِهِ وَبَيْنَهُ وَبَيْنَ الْمَدِينَةِ أَمْيَالٌ، فَقَالَ عُمَرُ حِينَ انْصَرَفَ عُمَيْرٌ: مَا أَرَاهُ إِلَّا قَدْ خَانَنَا، فَبَعَثَ إِلَيْهِ رَجُلًا يُقَالُ لَهُ: الْحَارِثُ، وَأَعْطَاهُ مِائَةَ دِينَارٍ، وَقَالَ لَهُ: انْطَلِقْ إِلَى عُمَيْرٍ حَتَّى تَنْزِلَ بِهِ كَأَنَّكَ ضَيْفٌ فَإِنْ رَأَيْتَ أَثَرَ شَيْءٍ فَأَقْبِلْ، وَإِنْ رَأَيْتَ حَالًا شَدِيدًا فَادْفَعْ هَذِهِ الْمِائَةَ الدِّينَارِ إِلَيْهِ، فَانْطَلَقَ الْحَارِثُ، فَإِذَا هُوَ بِعُمَيْرٍ جَالِسٌ يُفَلِّي قَمِيصَهُ إِلَى جَنْبِ الْحَائِطِ، فَسَلَّمَ عَلَيْهِ الرَّجُلُ،فَقَالَ لَهُ عُمَيْرٌ: انْزِلْ رَحِمَكَ اللهُ فَنَزَلَ، ثُمَّ سَأَلَهُ فَقَالَ: مِنْ أَيْنَ جِئْتَ؟ قَالَ: مِنَ الْمَدِينَةِ، فَقَالَ: كَيْفَ تَرَكْتَ أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ؟ قَالَ: صَالِحًا، قَالَ: كَيْفَ تَرَكْتَ الْمُسْلِمِينَ؟ قَالَ: صَالِحِينَ، قَالَ: أَلَيْسَ يُقِيمُ الْحَدَّ؟ قَالَ: بَلَى، ضَرَبَ ابْنًا لَهُ أَتَى فَاحِشَةً فَمَاتَ مِنْ ضَرْبِهِ، فَقَالَ عُمَيْرٌ: اللَّهُمَّ أَعِنْهُ، فَإِنِّي لَا أَعْلَمُهُ إِلَّا شَدِيدًا حُبُّهُ لَكَ، قَالَ: فَنَزَلَ بِهِ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ، وَلَيْسَ لَهُمْ إِلَّا قُرَاضَةٌ مِنْ شَعِيرٍ كَانُوا يَخُصُّونَهُ بِهَا وَيَطْوُونَ حَتَّى أَتَاهُمُ الْجَهْدُ، فَقَالَ لَهُ عُمَيْرٌ: إِنَّكَ قَدْ أَجَعْتَنَا، فَإِنْ رَأَيْتَ أَنْ تَتَحَوَّلَ عَنَّا فَافْعَلْ، قَالَ: فَأَخْرَجَ الدَّنَانِيرَ فَدَفَعَهَا إِلَيْهِ، وَقَالَ: بَعَثَ بِهَا أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ إِلَيْكَ، فَاسْتَعِنْ بِهَا، فَصَاحَ وَقَالَ: لَا حَاجَةَ لِي فِيهَا رُدَّهَا، فَقَالَتْ لَهُ امْرَأَتُهُ: إِنِ احْتَجْتَ إِلَيْهَا وَإِلَّا فَضَعْهَا مَوَاضِعَهَا، فَقَالَ لَهَا عُمَيْرٌ: وَاللهِ، مَالِي شَيْءٌ أَجْعَلُهَا فِيهِ، فَشَقَّتِ امْرَأَتُهُ أَسْفَلَ دِرْعِهَا فَأَعْطَتْهُ خِرْقَةً فَجَعَلَهَا فِيهَا، ثُمَّ خَرَجَ فَقَسَّمَهَا بَيْنَ أَبْنَاءِ الشُّهَدَاءِ، وَالْفُقَرَاءِ، ثُمَّ رَجَعَ وَالرَّسُولُ يَظُنُّ أَنَّهُ يُعْطِيهِ مِنْهَا شَيْئًا، فَقَالَ لَهُ عُمَيْرٌ: أَقْرِأْ مِنِّي أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ السَّلَامَ، فَرَجَعَ الْحَارِثُ إِلَى عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، فَقَالَ: مَا رَأَيْتَ؟ قَالَ: رَأَيْتُ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ حَالًا شَدِيدًا، قَالَ: فَمَا

صَنَعَ بِالدَّنَانِيرِ؟ قَالَ: لَا أَدْرِي، فَكَتَبَ إِلَيْهِ عُمَرُ: إِذَا جَاءَكَ كِتَابِي هَذَا فَلَا تَضَعْهُ مِنْ يَدِكَ حَتَّى تُقْبِلَ، قَالَ: فَأَقْبَلَ إِلَى عُمَرَ فَدَخَلَ عَلَيْهِ، فَقَالَ لَهُ عُمَرُ: مَا صَنَعْتَ بِالدَّنَانِيرِ؟ قَالَ: صَنَعْتُ مَا صَنَعْتُ وَمَا سُؤَالُكَ عَنْهَا؟قَالَ: أُشْهِدُ عَلَيْكَ لِتُخْبِرَنِي مَا صَنَعْتَ بِهَا.قَالَ: قَدَّمْتُهَا لِنَفْسِي، قَالَ: رَحِمَكَ اللهُ، وَأَمَرَ لَهُ بِوَسَقٍ مِنْ طَعَامٍ وَثَوْبَيْنِ، فَقَالَ: أَمَّا الطَّعَامُ فَلَا حَاجَةَ لِي فِيهِ، وَقَدْ تَرَكْتُ فِي الْمَنْزِلِ صَاعَيْنِ مِنْ شَعِيرٍ إِلَى أَنْ آكُلَ ذَلِكَ، وَقَدْ جَاءَ اللهُ بِالرِّزْقِ، وَلَمْ يَأْخُذِ الطَّعَامَ، وَأَمَّا الثَّوْبَانِ، فَقَالَ: إِنَّ أُمَّ فُلَانٍ عَارِيَةٌ فَأَخَذَهُمَا وَرَجَعَ إِلَى مَنْزِلِهِ، فَلَمْ يَلْبَثْ أَنْ هَلَكَ، رَحِمَهُ اللهُ، فَبَلَغَ ذَلِكَ عُمَرَ فَشَقَّ عَلَيْهِ وَتَرَحَّمَ عَلَيْهِ، فَخَرَجَ يَمْشِي، وَمَعَهُ الْمَشَّاءُونَ إِلَى بَقِيعِ الْغَرْقَدِ، فَقَالَ لِأَصْحَابِهِ: لِيَتَمَنَّ كُلُّ رَجُلٍ مِنْكُمْ أُمْنِيَةً.فَقَالَ رَجُلٌ: وَدِدْتُ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ أَنَّ عِنْدِي مَالًا، فَأَعْتِقُ لِوَجْهِ اللهِ تَعَالَى كَذَا وَكَذَا، وَقَالَ آخَرُ: وَدِدْتُ لَوْ أَنَّ عِنْدِي مَالًا فَأُنْفِقُ فِي سَبِيلِ اللهِ، وَقَالَ آخَرُ: وَدِدْتُ لَوْ أَنَّ لِي قُوَّةً فَأَمْتَحُ بِدَلْوِ زَمْزَمَ لِحُجَّاجِ بَيْتِ اللهِ، وَقَالَ عُمَرُ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: وَدِدْتُ أَنَّ لِي رَجُلًا مِثْلَ عُمَيْرِ بْنِ سَعْدٍ أَسْتَعِينُ بِهِ فِي أَعْمَالِ الْمُسْلِمِينَ.[1]

آپؓ نے 20ھ میں ایک خون آشام لڑائی لڑنے کے بعد مسلمانوں کو عین الوردہ پر قبضہ دلایا تھا[2]۔ 21ھ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپؓ کو بلادروم کی طرف جہاد کی غرض سے روانہ کیا[3]۔ اور 23ھ میں آپؓ کو خراسان کی طرف بھیجا گیا۔ حضرت

---

[1] سیر سلف الصالحین لاسماعیل بن محمد اصبہانی، 1/ 602-604

[2] فتوح البلدان، 1/ 174

[3] ایضاً، 1/ 138

عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جب خلیفہ بنے تو انہوں نے چار سال بعد یعنی 28ھ یا 29ھ میں آپؓ کی قابلیت کو دیکھ کر امارت مکران پر فائز کر کے آپؓ کو بسوئے مکران روانہ کیا[1]۔

آپؓ نے جنگ اجنادین میں بھی کمال بہادری دکھائی تھی[2]۔ آپؓ ایک طویل عرصہ تک شام اور اردن کے امیر رہے۔ شام میں طویل عرصہ رہنے کی وجہ سے آپؓ شامی کہلانے لگے[3]۔ شام کے معرکوں میں آپؓ نے حصہ لیا[4]۔ آپؓ ہی کی کوششوں سے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے ابتدائی دور میں شام اور جزیرہ کے عوام آپؓ کی وجہ سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں دستبردار ہوئے۔ یہ آپؓ ہی کا کارنامہ تھا کہ ان کو جمع کر کے کسی قسم کی اندرونی خلفشار سے بچائے رکھا[5]۔ آخر عمر میں آپؓ انبیاء کی سرزمین فلسطین میں جاکر آباد ہوئے اور وہیں پر وفات پائی[6]۔ تاہم ڈاکٹر داؤد شاہ بلوچ نے ابن اثیر کے حوالے سے لکھا ہے کہ آپ کو خلیفہ دوم حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے امیر بنا کر شام بھیجا تھا جہاں آپ نے وفات پائی۔[7]

---

[1] تاریخ طبری، 4/ 289، تاریخ اوسط للبخاری، 1/ 384

[2] تاریخ طبری، 3/ 415

[3] الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم 6/ 376

[4] تاریخ دمشق لابن عساکر، 2/ 85

[5] فتوح البلدان، 1/ 184

[6] اسد الغابہ، ت 4076

[7] ڈاکٹر داؤد شاہ بلوچ، بارہویں صدی ہجری کے آخر تک بلوچستان میں مشہور ماہرین و خادمین حدیث کا اجمالی تذکرہ، مجلہ "الولی"، جنوری و فروری 2000ء، ص 31

حضرت مجاشع بن مسعود سلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

عربی ادبیات سے دلچسپی رکھنے والے حضرات، عرب کے مشہور شاعر امرؤ القیس کے نام سے بخوبی واقف ہیں۔ جس کا عربی ادب کی مایہ ناز کتاب سبع معلقات میں سے ایک معلقہ ہے اور اس کی ادبی و شاعری فوقیت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ ان ساتھ معلقوں میں امرؤالقیس کا معلقہ سب سے پہلے ہے۔ لہٰذا حضرت مجاشع بن مسعد سلمی رضی اللہ عنہ عرب کے مشہور شاعر امرؤالقیس کی نسل میں سے ہیں۔ آپؓ کا شجرہ نسب یہ ہے؛

مُجَاشِعُ بْنُ مَسْعُودِ بْنِ ثَعْلَبَةَ بْنِ وُهَيْبِ بْنِ عَائِذِ بْنِ رَبِيعَةَ بْنِ يَرْبُوعِ بْنِ سَمَّالِ بْنِ عَوْفِ بْنِ امْرِئِ الْقَيْسِ بْنِ بَهْثَةَ بْنِ سُلَيْمٍ. [1]

آپؓ ایک بار اپنے بھائی مجالد کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم دونوں بھائی ہجرت پر بیعت کرنا چاہتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہجرت تو فتح مکہ کے ساتھ ہی ختم ہوگئی ہے۔ پھر آپؓ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! پھر ہم کس چیز میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت ہو جائیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسلام اور جہاد پر۔ اس پر دونوں بھائیوں نے پھر بیعت کیا۔ راوی ابو عثمان النہدی فرماتے ہیں کہ میں نے جب مجالد بن مسعود [2] سے پوچھا تو اس نے کہا کہ مجاشع نے درست کہا ہے [3]۔ یہ روایت امام بخاری

---

[1] طبقات ابن سعد، 7/30

[2] آپ کے یہی بھائی حضرت مجالد بن مسعود رضی اللہ عنہ 36ھ میں لڑی جانے والی جنگ جمل میں شہید ہو گئے تھے۔ (التاریخ الکبیر للبخاری: ت 1947)

[3] ایضاً، 7/30

نے اپنی کتاب صحیح بخاری میں مجالد کے بجائے ابو معبد کے نام کے ساتھ درج کی ہے تاہم آخر میں دوسری روایت کا بھی ذکر کیا ہے کہ ایک روایت میں ان کے بھائی ہیں۔

روایت یہ ہے؛حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ أَبِي بَكْرٍ، حَدَّثَنَا الفُضَيْلُ بْنُ سُلَيْمَانَ، حَدَّثَنَا عَاصِمٌ، عَنْ أَبِي عُثْمَانَ النَّهْدِيِّ، عَنْ مُجَاشِعِ بْنِ مَسْعُودٍ، انْطَلَقْتُ بِأَبِي مَعْبَدٍ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِيُبَايِعَهُ عَلَى الهِجْرَةِ قَالَ: مَضَتِ الهِجْرَةُ لِأَهْلِهَا، أُبَايِعُهُ عَلَى الإِسْلاَمِ وَالجِهَادِ فَلَقِيتُ أَبَا مَعْبَدٍ فَسَأَلْتُهُ فَقَالَ: صَدَقَ مُجَاشِعٌ وَقَالَ خَالِدٌ، عَنْ أَبِي عُثْمَانَ، عَنْ مُجَاشِعٍ، أَنَّهُ جَاءَ بِأَخِيهِ مُجَالِدٍ. [1]

یہی روایت امام مسلم نے صحیح مسلم میں حدیث نمبر 1863 کے تحت لکھی ہے تاہم اس میں اسلام اور جہاد کے ساتھ تیسرا لفظ خیر کا بھی ہے اور امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ روایت یوں ذکر کی ہے؛

لَا بَلْ يُبَايِعُ عَلَى الْإِسْلَامِ فَإِنَّهُ لَا هِجْرَةَ بَعْدَ الْفَتْحِ ا وَيَكُونُ مِنَ التَّابِعِينَ بِإِحْسَانٍ. [2]

---

[1] امام بخاری، الصحیح البخاری، 5/152، حدیث نمبر 4307

وأخرجه ابنُ سعد7/ 30،وابن أبي شيبة14/ 500،وابن أبي عاصم في "الآحاد والمثاني" (1406)،والبخاري(2962،2963)،ومسلم (1863) (84) من طريق محمد بن فضيل، وأخرجه البخاري (4307، 4308) من طريق الفضيل بن سليمان، ومسلم (1863)(84)،والبيهقي في "السنن"9/ 16من طريق علي بن مسهر،والطبراني في "الكبير"20/ (767) من طريق عمرو بن أبي قيس، أربعتهم عن عاصم الأحول، بهذا الإسناد.غير أن علي،والطحاوي في "شرح مشكل الآثار" (2618) و (2619)، والطبراني في "الكبير" 20/ (768) من طرقٍ عن شيبان، بهذا الإسناد وسيكرر برقم (15849).

[2] شرح مشکل الآثار، 7/32

امام ابو داوٗدؒ نے ایک اور روایت ذکر کی ہے؛حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، حَدَّثَنَا الثَّوْرِيُّ، عَنْ عَاصِمِ بْنِ كُلَيْبٍ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: كُنَّا مَعَ رَجُلٍ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُقَالُ لَهُ: مُجَاشِعٌ مِنْ بَنِي سُلَيْمٍ فَعَزَّتِ الْغَنَمُ، فَأَمَرَ مُنَادِيًا فَنَادَى أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُولُ: «إِنَّ الْجَذَعَ يُوَفِّي مِمَّا يُوَفِّي مِنْهُ الثَّنِيُّ» قَالَ أَبُو دَاوُدَ: «وَهُوَ مُجَاشِعُ بْنُ مَسْعُودٍ» [1]

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ آپؓ کی ایک بیوی تھی جس کا نام خضیراء تھا، آپؓ اس سے بے حد محبت کرتے تھے اور آپ ان دنوں بصرہ کے امیر تھے، یہ بات حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو پہنچی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپکو ایک تہدید آمیز خط لکھ کر بھیج دیا۔

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک اور روایت بھی آپ سے نقل کی ہے؛

أَخْبَرَنَا عَلِيُّ بْنُ أَحْمَدَ بْنِ عَبْدَانَ، أنبأ أَحْمَدُ بْنُ عُبَيْدٍ، ثنا الْبَاغَنْدِيُّ، ثنا قَبِيصَةُ، ثنا سُفْيَانُ، عَنْ عَاصِمِ بْنِ كُلَيْبٍ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: كُنَّا فِي غَزَاةٍ مَعَنَا أَوْ عَلَيْنَا مُجَاشِعُ بْنُ مَسْعُودٍ صَاحِبُ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ا فَعَزَّتِ الْغَنَمُ فَقَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: " يُوفِي الْجَذَعُ مِمَّا يُوفِي مِنْهُ الثَّنِيُّ. [2]

علامہ سندھی فرماتے ہیں کہ حضرت مجاشع بن مسعود رضی اللہ عنہ جب یہاں سندھ کے ایک شہر میں داخل ہوئے اور وہاں جاکر فتح حاصل کی تو شہر کے اندر جا کر ایک مندر میں پڑے بت کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور اس کی آنکھ میں پڑے جواہرات نکال کر لوگوں سے کہا کہ یہ صرف تمہیں دکھانے کے لیے کیا کہ یہ بت کچھ نہیں کر سکتے۔

---

[1] سنن ابو داوٗد، حدیث 2799

[2] السنن الکبریٰ، 9/453

فدخل بيت الأصنام، فأخذ جوهرة من عين الصنم، وقال: لم آخذها إلا ليعلموا أنه لا يضر ولا ينفع. [1]

گرچہ بلاذری نے اس واقعے کو حضرت عبدالرحمن بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کیا ہے [2]، تاہم امام ابن اثیر اور امام ابن حجر عسقلانی اور دیگر مؤرخین نے اس واقعہ کو حضرت مجاشع رضی اللہ عنہ کے واقعات میں لکھا ہے اور یہی صحیح لگتا ہے، ہاں البتہ ان کے ساتھ بھی ایسے کسی واقعے کا پیش آنا مذکور واقعہ سے متعارض بالکل نہیں۔ آپؓ نے یہ بت آج کے بلوچستان کے کچھی کے مقام ڈھاڈر کے ایک مندر سے لیا تھا۔ اس کو عرب مؤرخین نے داور لکھا ہے کیونکہ عربی میں لفظ ڈال نہیں، داور سے دھاور اور پھر ڈھاڈر بننا قرین قیاس ہے [3]۔ اس بت کا نام ''زوراک'' تھا [4]۔ ڈھاڈر، بلوچستان کے ضلع کچھی کا ایک تاریخی مقام ہے، اس زمانے میں یہ ایک وسیع علاقہ تھا جو موجودہ جیکب آباد سے آگے تک پھیلا ہوا تھا۔ اس کے صدر مقام کا نام ''تل''یعنی ٹل تھا [5]۔

---

[1] حاشیہ مسند احمد، از علامہ سندھیؒ، 176/25

[2] فتوح البلدان، ص568

[3] ''داور'' یہ لوگ اپنے اس بت کو کہتے تھے جسکے معنی ''خدا'' کے ہیں۔ یعنی یہ اپنے معبود کو ''داور'' کہتے تھے، اس وجہ سے اس علاقے کا نام بھی داور پڑ گیا جو بعد میں زبانوں کے تبادلے کی وجہ سے داوڑ، ڈاوڑ، ڈھاوڑ، ڈھاڈر بن گیا۔ یاد رہے آج بھی فارسی زبان میں لفظ داور کے معنی ''خدا'' کے ہیں۔ البتہ ڈھاڈر ہندی زبان میں اس نشیبی جگہ کو کہتے ہیں جہاں پانی جمع ہو جاتا ہو، اور اس جگہ کو بھی جو نشیبی ہو کر درختوں سے گھرا ہو، ایسا ہی ایک مقام بنام ''ڈھاڈر'' صوابی کے علاقہ گدون میں گندف گاؤں کے پاس بھی موجود ہے جو دریائے سندھ کے قریب ہونے کی وجہ سے پانی کی آماجگاہ بھی ہے اور وہاں پیڑوں کے جھنڈ بھی پائے جاتے ہیں۔

[4] آغا نصیر خان بلوچ، بلوچستان کی قدیم تاریخ، ناشر بلوچی دنیا ملتان، 1983ء

[5] تل، عربی زبان میں ''پہاڑی ٹیلے'' اور ''مکانوں کے ڈھیر'' کے معنوں میں آتا ہے۔

ٹل جیکب آباد کے قریب اب تک موجود ہے۔اس شہر ڈھاوڑ کے قریب موہنجوداڑو کے وقت کے آثار پائے گئے ہیں، ان میں پیرک اور مہر گڑھ شامل ہیں [1]۔ بہر کیف آپؓ مکران میں بھی رہے ہیں۔ پھر آپ بصرہ میں جاکر مقیم ہوئے۔ آپ سے ابو عثمان النہدی، کلیب بن شہاب اور عبد الملک بن عمیر جیسے محدثین نے احادیث روایت کی ہیں [2]۔ آپؓ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف سے جنگ جمل میں لڑتے ہوئے بروز جمعہ 10 ذی الحج 36 ھ کو شہید ہوئے۔امام ابن اثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں؛وقتل يَوْم الجمل بالبصرة مع عائشة قبل القتال الأكبر، وَذَلِكَ أن حكيم بْن جبلة قاتل عَبْد اللهِ بْن الزبير، وَكَانَ مجاشع مع ابن الزبير، فقتل حكيم وقتل مجاشع بن مسعود السلمي. [3]

امام خلیفہ ابن خیاط بصریؒ معرکہ جمل کے ذیل لکھتے ہیں؛

معركة الْجمل:وفيهَا كَانَت وقْعَة الْجمل بِالْبَصْرَةِ بالزاوية نَاحيَة طف الْبَصْرَة يَوْم الْجُمُعَة لعشر خلون من جُمَادَى الْآخِرَة سنة سِتّ وَثَلَاثِين حَدَّثنَا من سمع جوَيْرِيَة بنْت أَسمَاء عَن يحيى بْن سعيد عَن عَمه أَن مَرْوَان رمى طَلْحَة بِسَهْم فَقتله وَانْحَدَرَ الزبير منصرفا فَقتل بوادي السبَاع قَتله عُمَيْر بْن جرموز الْمُجَاشِعِي وَفِي الْجمل الأولى قبل قدوم عَلِيّ قتل مجاشع بْن مَسْعُود السّلمِيّ وَحَكِيم بن جبلة الْعَبْدي. [4]

---

[1] ڈاکٹر عبدالرحمٰن براہوی، بلوچستان میں عربوں کی فتوحات اور حکومتیں، زمرد پبلیکیشنز کوئٹہ، 1990ء، ص72-73

[2] اسد الغابہ، ت4062

[3] ایضاً

[4] تاریخ خلیفہ، 1/181

قدرت کا کرنا کہ حضرت مجاشع بن مسعود رضی اللہ عنہ اور امیر مکران حکیم بن جبلہ عبدی رضی اللہ عنہ جنگ جمل میں ایک ہی دن قتل ہوئے تھے۔ یہ دونوں حضرات پاکستان کے علاقوں میں جہاد کر چکے تھے۔ رضوان اللہ علیہم اجمعین

حضرت خریت بن راشد ناجی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

آپؓ قبیلہ بنوناجیہ کے سرخیل تھے۔ آپ کا شجرہ نسب یہ ہے؛

الخريت بن رَاشد بن عَوْف بن قيس بن حبَان بن جَابر قطبة بن سامة بن عَوْف من بني سامة بن لؤَي. (1)

آپؓ مکہ اور مدینہ کے درمیان وفد بنی سامہ کے ساتھ تھے کہ دریں اثناء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات نصیب ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا؛

یہ تمہاری قوم کے لوگ ہیں، انکے پاس جاکر قیام کرو اور انہیں میزبانی کا موقع دے دو (2)۔

دور فاروقی میں حضرت عبد اللہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے آپؓ کو فارس کے ایک علاقے کی امارت تفویض کی تھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آپؓ کو اھواز کا والی بنا کر بھیجا تھا (3)۔ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آپ کو 37ھ میں بلاد سندھ (مکران) کی طرف بھیج دیا تھا (4)۔ امام دار قطنی فرماتے ہیں کہ آپؓ مخضرم صحابی تھے کیونکہ آپ نے زمانہ جاہلیت بھی پایا تھا (5)۔

---

(1) تہذیب مستمر الاوھام لامام ماکولا (م 475ھ)، 1/33

(2) اسد الغابہ، ت 1437

(3) المؤتلف والمختلف للدار قطنی (م 385ھ)، 2/716

(4) سیرۃ علی بن ابی طالب؛ علی محمد صلابی، 1/463

(5) چونکہ آپ گرچہ پہلے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حامی تھے لیکن پھر آپ انکے مخالف ہوئے اسلئے بعض مورخین نے آپ کو خوارج میں شامل کر دیا ہے۔ تاہم یہ ان کا آپس کا معاملہ تھا، ہمارے لیے سب ☜

آپؓ سے روایت کرنے والوں میں سے عبداللہ بن عبید بن عمیر، زبیر بن خریت، حریش بن خریت، جریر بن حازم، حماد بن زید، سعید بن زید، خالد بن خریت طائی شامل ہیں [1]۔ آپؓ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے طرفدار تھے لیکن 38ھ میں ان کے مخالف ہوئے اور اپنے ساتھ اپنے قبیلے کے تین سو آدمی لے کر بصرہ سے مکران چلے آئے [2]۔ اور بالآخر 38ھ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے زیاد بن خصفہ نے آپ رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیا تھا [3]۔

حضرت عبداللہ بن سوید تمیمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

آپؓ مخضرمی صحابی ہیں۔ ابن شداد فرماتے ہیں کہ آپ بنو تمیم میں شقری ہیں۔ آپؓ نے سندھ میں آکر جہاد کیا۔ کب اور کس کے ساتھ آئے تھے؟ اس بارے میں تاریخ میں باوجود ہزار سعی کے راقم کو کچھ نہ مل سکا۔ البتہ آپؓ کے یہ اشعار اس بات پر ثبوت ہیں کہ آپؓ نے یہ اشعار یہاں سندھ میں ایک معرکے کے دوران بطور رجز پڑھے ہونگے کیونکہ آپؓ بہت اچھے شاعر بھی تھے۔ مثلاً فرماتے ہیں؛

الأهَل اتي الفتيان بالسند مقدمي　　　على بطل قد هَزه القوم مقد م

شددت له اسري و القيت اننى　　　على طرف المهَواةان لم اصمم [4]

آپؓ مدرک صحابی تھے کہ آپؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پایا ضرور لیکن ملاقات نصیب نہ ہو سکی۔ ابن حزم لکھتے ہیں کہ بنو تمیم میں بنو حارث بہت کم تھے [5]۔ آپ بنو

← کے سب سر کے تاج ہیں۔ اور کیوں نہ ہو کہ سبھی کو رضی اللہ عنہ کے اعلیٰ ترین سرٹیفیکیٹ سے نوازا گیا ہے۔

1. المؤتلف والمختلف للدارقطنی (م385ھ)، 716/2
2. الاکمال فی رفع الارتیاب للامام ماکولا (م475ھ)، 432/2
3. اسد الغابہ، 165/2
4. العقد الثمین، ص86
5. جمہرہ انساب العرب، 207/1

تمیم کی ایک ذیلی شاخ بنو حارث میں سے تھے جنہیں شقرات بھی کہا جاتا تھا۔ آپؓ کے اس قبیلے کے ایک فرد شقرہ بن معاویہ بن حارث نے ایک شعر میں کہا ہے؛

وقد أحمل الرمح الأصم كعوبه　　به من دماء القوم كالشقرات ❶

آپؓ کے بارے میں بہت کوشش کے باوجود بس یہی ہاتھ آسکا۔ یاد رہے کہ اس نام کے دو اور اصحاب رسول اللہ ﷺ ہیں جن میں ایک عبد اللہ بن سوید رضی اللہ عنہ خطمی ہیں ❷۔ اور دوسرے صحابی حضرت عبد اللہ بن سوید حارثی انصاری مدنی رضی اللہ عنہ ہیں جو حدیث کے راوی ہیں، علماء اسماء الرجال نے اپنی کتابوں میں انہی کا ذکر کیا ہے۔ جن کی مشہور روایات یہ ہیں؛

1- حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ، نا الْحَسَنُ بْنُ إِسْرَائِيلَ النَّهْرُتِيرِيُّ، نا ابْنُ وَهْبٍ، نا قُرَّةُ يَعْنِي بْنَ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ ثَعْلَبَةَ بْنِ أَبِي مَالِكٍ الْقُرَظِيِّ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ سُوَيْدٍ قَالَ: سَأَلْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْعَوْرَاتِ الثَّلَاثِ، فَقَالَ: إِذَا وَضَعْتُ ثِيَابِي بَعْدَ الظُّهْرِ ا وَلَمْ يَلِجْ أَحَدٌ مِنَ الْخَدَمِ - الَّذِينَ بَلَغُوا الْحُلُمَ ا وَلَا مَنْ لَمْ يَبْلُغِ الْحُلُمَ - الْأَحْرَارِ إِلَّا بِإِذْنٍ ا وَإِذَا وَضَعْتُ ثِيَابِي بَعْدَ صَلَاةِ الْعِشَاءِ وَقَبْلَ الْغَدَاةِ، كَذَا قَالَ: عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَإِنَّمَا الصَّحِيحُ مِنْ قَوْلِ عَبْدِ اللهِ بْنِ سُوَيْدٍ. ❸

---

❶ ذكر ابن عبد البر هذا البيت في كتابه الانباه على قبائل الرواة. القاهرة 1350 ص 80. راجع أيضا شرح ديوان الحماسة للتبريزي ج3 ص62. أما القائل فهو شقرة بن معاوية بن الحارث، كما في الانباه، وقيل هو معاوية بن الحارث كما في الانباه والمزهر 2: 452.

❷ صحیح ابن حبان، 2/ 410

❸ معجم الصحابہ لابن قانع، 2/ 139

2 - حَدَّثَنَا هَارُونُ بن مَعْرُوف، قال: حَدَّثَنا ابْنُ وَهْب، قَالَ: حَدَّثَنِي دَاوُد بْنُ قَيْس، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ سُوَيْدِ الأَنْصَارِيِّ، عَنْ عَمَّتِهِ: أمِّ حُمَيْدِ امرأةِ أَبِي حُمَيْد؛ أَنَّهَا جاءَتِ النبيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ: يَا رَسُولَ اللهِ! إِنِّي أُحِبُّ الصَّلاة مَعَكَ، قالت: فقال لَهَا: قَدْ عَلِمْتُ أَنَّكِ تُحِبِّينَ الصَّلاة مَعِي، وَصَلاتُكِ فِي بَيْتِكِ خيرٌ مِنْ صَلاتِكِ فِي حُجْرَتِكِ، وَصَلاتُكِ فِي حُجْرَتِكِ خَيْرٌ مِنْ صَلاتِكِ فِي دَارِكِ، وصلاتُك فِي دَارِكِ خَيْرٌ مِنْ صَلاتِكِ فِي مسجدِ قَوْمِكِ وصَلاتُكِ فِي مَسْجِدِي". قَالَ: فَأَمَرَتْ فَبُنِيَ لَهَا مسجدٌ فِي أَقْصَى شيءٍ مِنْ بيتِهَا وأَظْلَمِها، فكَانَتْ تُصَلِّي فِيهِ حَتَّى لَقِيَتِ اللهَ.[1]

حضرت مهلب بن ابی صفره عتکی ازدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

آپ رضی اللہ عنہ قبیلہ ازد کے نامور سردار تھے۔ آپ کا شجرہ نسب یہ ہے؛

المهلب بن أبي صفرة الأزدي البصري واسم أبي صفرة ظالم بن سراق بن صبح بن كندي بن عمرو بن عدي بن وائل بن الحارث بن العتيك بن الأزد بن عمران بن عمرو المعروف بمزيقياء[2]

اور ابن فندمہ نے تو آپ کا شجرہ حضرت نوح علیہ السلام تک جا پہنچایا ہے؛

المهلب بن أبي صفرة بن سراق بن صبح (صبيح) بن كندي بن عمرو بن عدي بن وائل بن عتيك بن الأسد بن عمران بن عمرو مزيقياء بن عامر ماء السماء بن حارثة بن امرئ القيس بن ثعلبة بن مازن بن الأزد بن الغوث بن نبت بن مالك بن زيد بن كهلان بن سبأ بن يشجب بن يعرب بن قطحان بن

---

[1] تاریخ ابن خیثمہ، 2/ 802

[2] تاریخ بغداد للخطیب بغدادی (م 463ھ)، 3/ 463

عابر وهو هود النبي عليه السلام بن شالخ بن أرفخشد بن سام بن نوح.[1]

حضرت مہلب بن ابی صفرہ[2] چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے وقت بہت کم سن

---

[1] تاریخ بیہق لابن فندمہ (م507ھ)، 1/ 194

[2] انظر عن (المهلّب بن أبي صفرة) في: طبقات ابن سعد 7/ 129، 130، وطبقات خليفة 201، وتاريخ خليفة 205، و 206 و 224، و 262 و 268 و 276 و 277 و 279 و 288 و 295 و 308 و 327، والمحبر لابن حبيب 245 و 261 و 302، والتاريخ الكبير 8/ 25 رقم 2024، ومقدّمة مسند بقيّ بن مخلد 96 رقم 178، والكامل للمبرّد 1/ 102و181و2/ 138-140و 228- 298، والبرصان والعرجان 26 و 54 و 318، 278، والفتوح لابن أعثم الكوفي 6/ 10 وما بعدها، وفتوح البلدان (انظر فهرس الأعلام) 666، والبيان والتبيين 3/ 205، والمعارف 108 و 399 و 400 و 415 و 417 و 525 و 591 و 622، وتاريخ اليعقوبي 2/ 222 و 252 و 264 و 272 و 275 و 276، وأنساب الأشراف 4 ق 1/ 232 و 424 و 464- 466 و 478 و 4/ 121 و 157- 159 و 168 وانظر فهرس الأعلام في الجزء 5/ 424، وتاريخ الطبري 6/ 354 وانظر فهرس الأعلام 10/ 428، والجرح والتعديل 8/ 369 رقم 1687، والثقات لابن حبّان 5/ 451، ومروج الذهب 2207 و 2209 و 2472، والمراسيل 197 رقم 358، والأسامي والكنى للحاكم، ورقة 219 أ، والحلّة السيراء 1/ 73 و 76 و 2/ 10، والبدء والتاريخ 6/ 37، وتحفة الوزراء 113، والهفوات النادرة 271، وجمهرة أنساب العرب 367- 370، وربيع الأبرار 1/ 684 و 2/ 319، والمحاسن والمساوئ 97، 98 و 190 و 448، والمحاسن والأضداد 14، ونثر الدرّ 2/ 183، والخراج وصناعة الكتابة 394 و 406 و 414، والإيجاز والإعجاز 17، ولطائف الظرفاء 15، والتمثيل والمحاضرة 134، ومحاضرات الأدباء 1/ 548، والبصائر والذخائر 2/ 690 و 708، وتاريخ حلب للعظيمي 188 و 194، وتاريخ دمشق (مخطوطة الظاهرية) 17/ 221 ب، والعقد الفريد 1/ 103 و 110 و 122 و 123 و 142 و 222 و 250 و 2/ 82 و 188 و 207 و 210 و 288 و ☜

تھے اس لیے آپؓ کا شمار صغار صحابہ کرام میں سے ہوتا ہے۔ امام ابن فندمہ نے تاریخ بیھق میں 1/ 120 پر آپؓ کو صحابہ میں شمار کیا ہے۔ امام ذہبی فرماتے ہیں کہ آپؓ فتح مکہ کے دن پیدا ہوئے[1]۔ آپؓ کی کنیت ابو سعید تھی۔ آپؓ کے والد حضرت ابو صفرہ جن کا نام ظالم تھا، ایک بار حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں اپنے دس بیٹوں کے ساتھ حاضر ہوا، اور حضرت مہلب رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ میرا سب سے چھوٹا بیٹا مہلب ہے۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ گرچہ عمر میں سب سے چھوٹا ہے لیکن اصل میں یہی آپ کی اولاد کا سردار ہے[2]۔ واقعی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے

---

301 و 431 و 472 و 478 و 3/ 298 و 4/ 46 و 119 و 127 و 428، والكنى والأسماء للدولابي 1/ 187، وعيون الأخبار 1/ 230 و 2/ 43 و 44 و 4/ 4، وتهذيب الأسماء واللغات ق 1 ج 2/ 117 رقم 174، ووفيات الأعيان 1/ 272 و 2/ 33 و 34 و 36 و 127 و 305 و 323 و 5/ 350- 359، وانظر فهرس الأعلام 8/ 225، وتهذيب الكمال (المصوّر) 3/ 1381، والكامل في التاريخ (انظر فهرس الأعلام) 13/ 363، ونهاية الأرب 21/ 259، 260، وسير أعلام النبلاء 4/ 383- 385 رقم 155، والعبر 1/ 95، والكاشف 3/ 159 رقم 5770، وجامع التحصيل 355 رقم 355 رقم 807، ودول الإسلام 1/ 59، والبداية والنهاية 9/ 42، 43، ومرآة الجنان 1/ 165، 166، والتذكرة الحمدونية/ 263 و 432 و 437 و 438 و 2/ 451،وفوات الوفيات 1/ 353 و 396 و 2/ 31، وسرح العيون 194، والمستطرف للأبشيهي 1/ 59، والإصابة 3/ 535، 536 رقم 8633، وتهذيب التهذيب 10/ 329، 330 رقم 577، وتقريب التهذيب 2/ 280 رقم 1424، والنجوم الزاهرة 1/ 206، وخلاصة تذهيب التهذيب 389، وشذرات الذهب 1/ 90، والعلل لأحمد، رقم 465.

[1] سیر اعلام النبلاء، ت 155

[2] الاستیعاب، ت 3946

یہ الفاظ حرف بہ حرف درست ثابت ہوئے۔ اور آپؓ نے اپنی خداداد سرداری زمانے کو دکھائی۔ آپؓ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت سے جہادی سرگرمیوں میں حصہ لینا شروع کیا۔ سندھ اور خراسان میں جاکر جنگیں لڑیں۔ مناذر کے محاصرے کے بارے میں خود فرماتے ہیں؛حدثني سعدوية قَالَ حَدَّثَنَا شريك عن أَبِي إِسْحَاق عَنِ المهلب بْن أَبِي صفرة، قَالَ حاصرنا مناذر فأصبنا سبيا، فكتب عُمَر: أن مناذر كقرية منَ القرى السواد فردوا عليهم ما أصبتم. ❶

44ھ میں عبداللہ بن سوار رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ غمزدہ ہوئے اور اب کے بار وہ بار بار بغاوت کا سدباب چاہتے تھے۔ اس بابت امور سندھ کے ماہرین سے مشورہ لیا تو معلوم ہوا کہ گورنر کابل حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ قبیلہ ازد کا ایک سردار جس کا نام حضرت مہلب بن ابی صفرہ رضی اللہ عنہ ہے، موجود ہیں، اگر انہیں یہ ذمہ داری سونپی جائے تو عین ممکن ہے کہ وہ اس مسئلے کا کوئی بہتر حل ڈھونڈ نکال لیں کیونکہ وہ صحابیِ رسول ہوتے ہوئے مذکور مشرقی ممالک کے ماہر بھی ہیں۔ حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ نے بھی ان کا انتخاب کیا کہ حضرت مہلب بن ابی صفرہ ازدی عتکی رضی اللہ عنہ ان کے زیر کمان رہ چکے تھے اور انہیں حضرت مہلب رضی اللہ عنہ کی بہادری اور تجربہ کاری کا پوری طرح احساس تھا۔ چنانچہ انہوں نے اس نامور سردار اور قابل سپہ سالار حضرت مہلب بن ابی صفرہ رضی اللہ عنہ کو ہدایت دی کہ جاکر سندھ کی حالت سنواریں اور باغیوں کا قلع قمع کریں۔ اسلئے انہوں نے فی الفور حضرت مہلب بن ابی صفرہ رضی اللہ عنہ کو اس طرف بھیجا۔ جنہوں نے موجودہ بلوچستان کی بجائے درہ خیبر والا راستہ اپنایا اور

---

❶ فتوح البلدان، 1 / 367

اس طرف سے سندھ میں گھسنے کی کوشش کی۔ خلیفہ بن خیاط فرماتے ہیں؛ سنة أَربع وَأَرْبَعين فيهَا غزا الْمُهلب بْن أَبِي صفرَة أَرض الْهِنْد فَسَار إِلَى قندابيل ثمَّ أَخذ إِلَى بنة وَألا هور وهما فِي سفح جبل كابل فَلَقِيَهُمْ عَدو هَزَمَهُمْ الله وملأَ الْمُسلمُونَ أَيْديهم وَانْصَرفُوا سَالِمين۔ (1)

یعنی 44ھ میں حضرت مہلب رضی اللہ عنہ نے قندابیل، بنوں اور لاہور فتح کیا لیکن خلیفہ نے اس میں تقدیم و تاخیر سے کام لیا ہے کیونکہ قندابیل بنوں اور لاہور کے بعد فتح ہوئے تھے۔ بلاذری لکھتے ہیں؛ غزا المهلّب بن أبي صفرة في سنة 44 ھ أيام معاوية ثغر السند فأتى بنّة ولاهور، وهما بين الملتان وكابل، فلقيه العدوّ فقتله المهلّب ومن معه، فقال بعض الأزديين:

ألم تر أنّ الأزد، ليلة بيّتوا ببنّة، كانوا خير جيش المهلّب (2)

45ھ میں ہی پھر حضرت حارث بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کو بھی معزول کر کے حضرت زیاد بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کو والی بصرہ تعینات کیا گیا۔ حضرت زیاد رضی اللہ عنہ ان ممالک کے بڑے ماہر تھے، اسلئے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے انہیں گورنر بصرہ مقرر کیا تھا۔

بصرہ کے مشہور، مستند اور اولیں مؤرخ علامہ خلیفہ بن خیاط رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ یہ ہیں؛

سنة خمس واربعين فِيهَا عزل مُعَاوِيَة ابْن عَامر عَن الْبَصْرَة وَولى الْحَارِث بْن عَمْرو الْأَزْدِيّ فَقدم فِي أول السّنة ثمَّ عَزله وَولى زيادا فَقدم الْبَصْرَة فِي شهر ربيع فَقتل سهم بْن غَالب الْهُجَيْمِي الَّذِي كَانَ خرج بِنَاحِيَة جسر الْبَصْرَة وصلبه وفيهَا بعث ابْن عَامر عَبْد اللهِ بْن سوار الْعَبْدي فَافْتتحَ القيقان

(1) تاریخ خلیفہ، 1/206

(2) معجم البلدان، 1/501

وَأَصَاب غَنَائِم وقاد مِنْهَا خيلا فَأَصل البراذين القيقانية من نسل تِلْكَ الْخَيل ثمَّ قدم واستخلف حزاز بْن كراز الْعَبْدي وَقدم عَلَى مُعَاوِيَة فرده إِلَى عمله وعزل ابْن عَامر. [1]

گورنر بصرہ حضرت حارث بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے حضرت مہلب کو سندھ میں کارروائیاں جاری رکھنے کا حکم جاری کر دیا۔ واقعی حضرت مہلب بن ابی صفرہ رضی اللہ عنہ ایک قابل فوجی اور دور اندیش سیاستدان تھے، انہوں نے سوچا کہ قیقان کے راستے سندھ میں دخول کے ہم بارہا کوشش کر کے بھی ناکام رہے۔ اس لیے اسی راستے پھر سے ناکام سعی کرنے کی بجائے کوئی اور متبادل راستہ ڈھونڈ لینا چاہیے تا کہ ہمارا نقصان بھی نہ ہو اور کام بھی چل جائے۔ انہوں نے اب کے بار ایک نیا منصوبہ تیار کر لیا اور کابل سے ہوتے ہوئے ہلمند آئے اور وہاں سے ہوتے ہوئے درہ خیبر آئے [2]۔ یہاں سے حضرت مہلب رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں اسلامی لشکر نے موجودہ پشاور اور اس کے آس پاس کے علاقے فتح کر لیے اور اپنی پیش قدمی جاری رکھی۔ بار بار عرض ہوا کہ اُس وقت پشاور نامی کوئی جگہ موجود نہیں تھی ہاں البتہ کی چھوٹے گاؤں کا امکان بعید نہیں لیکن قصبہ یا شہر بالکل نہیں تھا، ورنہ پھر مؤرخین اس کا خوامخواہ ذکر کرتے، جیسا کہ بنوں اور صوابی والے لاہور کو انہوں نے باقاعدہ ذکر کیا ہے [3]۔ پشاور کا بھی لازمی ذکر کرتے اگر یہاں کوئی قابل ذکر مقام ہوتا۔ راقم نے پشاور سے متعلق موجود پشتو، اردو،

---

[1] تاریخ خلیفہ بن خیاط، 1/ 207

[2] میرے خیال میں یہ خیبر نام بھی ان ہی کا رکھا ہوا ہے۔ کیونکہ شاید یا تو ان کو یہ علاقہ اپنے خیبر کے علاقے جیسا لگا ہوگا اور یا پھر یہاں موجود قلعہ خیبر کی طرح تھا، جسے انہوں نے فتح کیا تھا اور پھر اسی جگہ انگریز نے بھی قلعہ تعمیر کرایا جو آج بھی "قلعہ شاگئی" کے نام سے موجود ہے۔

[3] معجم البلدان، 1/ 500۔ فتوح البلدان 1/ 417۔ الکامل فی التاریخ، 3/ 42

انگریزی اور عربی میں لکھی گئی تاریخی کتابیں کھنگال کر دیکھا لیکن کچھ بھی ہاتھ نہ آیا، سوائے اسکے کہ پشاور اصل میں مغل دور کی یادگار ہے۔ کہ جلال الدین اکبر نے تقریباً 1580ء کے لگ بھگ اس شہر کو آباد کیا۔ اور حفاظت کیلئے پھر ایک قلعہ بھی بنوایا جسے "قلعہ بالا حصار" کہتے ہیں۔ یہاں چونکہ مختلف پیشوں سے متعلق لوگ آباد کرائے گئے تاکہ مغل حکومت کو جب بھی ضرورت پڑے، انکی دستیابی آسان ہو، اسلئے اسکو فارسی زبان میں "پیشہ ور" کہتے تھے جو بعد میں "پیشاور" اور آخر میں "پشاور" بن گیا۔ ہاں اس کے آس پاس لوگ ضرور بود و باش کرتے تھے، کیونکہ محمود غزنوی جب پانچویں صدی ہجری میں یہاں سے ہو کر ہند جا رہا تھا، تو یہاں کے مقامی لوگوں نے مزاحمت کی تھی، سلطان نے انہیں تہ و بالا کر دیا تھا، اور یہاں پر خون آشام لڑائی لڑی گئی تھی جو کئی دنوں تک جاری رہی۔ جس میں مسلمان بھی کافی مقدار میں شہید ہوئے تھے، جن کی قبریں آج بھی یہاں مختلف مقامات پر موجود ہیں۔ اور قابل ذکر ان میں "اصحاب بابا" مزار بھی ہے، جسکی تفصیل آگے آرہی ہے کہ یہ کوئی صحابی نہیں، البتہ یہ محمود غزنوی کے وقت کے شہداء ہیں۔ اُسکے آس پاس ایک بہت بڑا قبرستان ہے جس میں وہی شہداء مدفون ہیں۔ اس راستے میں گرچہ پہاڑوں کی مہیب پیچیدگیاں موجود تھیں تاہم یہ سب حضرت مہلب بن ابی صفرہ رضی اللہ عنہ کی اولوالعزمی کے سامنے ہیچ تھا❶۔ آپؓ موجودہ پشاور اور نوشہرہ سے ہوتے ہوئے صوابی پہنچ گئے❷۔ جہاں

---

❶ شرر صاحب نے تاریخ سندھ میں صفحہ 102 پر لکھا ہے کہ اس راہ کے مؤجد حضرت مہلب بن ابی صفرہ رضی اللہ عنہ ہیں، ان کے بعد پھر محمود غزنوی وغیرہ نے اس پر ہند کی طرف پیش قدمی کی۔ لیکن یہ بات درست نہیں کیونکہ اس راستے پر بہت پہلے سکندر اعظم اور دارا وغیرہ فاتحین وارد ہند ہوئے تھے۔

❷ صوابی کی وجہ تسمیہ کے بارے میں ایک قول یہ بھی ہے کہ اس جگہ پہنچ کر اس لشکر کے سالار صحابی ☜

دریائے سندھ عبور کر کے انہیں ملک سندھ میں اندر جا کر گھسنا تھا، کیونکہ ابھی اٹک کا گھاٹ موجود نہیں تھا یہ تو 1582ء میں مغل بادشاہ اکبر نے بنایا تھا۔ حضرت مہلب رضی اللہ عنہ نے یہاں صوابی کا مشہور شہر لاہور فتح کیا [1]، جو آج بھی لاہور سے معروف ہے۔ ہاں البتہ اب چونکہ وہ ایک قصبہ ہے اور پنجاب والا لاہور بڑا شہر بن گیا ہے اس لیے اس کو اب چھوٹا لاہور کہا جاتا ہے۔ اس کی تفصیل پیچھے گزر چکی ہے کہ بلاذری اور حموی نے جس لاہور کا تذکرہ کیا ہے، دراصل وہ یہی لاہور تھا۔ غزا المهلّب بن أبي صفرة في سنة 44 هـ أيام معاوية ثغر السند فأتى بنّة ولاهور، وهما بين الملتان وكابل، فلقيه العدوّ فقتله المهلّب ومن معه، فقال بعض الأزديين: ألم تر أنّ الأزد، ليلة بيّتوا بينّة، كانوا خير جيش المهلّب. [2]

بعض ناواقف مؤرخین اس سے مراد پنجاب والا لاہور لیتے ہیں لیکن اگر حموی کے اس اگلے جملے پر غور کیا جائے کہ "یہ دونوں شہر بنوں اور لاہور کابل اور ملتان کے مابین ہیں" تو خود بخود معلوم ہو جائے گا کہ اس سے مراد کونسا لاہور ہے۔ کیونکہ پنجاب والا لاہور ملتان سے صرف ڈھائی سو میل کے فاصلے پر واقع ہے جبکہ کابل یہاں سے قریباً ہزار کلو میٹر سے بھی زیادہ فاصلے پر ہے، ایسے میں خود سوچئے کہ کونسا لاہور مراد

ﷺ رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت مہلب بن صفرہ رضی اللہ عنہ نے اپنا تعارف صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے کرایا، جسے سن کر مقامی لوگ متعجب ہوئے اور بار بار اس لفظ کو دہراتے رہے حتی کہ یہ نام اس جگہ پر لاگو ہو گیا۔ اور یا پھر یہاں جو صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہوئے تھے، انہیں دفنانے کے بعد ان کی قبر کی وجہ سے وہی جگہ صحابی سے مشہور ہوئی اور بعد میں یہ لفظ مرورِ زمانہ اور تبادلہ السنہ کے ساتھ صحابی سے صوابی بن گیا۔ واللہ اعلم (تاریخ صوابی، ص56)

[1] تاریخ خلیفہ ابن خیاط 1 / 239، فتوح البلدان 1 / 429، البدایہ والنہایہ 9 / 42

[2] معجم البلدان، 1 / 501

ہے۔ اور یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ ایک تو پنجاب والا لاہور اسوقت تھا نہیں اور دوسری بات یہ کہ پنجاب میں داخل ہی کب ہوئے تھے؟ یہ تو دریائے سندھ سے واپس ہو گئے تھے جیسا کہ تفصیل پچھلے باب میں گزر چکی ہے۔ اگر پنجاب والا لاہور فتح ہو جاتا تو پھر حضرت مہلب رضی اللہ عنہ کا یہ اسلامی لشکر ضرور آگے سندھ کے دارالخلافت پر جا کر قابض ہو جاتا کہ ان کا اصل مقصد بھی تو یہی تھا۔ لیکن چونکہ یہ تو راجہ چچ کے قبضے میں تھا۔ اور یہ بھی کہ پنجاب والا لاہور اگر فرض کریں تھا بھی تو وہ اُس وقت صوبہ ملتان کا حصہ تھا جو کہ ملتان سے صرف ڈھائی سو میل کے فاصلے پر ہے، دوسری طرف اس لاہور سے کابل کتنا دور ہے؟ ایسے میں یہ کہنا کہ لاہور کابل اور ملتان کے مابین واقع ہے، محض ایک خوش فہمی ہی ہو سکتی ہے۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ جو اردو زبان کی بڑی انسائیکلوپیڈیا ہے، اور جو پنجاب والے لاہور میں لکھی اور چھپی گئی ہے اس میں لکھا گیا ہے کہ بلاذری (م279ھ/892ء) نے اپنی تالیف میں جس لاہور کا ذکر کیا ہے یہ ایک چھوٹا سا گاؤں تھا جو کہ اٹک اور ویہند کے درمیان کہیں آباد تھا[1]۔ اس پر تفصیلی بحث پیچھے باب میں گزر چکی ہے کہ یہ نہ تو چھوٹا سا گاؤں تھا اور نہ ہی اٹک اور ہنڈ کے درمیان بلکہ اٹک کے سامنے دریا پار ہنڈ کے ساتھ شمال کی طرف ایک بڑا شہر تھا۔ حضرت مہلب رضی اللہ عنہ نے صوابی فتح کرنے کے بعد گھاٹ پار کر کے قلعہ چچ کو فتح کرنا چاہا، اس مقصد کیلئے انہوں نے قلعہ کی مغرب کی جانب پڑاؤ ڈالا، اور وہاں ایک محدود عرصہ رہے لیکن قلعہ فتح نہ ہو سکا۔ چونکہ یہ قلعہ ملک سندھ کی اہم ترین جگہ پر واقع تھا اسلئے یہاں بھی غیر معمولی انتظامات کیے گئے تھے کہ گویا اس کو تسخیر کرنے سے پورا سندھ تسخیر کرنا آسان ہو جاتا تھا۔ آپؓ جس جگہ مقیم رہے اسے اپنی قوم کی نسبت سے نام دے رکھا یعنی "عتکی" کیونکہ آپؓ قوم العتک سے

---

[1] اردو دائرہ معارف، 18/1

تعلق رکھتے تھے۔ یہ نام پھر مرورِ زمانہ اور تبادلہ اَلسنہ کی وجہ سے اٹک اور آخر میں "اٹک" مشہور ہوا۔ جو آج بھی موجود ہے بلکہ پنجاب کے ایک بڑے ضلع کا نام ہے [1]۔ حضرت مہلب رضی اللہ عنہ سمجھ گئے کہ یہاں بھی یوں ہی وقت ضائع کرنا ہے۔ لہٰذا کسی اور راستے سے کوشش کرنی چاہیے، اس لیے آپؓ ڈیہنڈ (ہنڈ) کے گھاٹ پر واپس صوابی کی طرف لوٹیں اور وہاں سے ہوتے ہوئے یہ بنوں اور کوہاٹ چلے گئے۔ وہاں بنوں میں رات گزار کر صبح ایک جنگ میں فتح حاصل کرلی جیسا کہ شاعر کہتا ہے کہ:

ألم تر أنّ الأزد ليلة بيّتوا ببنّة كانوا خير جيش المهلّب [2]

ترجمہ: کیا تو نہیں دیکھتا کہ بنوں میں حضرت مہلب کے لشکر نے جو رات گزاری تو اس لشکر میں سب سے بہترین لوگ جو تھے وہ قبیلہ ازد کے لوگ ہی تو تھے۔

چونکہ اس لشکر میں اکثریت قبیلہ ازد کے جوانوں کی تھی اسلئے شاعر جو کہ خود بھی ازدی ہے ان ہی کے گُن گا رہا ہے کہ وہ حضرت مہلب رضی اللہ عنہ کے لشکر کے بہترین سپاہی ہیں۔ اور انکی بہادری کی وجہ سے اسلامی لشکر پے در پے فتوحات حاصل کر رہا ہے۔ یہ بات بھی عجیب اور قابل ذکر ہے کہ حضرت مہلب بن صفرہ عتکی ازدی رضی اللہ عنہ وہ واحد صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جو آئے تو سندھ کو فتح کرنے تھے تاہم اُن کی قدم بوسی سے پاکستان کے صوبہ سندھ کو چھوڑ کر پختونخوا، بلوچستان اور پنجاب تینوں صوبے سعادت مند ہوئے۔

بنوں کو فتح کرنے کے بعد حضرت مہلب رضی اللہ عنہ نے پیش قدمی جاری رکھی اور

---

[1] ضیاء اللہ جدون، حضرت سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ اور پشاور میں واقع مزار اصحاب بابا کا تحقیقی جائزہ، ص 8، نوار خان جدون فاؤنڈیشن بیسک صوابی 2016ء

[2] فتوح البلدان، 1 / 417، الکامل فی التاریخ 3 / 42، معجم البلدان 1 / 501

جاتے جاتے آپؓ قندابیل جا پہنچے جہاں آپؓ کا وہاں کے کافروں سے آمنا سامنا اور پھر خوب سخت مقابلہ ہوا، آپؓ نے نہایت ہی جانبازی سے ان پر حملہ کر کے دشمن کو تہس نہس کر دیا اور ان سے خوب مال واسباب لے کر نیک نامی اور سرخروئی کے ساتھ آگے بڑھیں [1]۔ اس کے بعد آپؓ قیقان چلے گئے اور وہاں پر ترک فوجیوں کے ایک چھوٹے سے دستے سے مڈبھیڑ ہوئی۔ یہ ترک سپاہی تعداد میں صرف اٹھارہ تھے لیکن وہ لڑنے پر تلے ہوئے تھے اس لیے آپؓ نے ان سب کو وہاں ڈھیر کر دیا [2]۔ ان کو مارنے کے بعد آپؓ نے دیکھا کہ ان کے پاس جو گھوڑے تھے، انکے عیال اور دُمیں کٹی ہوئی ہیں، آپ رضی اللہ عنہ کو یہ وضع بہت پسند آئی اور آپؓ بولے یہ عجمی لوگ ہم سے زیادہ اس بات کے مستحق نہیں ہیں کہ اپنے گھوڑوں کے عیال اور دُمیں کاٹیں۔

یہ کہتے ہوئے آپؓ نے اپنے گھوڑے اور اپنی لشکر کے تمام گھوڑوں کے عیال اور دُمیں کاٹ ڈالیں۔ اسی وجہ سے کہتے ہیں کہ اسلام میں حضرت مہلب بن ابی صفرہ رضی اللہ عنہ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے گھوڑوں کے لیے یہ وضع اختیار کر لی تھی۔ علامہ ابن اثیر کے الفاظ یہ ہیں؛

فَلَقِيَهُ الْعَدُوُّ وَقَاتَلَهُ، وَلَقِيَ الْمُهَلَّبَ بِبِلَادِ الْقِيقَانِ ثَمَانِيَةَ عَشَرَ فَارِسًا مِنَ التُّرْكِ فَقَاتَلُوهُ فَقُتِلُوا جَمِيعًا، فَقَالَ الْمُهَلَّبُ: مَا جُعِلَ هَؤُلَاءِ الْأَعَاجِمُ أَوْلَى بِالتَّشْمِيرِ مِنَّا! فَحَذَفَ الْخَيْلَ، وَكَانَ أَوَّلَ مَنْ حَذَفَهَا مِنَ الْمُسْلِمِينَ. [3]

46ھ میں آپؓ یہاں سے ہوتے ہوئے خراسان نکل گئے۔ اور وہاں خلیفہ ثالث

---

[1] تاریخ خلیفہ بن خیاط، 1/ 206

[2] فتوح البلدان، 1/ 417

[3] الکامل فی التاریخ، 3/ 42

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے بیٹے حضرت سعید بن عثمانؓ کی امارت میں سمرقند پر حملہ کیا اور کامیابی حاصل کی [1]۔ ڈاکٹر عبدالرحمٰن بروہوی تحریر کرتے ہیں کہ آپ نے مکران، قلات، خضدار کے قریب نال، کچھی اور گنداوا میں جہاد کیا [2]۔ ڈاکٹر محمد اسحاق اپنے انگریزی مقالہ میں لکھتے ہیں کہ آپ اپنی قوم ازد کا دستہ لے کر حملہ آور ہوتے تھے [3]۔ 75ھ میں آپؓ کو عبدالملک بن مروان نے والی بصرہ مقرر کیا۔ اور پھر 77ھ میں امیہ بن عبداللہ بن خالد کی جگہ آپؓ امیر خراسان مقرر ہوئے۔ اور 82ھ یعنی اپنی وفات تک آپؓ وہاں کے والی رہے پھر آپؓ کی وفات کے بعد آپؓ کا بیٹا یزید بن مہلبؒ امیر مقرر ہوئے [4]۔ جن دنوں آپ خراسان میں تھے تو فتنہ خوارج ابھر آیا، ان حالات میں اہل بصرہ ڈر گئے اور ایک ازدی نے لکھا؛

قد رمینا العدو إذ عظم الخطب — بذی الجود مسلم بن عبس

فا نظروا غیر مسلم بن عبیس — فاطلبوہ من حیث این ولیس

لو رموا بالمھلب بن ابی صفرہ — کانوا لہ کا کلہ حیس

وکان المھلب یومئذ بخراسان علی ولایتھا [5]

اہل بصرہ نے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ انہیں یہ خطرہ لاحق ہے لہٰذا انہوں نے حضرت حارث بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کو وہاں بھیجا لیکن ان کی پر زور تاکید تھی کہ انہیں بہر حال حضرت مہلب رضی اللہ عنہ چاہیئے۔ ایسے میں ایک اور شاعر نے کیا خوب کہا؛

---

1. تاریخ خلیفہ بن خیاط، 1/224
2. بلوچستان میں صحابہ کرام، ص167
3. India's Contribution to the study of Hadith Literature, P.142
4. ایضا، 1/295
5. الاخبار الطوال، 1/271

وقام رجل من اهل البصره يعرف بابن عراده، فانشده:

مضى ابن عبيس مسلم لسبيله فقام لها الشيخ الحجازي عثمان
فارعد من قبل اللقاء ابن معمر و ابرق ، والبرق الحجازي خوان
ولم ينك عثمان جناح بعوضة واضحى عدوالدين مثل الذى كانوا
وليس لها الا المهلب انه مليء بأمر الحرب ، شيخ له شان
إذا قيل من يحمى العراقين أومأت اليه معد با لاكف ، و قحطان
فذاك امرؤ ان يلقهم يطف نارهم و ليس لها الا المهلب انسان [1]

حضرت احنف بن قیس رضی اللہ عنہ نے حضرت حارث رضی اللہ عنہ کو مشورہ دیا کہ وہ حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو لکھ بھیجے کہ وہ حضرت مہلب بن ابی صفرہ رضی اللہ عنہ کو لکھے کہ وہ اپنا کوئی نائب خراسان میں چھوڑ کر فوراً یہاں آئے۔ علامہ دینوری رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

حرب المهلب مع الخوارج:

فقال الأحنف بن قيس للحارث بن عبد الله: ايها الأمير، اكتب الى امير المؤمنين عبد الله بن الزبير، وسله ان يكتب الى المهلب بان يخلف على خراسان رجلا، ويسير الى الخوارج، فيتولى محاربتهم. فكتب.فلما انتهى كتابه الى عبد الله بن الزبير كتب الى المهلب:

بسم الله الرحمن الرحيم، من عبد الله امير المؤمنين الى المهلب بن ابى صفره، اما بعد، فان الحارث بن عبد الله كتب الى يخبرني ان الازارقه المارقه قد سعرت نارها، وتفاقم امرها، فرايت ان اوليك قتالهم لما رجوت من قيامك، فتكفى اهل مصرك شرهم، وتؤمن روعتهم، فخلف بخراسان

---

[1] ایضاً

من يقوم مقامك من اهل بيتك، وسر حتى توافى البصره، فتستعد منها بافضل عدتك، وتخرج اليهم، فانى أرجو ان ينصرك الله عليهم، والسلام.

جونہی یہ خط حضرت مہلب رضی اللہ عنہ نے پڑھا، تو اپنا نائب وہاں مقرر کر کے بصرہ روانہ ہوا۔ اور آتے ہی منبر پر بیٹھ کر فرمایا؛ ايها الناس انه قد غشيكم عدو جاحد، يسفك دماءكم، وينتهب أموالكم، فان أعطيتموني خصالا اسالكموها قمت لكم بحربهم، واستعنت بالله عليهم، والا كنت كواحد منكم لمن تجتمعون عليه في امركم.قالوا وما الذي تريد؟قال: انتخب منكم أوساطكم، لا الغنى المثقل ولا السبروت المخف، وعلى ان لي ما غلبت عليه من الارض والا اخالف فيما ادبر من رأيي في حربهم، واترك ورأيي الذى أراه، وتدبيرى الذى ادبره.فناداه الناس لك ذلك، وقد رضينا به۔

اس کے بعد آپ نے تقریباً پچیس ہزار کا لشکر جرار تیار کر کے اس پر اپنا بیٹا مغیرہؒ امیر مقرر کیا اور خوارج کے مقابلے کے لیے نہر تستر روانہ کیا۔ اور خود جسر کے مقام پر 40 دنوں تک رہے۔ ایسے میں کسی نے افواہ پھیلا دی کہ حضرت مہلب رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے ہیں، یہ خبر بصرہ کو آئی تو اہل بصرہ غم سے نڈھال ہو گئے۔

وبلغ اهل البصره ان المهلب قتل، فرج المصر باهله، وهم أميرهم الحارث ابن ابى ربيعه ان يهرب، فكتب اليه رجل من بنى يشكر:

أيا حار ياابن السادة الصيد هب لنا--- مقا مك ، لا ترحل و لم يأ تك الخبر

فان كان اودى با لمهلب يو مه---فقد كسفت في أرضنا الشمس والقمر

و مالك من بعد المهلب عرجه -----و ما لك با لمصرين سمع و لا بصر

فدونك، فالحق با لحجاز،ولا تقم -----ببلد تنا ا ن ا لمقام بها خطر

و ان کان حیا کنت بالمصر آمنا ---و کان بقاء المرء فینا هو الظفر

وقال رجل من بنی سعد:

الا کل ما یاتی من الأمر هین-------علینا یسیر عند فقد المهلب

فان یك قد اودی فما نحن بعده----با منع من شاء عجاف لاذؤب

نعو ذ بمن ارسی ثبیرا مکانه-----و مرسی حراء والقدید وکبکب

من الخبر الملقی علی الحور حذرها----ویشجی به ما بین بصری ویثرب ❶

لیکن پھر ایک بشیر آیا اور اہل بصرہ کو خوشخبری سنائی کہ حضرت مہلب رضی اللہ عنہ حیات ہیں تو اس موقع پر بھی لوگوں نے خوش ہو کر شاعری کی۔ جسے خوف طوالت کی وجہ سے ہم حذف کرتے ہیں۔ امام ابو اسحاقؒ فرمایا کرتے تھے؛ مَا رَأَيْتُ أَمِيْراً قَطُّ أَفْضَلَ وَلاَ أَسْخَى وَلاَ أَشْجَعَ مِنَ المُهَلَّبِ، وَلاَ أَبْعَدَ مِمَّا يَكْرَهُ، وَلاَ أَقْرَبَ مِمَّا يُحِبُّ. ❷

آپ بہت زیادہ سخی انسان تھے، ابن جوزی نے آپ کی سخاوت کے کئی ایک واقعات لکھے ہیں۔ اور ایک عجیب بات بھی لکھی ہے کہ؛ومن العجائب: أنه كان للمهلب ثلاثة أولاد: يزيد، وزياد، ومدرك، ولدوا في سنة واحدة، وقتلوا في سنة واحدة، وأسنانهم واحدة، عاش كل واحد منهم ثمانية وأربعين سنة. ❸

80ھ میں آپ رضی اللہ عنہ نے خراسان کے دو اہم مقامات کش اور نسف اور بخاریٰ کا محاصرہ

---

❶ ایضاً، 1/ 271

❷ 17/ 255، سیر اعلام النبلاء، ت4/ 383

❸ المنتظم فی تاریخ الملوک والامم، 6/ 242

کیا[1]۔ تین روز تک خون آشام لڑائی ہوئی جس میں آپؓ کی ایک آنکھ بھی ضائع ہوئی[2]۔ لیکن اس دوران آپؓ کو گورنر عراق حجاج بن یوسف کا خط آیا اور آپؓ 81ھ میں واپس ہوئے[3]۔ آپؓ وہاں سے مرو چلے گئے جہاں 82ھ میں آپؓ نے وفات پائی[4]۔ امام طبری نے بھی ذی الحج 82ھ لکھا ہے اور یہ بھی لکھا کہ آپؓ نے وصیت کی تھی کہ آپ پر نماز جنازہ حضرت حبیبؒ پڑھائیں[5]۔ عمادالدین نے بھی 82ھ لکھا ہے[6]۔ ابن سعد نے 83ھ لکھا ہے[7]۔ امام جاحظ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آپ نے اپنی سواری پہ بیٹھے اپنی جان اپنے خدا کی سپر کی تھی[8]۔ اور امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کی تاریخ وفات 82ھ لکھی ہے۔

وتوفي في ذي الحجة سنة اثنتين وثمانين، فقال نهار بن توسعة التميمي:

ألا ذهب الغزو المقرب للغنى ... ومات الندى والجود بعد المهلب

أقاما بمرو الروذ رهنى ضريحه ... وقد غيبا عن كل شرق ومغرب

إذا قيل أي الناس أولى بنعمة ... على الناس؟ قلناه ولم نتهيب

أباح لنا سهل البلاد وحزنها ... بخيل كأرسال القطا المتسرب[9]

---

1. المعارف، 1/ 568
2. فتوح البلدان، 1/ 397
3. تاریخ خلیفہ بن خیاط، 1/ 279
4. ایضاً، 1/ 288
5. تاریخ طبری، 6/ 354
6. المختصر فی اخبار البشر، 1/ 297
7. طبقات ابن سعد، 7/ 129
8. البغال للجاحظ، 1/ 52
9. تاریخ اسلام 30/ 87

ابن قیسرانی کے بقول آپؒ کی بہت زیادہ اولاد تھی [1]، انہوں نے آپ کے چودہ تک بیٹے شمار کیے ہیں۔ ابن فندمہ تحریر کرتے ہیں کہ آپؒ کی ایک بیٹی ھند عبدالملک بن مراون کی بیوی تھی جو شاعرہ بھی تھی [2]۔ جبکہ امام ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کی یہی بیٹی کو ھند حجاج بن یوسف کی بیوی لکھا ہے [3]۔ ابن عساکر نے بھی حجاج کی اہلیہ لکھا ہے [4]۔ آپ نے اپنے بیٹے کو اپنا نائب اور خلیفہ خراسان مقرر کیا تھا جنہیں حجاج نے بھی بحال رکھا [5]۔ آپ کی بہادری کے متعلق امام نہروانی نے ایک شاعر کے اشعار ذکر کیے ہیں؛

إِذا كَانَ الْمُهَلَّبُ من ورائي   هدا لَيْلِي وَقَرَّ لَهُ فؤادِي

وَلَم أخشَ الدَّنِيَّة من أناسٍ   وَلَو صَالُوا بقوةِ قومِ عادِ [6]

آپ کی مرویات

1- حَدَّثَنَا أَسْوَدُ بْنُ عَامِرٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا شَرِيكٌ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنِ الْمُهَلَّبِ بْنِ أَبِي صُفْرَةَ، عَنْ رَجُلٍ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا أُرَاهُمُ اللَّيْلَةَ إِلَّا سَيُبَيِّتُونَكُمْ فَإِنْ فَعَلُوا فَشِعَارُكُمْ

---

1. المؤتلف والمختلف لابن قیسرانی (507ھ)، 1/27
2. تاریخ بیہق، 1/120
3. الاصابہ، 3/325
4. تاریخ دمشق، 7/189
5. طبقات ابن سعد، 7/129
6. ابو الفرج المعافى بن زكريا النهروانى (م390ھ)، الجليس الصالح الكافى والانيس الناصح الشافى، دارلكتب العلمية بيروت لبنان، 1426ھ، 1/401

حم لَا يُنْصَرُونَ. ❶

2- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ، أَخْبرَنَا سُفْيَانُ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنِ الْمُهَلَّبِ بْنِ أَبِي صُفْرَةَ، قَالَ: أَخْبرَنِي مَنْ سَمِعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: «إِنْ بُيِّتُّمْ فَلْيَكُنْ شِعَارُكُمْ حم لَا يُنْصَرُونَ. ❷

3- حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، نا أَبُو دَاوُدَ الطَّيَالِسِيُّ، عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ سِمَاكٍ قَالَ: وَسَمِعْتُ الْمُهَلَّبَ بْنَ أَبِي صُفْرَةَ يُحَدِّثُ عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: «نَهَى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُصَلَّى بَعْدَ الصُّبْحِ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ؛ فَإِنَّهَا تَطْلُعُ عَلَى قَرْنِ أَوْ قَرْنَيْ شَيْطَانٍ. ❸

4- أَخْبرَنَا أَحْمَدُ بْنُ سُلَيْمَانَ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ قَالَ: حَدَّثَنَا شَرِيكٌ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنِ الْمُهَلَّبِ بْنِ أَبِي صُفْرَةَ قَالَ: حَدَّثَنِي رَجُلٌ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ

---

❶ إسناده ضعيف بهذه السياقة لضعف شريك: وهو ابن عبد الله النخعي، وبقية رجاله ثقات رجال الشيخين غير المهاب بن أبي صفرة، فقد روى له أصحاب السنن سوى ابن ماجه، وهو ثقة. وأخرجه النسائي في "الكبرى" (8861) و (10453) - وهو في "عمل اليوم والليلة" (617) - من طريق أبي نعيم، عن شريك، بهذا الإسناد، وفيه: كان ذلك يوم الخندق. وأخرجه الحاكم 2/ 107، والبيهقي في "السنن" 6/ 362 من طريق علي ابن حكيم الأودي، عن شريك، به، وسمى الصحابي البراء بن عازب. وأخرجه عبد الرزاق في "المصنف" (9467) ، وأبو داود (2597) ، والترمذي (1682) ، وابن الجارود في "المنتقى" (1063) ، والحاكم 2/ 107، والبيهقي في "السنن" 6/ 361-362 من طريق سفيان الثوري عن أبي إسحاق، به، ولفظه عند الترمذي: "إنْ بيّتكم العدو فقولوا حم لا ينصرون"، وهذا إسناد.

❷ ابوداؤد، 2597

❸ الآحاد والمثانی لابن ابی عاصم، 1316

صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةَ الْخَنْدَقِ: «إِنِّي لَا أَرَى الْقَوْمَ إِلَّا مُبَيِّتِيكُمُ اللَّيْلَةَ فَإِنَّ شِعَارَكُمْ حم لَا يُنْصَرُونَ». ❶

5- حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ هَارُونَ، ثَنَا أَحْمَدُ بْنُ حَفْصٍ، حَدَّثَنِي أَبِي، ثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ طَهْمَانَ، عَنِ الْحَجَّاجِ بْنِ الْحَجَّاجِ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ عُمَرَ بْنِ سَيْفٍ، عَنِ الْمُهَلَّبِ بْنِ أَبِي صُفْرَةَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «تُبْعَثُ نَارٌ عَلَى أَهْلِ الْمَشْرِقِ فَتَحْشُرُهُمْ إِلَى الْمَغْرِبِ، تَبِيتُ مَعَهُمْ حَيْثُ بَاتُوا، وَتَقِيلُ مَعَهُمْ حَيْثُ قَالُوا، يَكُونُ لَهَا مَا سَقَطَ مِنْهُمْ، وَتَخَلَّفُ تَسُوقُهُمْ سُوقَ الْحَمَلِ الْكَسِيرِ. ❷

6- حدثنا موسى بن هارون، ثنا أحمدُ بن حَفْص، حدثني أبي، ثنا إبراهيمُ بن طَهْمان، عن الحَجَّاج بن الحَجَّاج، عن قَتادة، عن عمر بن سيف، عن المُهَلَّب بن أبي صُفْرَة، عن عبد الله بن عَمرو ابن العاص، قال: قال رسولُ الله صلى الله عليه وسلم: تُبْعَثُ نَارٌ عَلَى أَهْلِ الْمَشْرِقِ فَتَحْشُرُهُمْ إِلَى المَغْرِبِ، فَتَبِيتُ مَعَهُمْ حَيْثُ بَاتُوا، وتَقِيلُ مَعَهُمْ حَيْثُ قَالُوا، يَكُونُ لَهَا مَا سَقَطَ مِنْهُمْ وتَخَلَّفَ، تَسُوقُهُمْ سَوْقَ الجَمَلِ الكَسِيرِ. ❸

آپ کے اقوال زریں

آپ کا شمار عرب کے اہل دانش میں ہوتا تھا۔ کیونکہ آپ کو قابل رشک الٰہی عقل وفہم اور دور اندیشی عطا کی گئی تھی۔ اور پھر مختلف ممالک کے اسفار، وہاں کے لوگوں سے

---

❶ السنن الکبریٰ للنسائی، 8810

❷ المعجم الاوسط للطبرانی، 8092

❸ المعجم الکبیر للطبرانی، 14513

میل جول اور جہادی کارروائیوں، تجربوں اور مشاہدات نے اس میں اور بھی اضافہ کرکے اسے گویا جلا بخش دی ہو۔ امام جاحظ نے آپ کی ایک نصیحت ذکر کی ہے جو آپ نے اپنے بیٹوں کو دی تھی؛

وقال المهلّب لبنيه: يا بني تباذلوا تحابوا، فإن بني الام يختلفون، فكيف بنو العلّات إن البر ينسأ في الاجل، ويزيد في العدد، وإن القطيعة تورث القلة، وتعقب النار بعد الذلة. واتقوا زلّة اللسان، فإن الرجل تزلّ رجله فينتعش، ويزل لسانه فيهلك. وعليكم في الحرب بالمكيدة، فإنها ابلغ من النجدة فإن القتال إذا وقع وقع القضاء، فإن ظفر فقد سعد، وإن ظفر به لم يقولوا فرّط.[1]

ترجمہ: مہلب بن ابی صفرہ رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹوں کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ اے بیٹو! تم ایک دوسرے کے کام آؤ جس سے تمہاری آپس کی محبت میں اضافہ ہوگا۔ اور یاد رکھنا کہ خیافی بھائی آپس میں لڑتے نہیں تو تم علاتی بھائی ہو کر کیسے آپس میں لڑ سکتے ہو۔ بھلائی اور نیکی کرتے رہو کہ اس سے عمر اور آل اولاد میں اضافہ ہوتا ہے۔ قطعہ رحمی سے بچتے رہنا کہ اس سے بے برکتی آتی ہے، ذلت مسلط ہوتی ہے اور اس کے بعد عذاب کا سبب بنتی ہے۔ اور زبان کی لغزش سے بچتے رہنا کیوں کہ اگر آدمی کا پاؤں پھسل جائے تو پھر سے سنبھل سکتا ہے لیکن زبان کا پھسل جانا سنبھلنے کی بجائے تباہی مچا دیتا ہے۔ اور جہاد میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے کر داؤ پیچ سے کام لو کہ اس سے کامیابی ملتی ہے۔ یاد رکھو کہ لڑائی قضا بن کر آتی ہے، جو اس میں کامیاب ہو جائے وہی زہے قسمت ہے لیکن اگر وہ ناکام ہو جائے تو پھر لوگ یہ نہیں کہتے کہ اس نے بہادری

---

[1] عمرو بن بحر بن محبوب الکنانی الشهير بالجاحظ (م255ھ)، البيان والتبيين، مكتبة الهلال بيروت، 1423ھ، 1/ 288

دکھانے میں کمی کی۔ ایک مرتبہ حجاج بن یوسف نے آپ کو اپنے ایک قریبی مگر نابلد شخص کے متعلق لکھا کہ جلدی سے اس کی متابعت کرو۔ آپ نے جواب دیا کہ تمام مصائب میں سے بڑی مصیبت یہ ہے کہ ایسے شخص سے رائے مانگی جائے جسے اس کام کا سرے سے شعور ہی نہ ہو [1]۔ ایک بار فرمایا عجبت لمن يشتري المماليك بماله ولا يشتري الأحرار بمعروفه. [2]

مجھے تعجب ہے کہ لوگ رقم سے غلام اور کنیز تو خرید لیتے ہیں لیکن اچھائی اور نیکی سے آزاد لوگوں کو نہیں؟ یعنی ان کے دل نیکی کرنے سے خریدے جاسکتے ہیں۔ فرمایا کرتے تھے کہ کسی بھی مرد آہن کے پاس عزت دینے والی تیز دھار والی تلوار سے بھی بڑھ کر سچائی کے مثل کوئی چیز نہیں ہوسکتی کہ اگر اسکے پاس صدق ہے تو وہ سب سے باعزت ہے کیونکہ صدق قوت اور کذب عجز ہے [3]۔ مطلب یہ کہ اسلحہ، مال دولت عہدہ اور منصب سے کوئی شخص باعزت نہیں بن جاتا جب تک اس میں صدق نہ ہو۔ فرمایا کرتے جس کا دل جتنا چھوٹا ہو، اسکی زبان اس قدر لمبی ہوتی ہے [4]۔ اور فرماتے کہ مجھے وہ شخص محبوب ہے جس کی عقل زبان پر غالب ہو نہ کہ زبان اسکی عقل پر [5]۔ مطلب جو بولے تو عقل پہ تول کر بولے۔ ایک مرتبہ اپنے بیٹے عبد الملک کو فرمایا: يَا بُنَيَّ إِنَّمَا كَانَتْ وَصِيَّةُ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِدَاتَ أَنْفَذَهَا أَبُو بَكْرِ

---

1. البیان والتبیین، 1/ 212
2. ایضاً، 3/ 141
3. الظرف والظرفاء لامام وشاء (325ھ)، 1/ 41
4. ایضاً، 1/ 46
5. العقد الفرید لابن عبد ربہ الاندلسی (328ھ)، 2/ 303

الصِّدِّيقُ " فَلَا تَبْدَأْ بِالْعِدَةِ، فَإِنَّ مَخْرَجَهَا سَهْلٌ، وَمَصْدَرُهَا وَعْرٌ، وَاعْلَمْ أَنَّ لَا، وَإِنْ قَبُحَتْ فَرُبَّمَا زُوِّجَتْ، وَلَمْ تُوجِبِ الطَّمَعَ. ❶

امام بیہقی رحمہ اللہ آپ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک روایت نقل کرتے ہیں:

عَنْ حَاجِبِ بْنِ الْمُفَضَّلِ بْنِ الْمُهَلَّبِ بْنِ أَبِي صُفْرَةَ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: سَمِعْتُ النُّعْمَانَ بْنَ بَشِيرٍ يَخْطُبُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اعْدِلُوا بَيْنَ أَوْلَادِكُمْ، اعْدِلُوا بَيْنَ أَوْلَادِكُمْ وَفِي رِوَايَةِ سَعْدَانَ أَبْنَائِكُمْ. ❷

فرمایا کرتے تھے: أحسن ثيابكم ما كان على غيركم، وخير دوابكم ما كان تحت سواكم.،الإقدام على الهلكة تغرير، والإحجام عن الفرصة جبن شديد. ❸

الغرض آپ مجموعہ محاسن تھے تبھی تو محدث ابو اسحاق فرمایا کرتے تھے:

مَا رَأَيْتُ أَمِيرًا قَطُّ أَفْضَلَ مِنَ الْمُهَلَّبِ بْنِ أَبِي صُفْرَةَ، وَلا أَسْخَى، وَلا أَشْجَعَ لِقَاءً، وَلا أَبْعَدَ مِمَّا يُكْرَهُ، وَلا أَقْرَبَ مِمَّا يُحَبُّ ❹

آپ کی اولاد میں یزید بن مہلب بھی اپنے وقت کے مایہ ناز تابعی، عالم، سخی، دانشور، شاعر، خطیب اور سپہ سالار تھے ❺۔ آپ کی اہلیہ خیرہ بن ضمرہ قشیریہ بھی ایک ذہین و

---

❶ شعب الایمان للبیہقی، 6/202

❷ شعب الایمان للبیہقی، 8320

❸ الاعجاز والایجاز لثعلبی، 1/78

❹ ابو بکر احمد بن مروان الدینوری (م 333ھ)، المجالس وجواہر العلم، دار ابن حزم بیروت 1419، 4/353

❺ ایک بار اہل عراق کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: يا أهل العراق، يا أهل السبق والسباق، ومكارم الأخلاق، إن أهل الشام في أفواههم لقمة دسمة، زببت لها الأشداق وقاموا لها ☜

قابل عورت تھی [1]۔ اور آپ کی بیٹی ہند بھی بڑی دانا اور عقیل عورت تھی۔ امام ابو بکر محمد بن جعفر حرا ئطیؒ (م327ھ) نے ان کا ایک قول نقل کیا ہے؛

حَدَّثَنَا عِمْرَانُ بْنُ مُوسَى حِكَايَةً عَنْ هِنْدَ بِنْتِ الْمُهَلَّبِ بْنِ أَبِي صُفْرَةَ وَكَانَتْ مِنْ عُقَلَاءِ النَّاسِ قَالَتْ: شَيْئَانِ لَا تُؤْتَمَنُ الْمَرْأَةُ عَلَيْهِمَا: الرِّجَالُ وَالطِّيبُ [2]

آپ رضی اللہ عنہ کے آل اولاد کے بارے میں امام ابن حزم نے لکھا ہے؛

وولد المهلب نحو ثلاثمائة ولد، أعقب منهم تسعة عشر، وأعقابهم بالبصرة وبغيرها وهم المغيرة ويزيد ومروان ومعاوية وزياد وعبد الملك، وحبيب ومحمّد وقبيصة والمفضل والمدرك وأبو عيينة وعبد العزيز وعبد الله وسعيد وشبيب وعمرو وجعفر والحجّاج [3]

آپ نے وفات سے قبل اپنے بیٹوں کو ایک وصیت کی تھی، امام مبرد نے اسے نقل کیا ہے، ان کے الفاظ یہ ہیں؛ وصية المهلب بن أبي صفرة الأزدي؛ ولما احتضر المهلب بن أبي صفرة أوصى بنيه فقال: أوصيكم بتقوى الله وصلة الرحم، فإن تقوى الله تعقب الجنة، وإن صلة الرحم تنسىء في الأجل، وتثري المال، وتجمع الشمل وتكثر العدد، وتعمر الديار، وتعز الجانب. وأنهاكم عن معصية الله، فإنها تعقب النار، وإن قطيعة الرحم تورث القلة والذلة، وتفرق الجمع، وتذر الديار بلقعـًا وتذهب المال، وتطمع العدو، وتبدي العورة. يا

☜ على ساق، وهم غير تاركيها لكم بالمراء والجدال، فالبسوا لهم جلود النمور (1/ 321)

1. ایضاً، 3/248
2. اعتلال القلوب، 2/353
3. جمہرہ انساب، 1/367

بني، قومكم قومكم! إنه ليس لكم عليهم فضل بل هم أفضل منكم إذ فضلوكم وسودوكم ووطؤوا أعقابكم، وبلغوا حاجاتكم لما أردتم، وأعانوكم، فلهم بذلك حق عليكم، وبلاء عندكم لا تؤدون شكره ولا تقومون بحقه. فإن طلبوا فأطلبوهم، وإن سألوا فأعطوهم، وإن لم يسألوا فابتدئوهم وإن شتموا فاحتملوهم، وإن غشوا أبوابكم فلتفتح لهم ولا تغلق دونهم يا بني إني أحب الرجل منكم أن يكون لفعله الفضل على لسانه وأكره للرجل منكم أن يكون للسانه الفضل على فعله [1] إذا غدا عليكم الرجلُ وراح مسلما، فكفى بذلك تقاضياً [2]

حضرت عبداللہ بن سوار عبدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

آپؓ کا تعلق بنو مرہ سے تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدرک صحابی تھے۔ آپؓ کے والد حضرت سوار بن ہمام عبدی رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کے بعد دائرہ اسلام میں داخل ہوئے تھے۔ حضرت راشد بن عمرو رضی اللہ عنہ یہاں اطراف سندھ میں فتوحات حاصل کر کے جونہی عرب واپس لوٹے، یہاں کے مقامی لوگ حسب عادت پھر اپنے وعدے سے مکر گئے اور علم بغاوت بلند کیا۔ اسکی خبر جب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو پہنچی تو انہوں نے حضرت عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ سندھ کے حالات پر نظر ثانی کریں اور کسی قابل شخص کو وہاں بھیج دیں۔ لہٰذا 43ھ میں حضرت عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے ایک لائق فائق فوجی سپہ سالار حضرت عبداللہ بن سوار رضی اللہ عنہ کو چار ہزار سپاہیوں کا دستہ

---

1. التعازی (المراثی والمواعظ والوصایا)، لامام محمد بن یزید ازدی المبرد (285ھ)، 1/153
2. الکامل فی اللغۃ والادب للمبرد، 2/125

دے کر بسوئے سندھ روانہ کیا تاکہ جاکر وہ وہاں کے حالات سنواریں [1]۔ کیونکہ عبداللہ بن سوار رضی اللہ عنہ کو قبل ازیں بھی حضرت ابن عامر رضی اللہ عنہ سندھ کی طرف بھیج چکے تھے [2]۔ آپؓ نے سندھ کے مشہور مقام قیقان (قلات) [3] آکر سرکشوں اور باغیوں کی خوب خبر گیری لی اور ان کو خوب سبق سکھایا۔ ایک خون آشام لڑائی میں انہیں بُری طرح شکست دے کر بہت سارا مال غنیمت لوٹ لیا۔ اس سے پورے قیقان میں آپؓ کی دھاک بیٹھ گئی۔ لوگوں نے ڈر کے مارے آپؓ سے امن طلب کیا اور وعدہ کیا کہ آج کے بعد وہ کبھی سرکشی نہ کریں گے۔ اب کے بار آپؓ کو لگا کہ اب کے بعد یہ لوگ پھر سے بغاوت نہیں کریں گے، لیکن آپؓ کو کیا پتہ تھا کہ یہ تو ان لوگوں کی معمول کی ایک چال ہے جس پر ہر عرب سالار دھوکہ کھاجاتا ہے اور سمجھتا ہے کہ یہ بھی ہماری طرح زبان کے پکے ہیں، اسلئے آپ نے انکی بات پر یقین کر کے انہیں امن دے دیا اور خود دمشق کی راہ لی تاکہ

---

[1] چچ نامہ میں یہ واقعہ 40ھ یا 41ھ میں ہوا (ص 104)، جبکہ ابن خلدون نے اس واقعہ کی تاریخ 42ھ (تاریخ ابن خلدون، 3/ 8)، علامہ ابن اثیر نے 43ھ (الکامل فی التاریخ 3/ 35) اور ایلیٹ نے 46ھ (تاریخ سندھ، ص 101) لکھا ہے۔ 40ھ اور 41ھ تو اس لحاظ سے درست نہیں کہ 40ھ میں تو ابھی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ خلیفہ نہیں بنے تھے اور 41ھ میں جب وہ خلیفہ بنے تو پھر جاکر انہوں نے حضرت عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ کو والی بصرہ مقرر فرمایا، 41ھ ہی میں انہوں نے حضرت راشد بن عمرو رضی اللہ عنہ کو سندھ روانہ کیا جیسا کہ پیچھے تفصیل میں گزر چکا۔ اگلے برس یعنی 42ھ میں حضرت راشد رضی اللہ عنہ یہاں سندھ میں شہید ہوئے تو پھر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حکم پر حضرت عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن سوار رضی اللہ عنہ کو سندھ روانہ فرمایا اور تب تک سن 43ھ شروع ہوچکا تھا۔ اور رہی بات اس کے بعد کی تو 44ھ میں حضرت ابن عامر رضی اللہ عنہ اپنے عہدے سے معزول کر دئے گئے تھے (الکامل فی التاریخ 3/ 38) تو کیسے انہوں نے جاکر 46ھ میں کسی کو بھیجا؟

[2] تاریخ خلیفہ ابن خیاط، 1/ 180

[3] قلات کو اس وقت قیقان یا کیکانان کہا جاتا تھا، ملک سندھ کا ایک بہت بڑا اور اہم ترین علاقہ تھا۔ کمامر تفصیلہ

خلیفۃ المسلمین کو جا کر نہ صرف خوشخبری سنائیں بلکہ ان کیلئے اس بار آپؓ ایک خاص قسم کا تحفہ بھی ساتھ لے گئے۔ چنانچہ آپؓ بارگاہ خلافت میں پہنچے اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں مال غنیمت کے ساتھ قیقانی گھوڑے بھی پیش کر کے سرخرو ہوئے۔ جسے دیکھ کر خلیفہ وقت بہت خوش ہوئے اور آپؓ کی بڑی قدر و تعظیم کی۔ اور اپنے ہاں ٹھہرنے کی دعوت دی۔ خدا کا کرنا کہ ابھی آپ دار لخلافت میں ہی تھے کہ سندھ سے خبر آئی کہ قیقانی اپنی عادت سے مجبور ہو کر پھر سے باغی بن گئے ہیں۔ یہ سن کر آپؓ غصہ سے آگ بگولہ ہو گئے اور وہیں سے اس بار صرف چند سو سپاہیوں کا دستہ لے کر واپس سندھ چلے آئے۔ لیکن افسوس کہ اس بار آپؓ کو حوصلہ مندی نہیں، موت بلکہ شہادت یہاں لائی تھی۔ یہاں قیقانیوں نے اس بار نہ صرف سندھ سے کمک کے لیے فوجی منگوا لیے تھے بلکہ ترکی فوجی بھی بلا لیے تھے جو پہاڑی جنگ لڑنے میں بڑے ماہر تھے۔ انہیں معلوم تھا کہ آپؓ کس راستے سے یہاں آئیں گے، لہٰذا انہوں نے راستے ہی میں جا بجا اپنے سپاہی بٹھا دیے تھے جو اوپر پہاڑیوں سے آپؓ کے لشکر پر پے در پے تیر برساتے رہیں، آپؓ کے ساتھی ان سے برسرپیکار ہوئے تو یہاں سے یہ تازہ دم ہزاروں ترک، سندھی اور قیقانی فوج ان نہتے سینکڑوں عرب مجاہدین پر ٹوٹ پڑے۔ حالات کا جائزہ لے کر آپؓ نے اپنے سربکف مجاہدوں کو للکارا: ”اے مہاجروں اور انصاروں کے فرزندو! کافروں سے منہ نہ موڑنا، تاکہ تمہارے ایمان میں خلل نہ آئے۔ آؤ! اور درجہ شہادت پر فائز ہو جاؤ“۔ یہ سن کر چند صد مجاہدین اس بے جگری سے لڑے کہ باوجود کثرت کے، دشمن کے اوسان خطا ہو گئے۔ لیکن چونکہ دشمن ایک تو تعداد میں بہت زیادہ تھا اور دوسرا یہ کہ دشمن اوپر پہاڑوں پر اور یہ نہتے عرب سپاہی درے میں محصور تھے، اسلئے دشمن کو انہیں مارنا بہت آسان تھا۔ اس لیے انہوں نے ان کو گھیر لیا تھا لیکن مجاہدین نے ان سے بھی کافی سپاہی

واصل جہنم کئے اور پھر خود بھی ایک ایک نے شربت شہادت نوش کیا[1]۔ بلاذری آپ رضی اللہ عنہ کے بارے میں لکھتے ہیں:

ثمَّ ولى عَبْد اللهِ بْن عَامِر في زمن معاوية بْن أَبِي سُفْيَان عَبْد اللهِ بْن سوار العبدي، ويقال ولاه معاوية من قبله ثغر الهند، فغزا القيقان فأصاب مغنما، ثُمَّ وفد إِلَى معاوية وأهدى إليه خيلا قيقانية وأقام عنده، ثُمَّ رجع إِلَى القيقان فاستجاشوا الترك فقتلوه وفيه يقول الشاعر:

وابن سوار عَلَى عدته   موقد النار وقتال السغب

وكان سخيا لم يوقد أحد نارا غير ناره في عسكره فرأى ذات ليلة نارا فقال ما هَذِهِ فقالوا امرأة نفساء يعمل لها خبيص فأمر أن يطعم الناس الخبيص ثلاثا[2]

حضرت عبداللہ بن سوار رضی اللہ عنہ کی شہادت 47ھ میں ہوئی، جیسا کہ امام خلیفہ بن خیاط نے تصریح کی ہے؛ سنة سبع وَأَرْبَعين فِيهَا غزا عَبْد اللهِ بْن سوار الْعَبْدي القيقان فَجمع لَهُ التّرْك فَقتل عَبْد اللهِ بْن سوار وَعَامة ذَلِكَ الْجَيْش وَغلب الْمُشْركُونَ عَلَى بِلَاد القيقان[3]

آپؓ بہت ہی سخی اور فیاض انسان تھے۔ جس کی مثال میں ایک واقعہ اوپر عبارت میں بلاذری نے درج کیا ہے۔ صاحبِ چچ نامہ نے آپؓ کی اس جنگ کی تفصیل کے بارے میں لکھا ہے کہ تاریخ کے مصنفوں نے مہلب سے اس طرح روایت کی ہے جس کو اس

---

[1] تاریخ خلیفہ بن خیاط 1/ 206، المحبر 1/ 154، المعارف 1/ 590، فتوح البلدان 1/ 417، الکامل فی التاریخ 3/ 35، تاریخ ابن خلدون 3/ 8، شذرات الذہب فی اخبار من ذہب 1/ 240۔

[2] فتوح البلدان 1/ 417

[3] تاریخ خلیفہ بن خیاط، 1/ 208

نے ہذلی سے سنا تھا اور ہذلی نے قاسم سے نقل کیا جس کا بیان تھا کہ میں نے نصر بن سفیان سے سنا ہے کہ جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ خلافت پر مستقیم ہوئے تو انہوں نے عبداللہ بن سوار رضی اللہ عنہ کو چار ہزار سواروں کے ساتھ ولایت سندھ پر مامور کیا اور اس ملک کی حکومت اسکے حوالے کی اور مزید کہا کہ سندھ میں ایک پہاڑ ہے جسے کیکانان (قیقان) کہتے ہیں، وہاں کے گھوڑے قد آور اور موزوں شکل وشباہت کے ہیں۔ تم سے پہلے وہاں کی غنیمتیں یہاں پہنچ چکی ہیں [1]۔ وہاں کے لوگ غدار ہیں اور اسی پہاڑ کی پناہ کے سبب چشمک اور سرکشی کرتے ہیں۔ ابوالحسن نے ہذلی سے روایت کی ہے کہ اس نے مسلمہ بن محارب بن زیاد سے سنا ہے کہ جب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن سوار رضی اللہ عنہ کو چار ہزار سوار دے کر بھیجا۔ راستے میں کہیں پڑاؤ ڈال کر لشکر میں آپؓ نے دیکھا کہ کوئی شخص آگ جلا رہا ہے [2]۔

اسکے لشکر میں کوئی کوئی آگ نہ جلاتا تھا کیونکہ پکا ہوا سفری کھانا ان کے ساتھ ہوتا تھا۔ آخر ایک رات لشکر میں روشنی دیکھی تو دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ ایک حاملہ عورت کو بچہ ہوا تھا، اسے آگ کی ضرورت تھی [3]۔ تب آپ نے تمام لشکر کو حلوہ

---

[1] جیسا کہ عرض ہوا کہ حضرت عبداللہ بن سوار عبدی رضی اللہ عنہ سے قبل حضرت راشد بن عمرو رضی اللہ عنہ اس ملک سے مال غنیمت لے کر دربار خلیفہ میں حاضر ہوئے تھے۔ اس لیے غالباً حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اسی کی طرف اشارہ کر رہے تھے۔ واللہ اعلم

[2] آپؓ نے چونکہ پابندی عائد کر رکھی تھی کہ کوئی بھی شخص آگ نہ جلائیں، تمام تر لشکر کیلئے خوراک کا انتظام ہم کریں گے...... اللہ اللہ! چند آدمیوں کے لیے نہیں، دسیوں بیسیوں اور سینکڑوں کے لیے بھی نہیں بلکہ ہزاروں آدمیوں کے لیے خوراک تیار کرنا، اور وہ بھی ایک دو وقت اور ایک دو دن کے لیے نہیں بلکہ کئی کئی دن...... کیا عجب شان تھی جود وسخا کی۔

[3] بلاذری اور ابن اثیر وغیرہ مؤرخین نے اس طرح لکھا ہے کہ ایک عورت کو زچگی کے وقت حلوہ ☜

کھلایا۔ اور اللہ کا کرنا کہ جس جگہ آپ نے یہ تاریخی کارنامہ سرانجام دیا تھا یعنی تمام لشکر کو حلوہ کھلایا تھا، آج بھی وہی پہاڑ "حلوائی" سے مشہور و معروف ہے۔ راقم نے خود خضدار جا کر اس کا معائنہ کیا ہے معلومات نہ ہونے کی وجہ سے وہاں کے عوام کو تو کیا اہل علم کو بھی اس کے متعلق کچھ پتہ نہیں ہے تبھی تو وہ اس کے متعلق بے خبر ہیں [1]۔ دعویٰ سے نہیں بلکہ قیاس اقرب سے یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ اس پہاڑی کے نام کا تعلق حضرت عبد اللہ بن سوار رضی اللہ عنہ کے اس واقعہ سے ہے۔ پھر جب ملک کیکانان پہنچے تو دشمنوں نے غلبہ کیا لیکن لشکر اسلام نے انہیں شکست دے کر بہت سامال غنیمت حاصل کیا [2]۔ اہل کیکانان نے اکٹھے ہو کر پہاڑی راستوں کو جا گھیرا اور چھاپہ مار جنگ شروع ہو گئی۔ عبد اللہ بن سوار رضی اللہ عنہ ہتھیار بند اور خاص آدمیوں کا ایک گروہ ساتھ لے کر جم گئے اور للکار کر انہوں نے کہا کہ اے مہاجروں اور انصاروں کے فرزندو! کافروں سے منہ نہ موڑنا تاکہ تمہارے ایمان میں خلل نہ آئے۔ آؤ! اور درجہ شہادت پر فائز ہو جاؤ۔ یہ سنکر اسلام کا پراگندہ لشکر عبد اللہ رضی اللہ عنہ کے جھنڈے کی چاروں اطراف اکٹھا ہو گیا۔ پھر بنی عبد القیس

کی ضرورت تھی، اسلئے آگ جل رہی تھی، آپ کو معلوم ہوا تو آپ نے حکم دیا کہ تین دن تک تمام لشکر کو حلوہ کھلایا جائے۔

[1] چونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی یہ بے مثال سخاوت تاقیامت دائم رکھنی تھی، اس لیے مذکور مقام کا نام "حلوائی" رکھا گیا۔ گرچہ خضدار کے بعض لوگ اسکے خلاف بتاتے ہیں کہ اصل میں یہ پہاڑ ایک بادشاہ کی وجہ سے "حلوائی" کہلایا جیسا کہ دوسرے باب میں گزر گیا لیکن ڈاکٹر عبد الرحمٰن جیسے محقق حضرات کا بھی خیال ہے کہ یہ حضرت عبد اللہ بن سوار رضی اللہ عنہ کے اس مذکور وقعہ کی وجہ سے مشہور ہوا۔ وھو علی کل شیء قدیر.

[2] ملحوظ خاطر رہے کہ یہاں صاحب چچ نامہ نے آپ رضی اللہ عنہ کے ان دونوں حملوں کو ایک کر کے لکھا ہے حالانکہ ایسا نہیں بلکہ آپ رضی اللہ عنہ نے پہلی بار جب چار ہزار ساتھیوں سمیت حملہ کیا تھا اس میں کامیابی حاصل کر کے واپس دمشق لوٹے تھے، دوبارہ صرف چند سو ساتھیوں سمیت آئے تھے اور یہیں کے ہو کے رہ گئے۔

میں سے ایک بہادر نے باہر نکل کر اپنا مقابل طلب کیا۔ دشمنوں کا ایک سردار آکر اسکے مد مقابل ہوا۔ یاسر بن سوار رضی اللہ عنہ بھی بنی عبد القیس کے آدمی کے ساتھ چلا اور حملہ کر کے سردار کو ڈھیر کر دیا۔ یہ دیکھ کر اہل کیکانان کا سارا لشکر نکل آیا اور آخر کار اسلامی لشکر نے شکست کھائی۔ سارا پہاڑ مقتول سپاہ سے اَٹ گیا۔ ابوالحسن نے روایت کی کہ میں نے حاتم بن قتیبہ الباہلی سے سنا، اس نے بیان کیا کہ میں بھی اس لشکر میں تھا، میں نے دیکھا کہ حضرت عبد اللہ بن سوار رضی اللہ عنہ نے ایک جوان سے مقابلہ کیا اور اس کے ساتھیوں نے حملے کر کے کتنے ہی دشمن قتل ہے اور مردانہ وار جنگ کرتے ہوئے شہید ہوا۔ میں مقتولوں کی تلاشی لے رہا تھا کہ مجھے مہروں سمیت سو انگوٹھیاں ملیں۔ عبد اللہ بن عبد الرحمٰن عبدی نے کہا کہ میں نے ان کی جنگ کے اشعار سنے ہیں جو کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سامنے کہے گئے تھے [1]۔ مؤرخ جناب عبد الحلیم شرر صاحبؒ نے صاحب چچ نامہ کے اس متذکرہ بالا عبارت پر تبصرہ کر کے لکھا ہے کہ چچ نامہ کے مصنف نے جو لکھا ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے عبد اللہ بن سوار رضی اللہ عنہ کو چار ہزار سواروں پر سردار مقرر کر کے روانہ کیا اور حکم دیا کہ تم جا کر سندھ کی حکومت اپنے ہاتھ میں لے لو۔ وہاں جو کوہستان قیقان کے نام سے مشہور ہے اس میں نہایت عمدہ اور پورے قد و قامت کے گھوڑے ہوتے ہیں، اس سے پیشتر وہاں سے گھوڑے آچکے ہیں۔ لیکن وہاں کے لوگ بڑے شریر ہیں اور اپنے کوہستانی دروں کے باعث ہمیشہ سرکشی کے پاداش سے بچ جاتے ہیں۔ یہ غالباً عبد اللہ بن سوار رضی اللہ عنہ کے دوسرے سفر سے متعلق ہے، گو جناب معاویہ کے بیان میں ایسے الفاظ ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ گویا عبد اللہ بن سوار رضی اللہ عنہ کو پہلے پہل روانہ کر رہے ہیں لیکن یہ الفاظ

---

[1] چچ نامہ، ص 104-105

شاید ناواقف مؤرخین کے ذاتی تصرف سے پیدا ہو گئے ہیں [1]۔ دراصل شر صاحب اس عبارت کو صحیح سمجھ نہ پا سکے تھے کیونکہ یہ کسی مؤرخ کے ذاتی تصرف سے نہیں بلکہ خود صاحب چچ نامہ کے اختصار کی وجہ سے ابہام پیدا کر رہے ہیں۔ درحقیقت اس عبارت میں حضرت عبد اللہ بن سوار رضی اللہ عنہ کی دونوں مرتبہ یہاں آنے کو ایک ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ اور یہی سے جناب شر صاحب کو غلط فہمی پیدا ہوئی۔ اگر غور سے چچ نامہ کے اس مندرجہ بالا عبارت کو پڑھا جائے جو ہم ذکر کر چکے ہیں، تو معلوم ہو جائے گا کہ اس میں "جب کیکانان پہنچے تو دشمنوں نے غلبہ کیا لیکن لشکر اسلام نے انہیں شکست دے کر بہت سارا مال غنیمت حاصل کیا" یہاں تک کی عبارت اول بار آنے کی ہے اور اس کے بعد والے الفاظ میں دوسری بار سندھ آنے کی روئیداد ذکر ہے اور بس۔ واللہ اعلم بالصواب

حضرت یاسر بن سوار عبدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

آپؓ حضرت عبد اللہ بن سوار رضی اللہ عنہ کے بھائی تھے۔ آپؓ بھی اپنے بھائی کی طرح مدرک صحابی تھے۔ اپنے بھائی کے ہم رکاب ہو کر وارد سندھ ہوئے تھے۔ اور ان کے ساتھ بہت ہی گرم جوشی سے مصروف جہاد ہو کر دشمن کے دانت کھٹے کیے۔ بقول محمد اسحاق، آپؓ نہایت اعلیٰ ہمت اور مضبوط دل گردے کے مالک تھے [2]۔

چچ نامہ میں ہے کہ ایک بار سندھ کے کسی علاقے (غالباً قلات) میں بنی عبد القیس کے ایک آدمی کے ساتھ کہیں جا رہے تھے کہ دریں اثناء دشمن نے للکارا، دونوں بہادر مجاہدوں نے وہاں قدم جما لیے اور دشمن سے نبرد آزماء ہوئے۔ انکی بہادری اور دلیری کو دیکھ کر دشمن زیادہ دیر تک نہ سکا اور تھوڑے ہی دیر بعد کافروں کے پاؤں اکھڑ گئے

---

[1] تاریخ سندھ، ص 102

[2] محمد اسحاق، برصغیر میں اسلام کے اولیں نقوش، ص 81

اور وہ بھاگ کھڑے ہوئے ۔اور یوں اللہ تعالیٰ نے یاسر بن سوار رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی کو سلامت رکھ کر دشمنوں پر فتح دلادی [1]۔

حضرت سنان بن سلمہ بن محبق الھذلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ کا شمار ان خوش قسمت صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے ہوتا ہے جن کا نام خود سردار دو جہاں جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رکھا [2]۔ آپ رضی اللہ عنہ کے مختلف کنیت کتابوں میں درج ہیں ۔مثلاً ابو عبد الرحمٰن [3]، ابو خُبیب [4]، ابو القاسم [5]، ابو حبیب [6]، ابو بشر [7]، ابو جبتر، ابو الیسر، ابو جبتن [8]، ابو جبیر اور ابو ختر [9]۔

یادرہے کہ سنان کے نام سے اور بھی کئی صحابہ ہیں، لیکن ان کے والد کا نام سلمہ نہیں البتہ ایک اور صحابی بنام سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ آپؓ کے ہم نام ہیں۔ مترجمین نے ان کے

---

[1] چچ نامہ، ص 101

[2] اسد الغابہ، ت 2261

[3] ثقات لابن حبان، ت 583

[4] طبقات ابن خلیفہ، ت 1520

[5] معجم الصحابہ للبغوی، 2/303

[6] انساب الاشراف للبلاذی، 11/254

[7] تہذیب الکمال، ت 2594

[8] التاریخ الکبیر للبخاری، 4/162

[9] اسد الغابہ، ت 2261

نام کے ساتھ "لیس بابن محبق" لکھا ہے یعنی وہ یہ والے سنان نہیں ہیں [1]۔ میرے خیال میں یہ سنان بن نبشہ بن سلمہ بن سلمان ہیں، جن کا نام بعض نے بحذف ولدیت صرف سنان بن سلمہ لکھا ہے [2]۔ اسی طرح سلمہ بن صخر رضی اللہ عنہ کے نام سے ایک اور صحابی ہیں، جو ہذلی نہیں بلکہ انصاری بیاضی ہیں [3]۔ اور ایک صحابی سلمہ بن سنان انصاری بھی ہیں جو جنگ یمامہ میں شہید ہوئے تھے۔ [4]

پاکستان (سندھ) میں وارد اصحاب رسول اللہ ﷺ میں سے حضرت سنان بن سلمہ بن محبق الہذلی رضی اللہ عنہ ایک نامور صحابی رسول ﷺ ہیں کیونکہ آپؓ ایک دو نہیں بلکہ کئی بار یہاں آئے اور پھر اپنی مقررہ میعاد (Tenure) پورا کرنے کے بعد یہاں سے بصرہ چلے جاتے تاہم چوتھی اور آخری بار جب یہاں آئے تو بالآخر یہیں کے

---

1. معجم الصحابہ لابن قانع، 1/319
2. طبقات ابن خلیفہ، 1/80
3. یہ وہی صحابی ہیں جو رمضان میں اپنی بیوی پر واقع ہوئے تھے۔ اور پھر رسول اللہ ﷺ کے پاس جاکر قصہ سنایا تو آپ ﷺ نے انہیں ساٹھ مزید روزے رکھنے کا ارشاد فرمایا۔ حضرت سلمہ بن صخر رضی اللہ عنہ نے بڑی عاجزی کے ساتھ عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ! ایک روزے میں یہ حالت ہوئی تو پھر ساٹھ روزوں میں میری کیا حالت ہوگی؟ تب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ چلو پھر ایک غلام آزاد کردو۔ آپؓ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! اس سر (اپنے سر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولیں کہ اس) کے علاوہ دوسرا سر نہیں رکھتا یعنی غلام کوئی بھی نہیں۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ اچھا پھر صدقہ دے دو تو آپؓ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میں خود بہت غریب ہوں تو کسی اور کو کیا صدقہ دوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اچھا پھر صبر کرو اور بیٹھ جاؤ۔ تھوڑی دیر بعد ایک صحابی ایک ٹھوکری میں کھجور لے آیا۔ آپ ﷺ نے انہیں ارشاد فرمایا کہ جاؤ یہ کھجور لے کر مدینے کے غریب لوگوں پر تقسیم کرلو، اس پر سلمہ رضی اللہ عنہ نے پھر عرض کیا کہ یارسول اللہ! پورے مدینے میں مجھ سے زیادہ کوئی غریب نہیں، آپ ﷺ نے مسکراتے ہوئے فرمایا جاتو ہی لے جا۔ (ثقات لابن حبان، ت 541)
4. آپ کا پورا نام سلمہ بن مسعود بن سنان انصاری ہیں۔ (الکامل فی التاریخ لابن اثیر 2/220)

ہو کر رہ گئے۔ تقریباً تمام مستند اور معتبر کتابوں میں آپؓ کا تذکرہ موجود ہے [1]۔ چونکہ آپؓ کے بارے میں پاکستان میں لوگ بڑے اختلاف میں ہیں، پشاوری مدعی ہیں کہ آپؓ پشاور میں مدفون ہیں جبکہ خضدار کے لوگ الگ سے یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ آپؓ خضدار میں دفن ہیں۔ جبکہ خود خضدار کے بعض اہل علم کہتے ہیں کہ حضرت سنان رضی اللہ عنہ گنداوا میں مدفون ہیں، جیسا کہ آگے تفصیل میں آئے گا۔

علاوہ ازیں آپؓ کب شہید ہوئے اس میں بھی بڑا اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض وہ حضرات جو سرسری مطالعہ رکھتے ہیں، ان کے قلم سے جانے انجانے میں بلا تحقیق

---

[1] انظر عن سنان بن سلمة في: طبقات ابن سعد 7/ 124 و 212، والمصنّف لابن أبي شيبة 13/ 15706، وطبقات خليفة 192، والتاريخ له 209 و 212 و 213 و 236 و 297 و 308، والتاريخ الكبير 4/ 162، رقم 2337، والتاريخ الصغير 106، وتاريخ الثقات 508 رقم 626، والمعرفة والتاريخ 1/ 333 و 3/ 70، وتاريخ اليعقوبي 2/ 234 و 236 و 292، والبرصان والعرجان 307، وفتوح البلدان 531، والجرح والتعديل 4/ 250 رقم 1079، والمراسيل 67 رقم 105، والثقات لابن حبّان 3/ 178، ومشاهير علماء الأمصار، رقم 249، وجمهرة أنساب العرب 196، والاستيعاب 2/ 82، 83، والجمع بين رجال الصحيحين 1/ 205، ومعجم البلدان 1/ 761 و 4/ 105 و 613، وأسد الغابة 2/ 357، وتهذيب الكمال 12/ 149- 151 رقم 2594، وتحفة الأشراف 4/ 87 رقم 212، وتجريد أسماء الصحابة 1/ رقم 2522، والعبر 1/ 54، والكاشف 1/ 323 رقم 2176، وربيع الأبرار 1/ 564، والبصائر والذخائر 1/ 283، وجامع التحصيل 233 رقم 267، والوافي بالوفيات 15/ 461 رقم 627 و 15/ 471 رقم 633، والتذكرة الحمدونية 2/ 27، وتهذيب التهذيب 4/ 241، 242 رقم 412، وتقريب التهذيب 1/ 334 رقم 536، والإصابة 2/ 131 رقم 3800، وخلاصة تذهيب التهذيب 156، وشذرات الذهب 1/ 55، ورجال مسلم 1/ 294 رقم 635.

کچھ ایسے جملے اور دعوے نکل جاتے ہیں کہ جو ہماری تاریخ کے ساتھ اعتقاد اور علم پر برا اثر چھوڑتے ہیں۔ اس قسم کی تحریرات دیکھ کر سوچا کہ اس اہم مسئلے پر مستقل اور محقق کام کرنے کی اشد ضرورت ہے تاکہ نہ تو ہماری تاریخ مسخ ہو اور نہ ہی ہم علم کے ہوتے ہوئے کورے کے کورے رہے بلکہ ہم دنیا کو بتانا چاہتے ہیں کہ ہم مسلمان جہاں علم سے بہرہ مند ہیں وہاں ہم حقیقت ماننے والے حقیقی انسان بھی ہیں۔ بہت سارے مسائل ہیں جنہیں ہم بآسانی حل کر سکتے ہیں اور ان کا حل کرانا ہی عصر حاضر کی اشد ضرورت ہے۔ ایسا ہی ایک مسئلہ جو پشاور کے باسیوں کے لیے معمہ بنا ہوا ہے، وہ حضرت سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ کی جائے تدفین کا تعین ہے کہ آپؓ کہاں شہید ہوئے اور کہاں دفن ہوئے؟ ایک طویل چھان پھٹک اور تحقیق کے بعد اس موضوع یعنی حضرت سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ پر ایک مستقل اور مستند مقالہ تیار کیا ہے، امید ہے کہ انشاء اللہ اس سے کئی خدشات دفع ہو جائیں گے۔ تو آیئے حضرت سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ کی مکمل سوانح اور حالات جو کتابوں میں مذکور ہیں، ملاحظہ کیجیے تاکہ ابتداء سے انتہاء تک سمجھنے میں آسانی ہو۔

آپ رضی اللہ عنہ کا شجرہ نسب

آپؓ کا اسم مبارک جیسا کہ عرض ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سنان رکھا۔ آپؓ کے والد کا نام سلمہ اور دادا کا نام صخر تھا، لیکن وہ اپنے نام صخر سے کم اور اپنے لقب "محبق" سے زیادہ مشہور ہوئے۔ آپؓ کا شجرہ نسب گیارہویں پشت پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جا ملتا ہے۔ آپؓ کا شجرہ یہ ہے: سِنَانُ بْنُ سَلَمَةَ بْنِ الْمُحَبِّقِ بْنِ عُبَيْدِ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ حُصَيْنِ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ عَبْدِ الْعُزّٰى بْنِ وَائِلِ بْنِ ذابعةَ بْنِ هُذَيْلِ

بْنِ مُدْرِكَةَ بْنِ إِلْيَاسِ بْنِ مُضَرَ. [1]

مذکور بالا شجرہ امام ابن قانع (م 351ھ) کا لکھا ہوا ہے، البتہ امام ابن مندہ (م 395ھ) نے یوں درج کیا ہے؛ سنان بن سلمة بن المحبق والمحبق اسمه: صخر بن عقبة بن الحارث بن حصين بن الحارث بن عبد العزى بن وائل بن هذيل بن مدرك بن إلياس بن مضر بن نزار. [2]

ابن حبان (م 354ھ) اور ابو نعیم (م 430ھ) وغیرہ حضرات نے بھی اسی طرح کے نام لکھے ہیں البتہ خلیفہ بن خیاط (م 240ھ) جو ان سب سے مقدم بھی ہیں اور بصری ہیں اور حضرت سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ بھی بصری تھے، اس نے طبقات خلیفہ میں حضرت سنان کے شجرہ میں جہاں صخر کو والد کا نام عقبہ کے بجائے عبید اللہ لکھا ہے وہاں وائل اور ھذیل کے درمیان دو اور ناموں دایغہ اور لحیان کا بھی اضافہ کیا ہے۔ ان کا درج کردہ شجرہ یہ ہے؛

سنان بن سلمة بن المحبق و اسم المحبق صخر بن عبيد الله بن الحارث بن حصين بن الحارث بن عبد العزى بن وائل بن دايغة بن لحيان بن هذيل. [3]

حضرت سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ عرب کے مشہور قبیلہ ھذیل کے چشم و چراغ تھے۔ ھذیل حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے جد امجد مدرکہ کے بیٹے اور خزیمہ کے بھائی تھے۔ اس قبیلہ کے لوگ ہذلی یا ہذیلی سے معروف ہوئے۔ سنان کے دادا کا نام صخر تھا جیسا کہ امام بخاری، ابن سعد اور ابن عبد البر وغیرہ نے لکھا ہے۔ اور امام ابن حجر عسقلانی نے

---

[1] معجم الصحابہ لابن قانع، 1/ 278

[2] معرفۃ الصحابہ، 1/ 684

[3] طبقات خلیفہ، ت 1520

الاصابہ میں قیل کے ساتھ ربیعہ کا ذکر بھی کیا ہے۔ لیکن جیسا کہ پہلے عرض ہوا کہ صخر اپنے نام سے کم ہی جانا جاتا ہے۔ اپنے لقب "محبق" سے زیادہ معروف ہے۔ اب رہی اسکے تلفظ کی بات، کہ اس لفظ میں "ع" کلمہ پر کیا پڑھا جائے؟ یعنی محبق میں باء کا فتحہ پڑھا جائے کہ کسرہ؟ تو ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ مشہور اس میں فتحہ ہی ہے جیسا کہ محمد میں "ع" کلمہ مشدد ہونے کیساتھ مفتوح بھی ہے۔ اسی طرح یہاں بھی محبَّق میں "ح" کلمہ مشدد اور مفتوح ہے۔ ایسے میں پھر اسکے معنی "مجموعہ متاع" کے ہونگے۔ لیکن لغوی علماء اسکے برعکس بتاتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ یہ اصل میں لفظ "ع" کے کسرے کے ساتھ ہے یعنی "محبّق" ہے، بروزن "محدِّث"۔

یہ قول امام زبیدی، عمرو بن شیبہ اور فیروز آبادی کا ہے۔ ایسے میں اس لفظ کے معنی کیا ہونگے؟ تو امام ابن حجر عسقلانی اپنی کتاب "الاصابۃ فی معرفۃ الصحابہ" میں امام عسکری کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ اس کے معنی "مضرط" کی طرح ہے یہ بھی چونکہ دشمنوں کے گوز نکالتا تھا، اس لیے اس کا نام محبّق پڑ گیا[1]۔

محبق کے بیٹے حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، جن سے حدیث کی کتابوں میں کئی روایات منقول ہیں۔ مثلاً ابو داؤد میں حدیث نمبر 645، نسائی میں حدیث 1276 ابن ماجہ میں 710 اور مسند احمد میں 2313۔ اس لیے حضرت سلمہ بن محبق رضی اللہ عنہ نہ صرف صحابی ہیں بلکہ راوی حدیث بھی ہیں۔ حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ کی اہلیہ اور حضرت سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ کی والدہ امامہ بنت التوام تھیں[2]۔

---

[1] الاصابہ، 2/ 231

[2] الاستیعاب، ت 1026/ 1520

حضرت سنان رضی اللہ عنہ کی پیدائش

جس سال فتح مکہ ہوا اسی سال بلکہ اسی دن ان دونوں یعنی حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ اور حضرت امامہ رضی اللہ عنہ کے ہاں ایک بچہ پیدا ہوا۔ اس سعادت مند بچے کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں پیش کیا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیار سے گود میں لیا، تحنیک کیا، اپنے لعاب دہن اس خوش بخت بچے کے منہ میں تھوکے اور اس بچے کے لیے برکت کی دعا کی اور اس کے بعد جنگ و حرب کی نسبت اور بچے کی دیدہ دلیری کو بھانپتے ہوئے اس کا نام ''سنان'' رکھ دیا[1]۔ سردار دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان اقدس سے نکلے اسی مبارک نام کو سلمہ رضی اللہ عنہ نے اتنا پسند کیا کہ اسی دن سے اپنا لقب ''ابوسنان'' اختیار کر لیا[2]۔ امام ابن ابی حاتم (م 327ھ) آپکے بارے میں لکھتے ہیں؛ سنان بن سلمة بن المحبق أبو عبد الرحمن الهذلي قال ولدت في يوم حرب كان للنبي صلى الله عليه وسلم فذهب بي أبي إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم فحنكني وتفل في في ودعا لي و سماني صلى الله عليه وسلم سنانا.[3]

یہ روایت کہ حضرت سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ ''جنگ والے'' دن پیدا ہوئے، دیگر کئی مترجمین نے بھی روایت کی ہے جن میں امیر المؤمنین فی الحدیث امام بخاری بھی شامل ہیں انہوں نے اپنی کتاب ''التاریخ الکبیر'' میں لکھا ہے؛ قَالَ وكيع حَدَّثَنِي ابن سنان بن سَلَمَةَ عَنْ سنان بن سَلَمَةَ قَالَ ولدت فِي يوم حرب كَانَ للنبي صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فسماه النَّبِيّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سنانا[4]۔ اب سوال یہ ہے کہ

---

1. الجرح والتعدیل، ت 1079
2. طبقات خلیفہ، ت 1360
3. الجرح والتعدیل، ت 1079
4. التاریخ الکبیر، ت 2337

آپؓ کب اور کس دن پیدا ہوئے، یوم الحرب جیسا کہ روایت میں آیا ہے تو اس سے مراد کونسی جنگ ہے؟ فتح مکہ والا دن مراد ہے یا پھر جنگ حنین؟ کیونکہ دونوں واقعات اسی برس یعنی 8ھ میں واقع ہوئے۔ امام صفدی، امام عسکری، امام مغلطائی اور امام ابن اثیر فرماتے ہیں کہ حضرت سنان رضی اللہ عنہ فتح مکہ کے دن پیدا ہوئے [1]۔ جبکہ امام ابن حجر عسقلانی اور امام ابن ابی شیبہ کے مطابق آپؓ کی پیدائش غزوہ حنین کے دن ہوئی [2]۔

یاد رہے کہ فتح مکہ 20 رمضان 8 ہجری بمطابق یکم جنوری 630ء کو ہوا اور غزوہ حنین اسکے سترہ دن بعد 8 شوال 8ھ بمطابق 18 جنوری 630ھ کو پیش آیا [3]۔ چنانچہ بنابر اختلاف حضرت سنان رضی اللہ عنہ کی پیدائش سن عیسوی کے حساب سے یکم جنوری یا 18 جنوری 630ھ کو اور ہجری کے حساب سے 20 رمضان یا 8 شوال 8ھ کو ہوئی اور بنابر اتفاق جنوری 630ء اور 8ھ میں آپ رضی اللہ عنہ اس دنیا میں تشریف لائے۔ جیسا کہ عرض ہوا کہ جب آپؓ پیدا ہوئے تو آپؓ کے والد حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ نے آپؓ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں پیش کیا، حضرت سنان رضی اللہ عنہ خود فرماتے ہیں؛ ولدت یَوْم حرب لرسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فسماني رَسُول اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سنانًا [4]

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تحنیک کر کے دعا کی اسکے بعد آپ کے والد جناب سلمہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا میں چاہتا ہوں کہ اسکو جہاد کیلئے وقف کر دوں اور

---

1. اسد الغابہ، 2/560، اکمال تہذیب الکمال؛ ت 2252
2. تقریب التہذیب: ت 2640، مصنف ابن ابی شیبہ: 8/41
3. ضیاء الرحمٰن فاروقی، رہبر و رہنما، ص 68، اشاعت المعارف فیصل آباد، 2002ء
4. اسد الغابہ، ت 2260

یہ ساری عمر جہاد کرتا رہے۔ تبھی تو آپ ﷺ نے اس کا نام "سنان" رکھا۔

وقيل: إنه لما ولد قال أبوه سلمة: لسنان أقاتل به في سبيل الله أحب إلي منه، فسماه رَسُول اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سنانًا (ابن اثیر)

سنان کے لغوی معنی "نیزے کے پھل" کے ہیں۔ واقعی آپؓ اسم بہ مسمیٰ ٹھہرے کہ اللہ نے آپؓ کو جہاد کے لیے ایسا قبول کیا کہ آخری دم تک آپؓ جہاد و قتال میں مصروف عمل رہے۔

بچپن ولڑکپن

حضرت عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ نے امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم سے جب 14ھ میں بصرہ شہر آباد کیا تو ابتداء میں آٹھ سو آدمیوں نے جاکر وہاں سکونت اختیار کی لیکن تھوڑے ہی عرصہ بعد یہ تعداد لاکھوں تک بڑھ گئی [1]۔ چنانچہ ان ہی ابتدائی افراد میں حضرت سلمہ بن محبق رضی اللہ عنہ بھی تھے جنہوں نے بصرہ ہجرت کی اور اسے اپنا مستقل مسکن ٹھہرایا [2]۔ اسکے بعد حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ کی اولاد بصری کہلائی [3]۔ لہٰذا ایک عجیب امر کے تحت حضرت سنان رضی اللہ عنہ پیدائشی مکی ہیں، آپؓ کا بچپن مدینہ میں گزرا، پھر بصرہ چلے گئے اور وہاں رہنے لگے، والی بحرین رہے جبکہ زیادہ تر وقت آپؓ کا یہاں پاکستان میں جہادی کارروائیوں میں گزرا حتی کہ یہاں شہید ہوکر ہمیشہ کے لیے سو گئے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

مدینہ میں آپ رضی اللہ عنہ کے بچپن کا ایک واقعہ ابن سعد اپنی کتاب طبقات میں

---

[1] فتوح البلدان، ص365

[2] معرفۃ الصحابہ لابن مندہ، 1/314

[3] تاریخ الاوسط للبخاری، ت1038

7/124 پر لکھا ہے، آپ رضی اللہ عنہ خود فرماتے ہیں کہ جس وقت میں چھوٹا تھا تو مدینہ کے بچوں کے ساتھ ہولیا اور ہم مدینہ کے ایک نخلستان میں چلے گئے۔ وہاں میں بچوں کے ساتھ زمین پر پڑے کھجور چُن رہا تھا کہ اتنے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ وہاں وارد ہوئے۔ انہیں دیکھتے ہی سارے بچے بھاگ گئے لیکن میں اپنی جگہ کھڑا رہا۔ میں نے کہا کہ امیر المؤمنین یہ وہ کھجور ہیں جو ہوا سے گر کر زمین پر پڑے تھے، انہوں نے فرمایا کہ مجھے دکھاؤ میں گرے ہوئے کھجور جانتا ہوں۔ میں نے اپنا دامن دکھایا تو جھانک کر کہنے لگے: تم نے سچ کہا۔ اور پھر جب انہوں نے مجھے جانے کو کہا تو میں نے کہا کہ اے امیر المؤمنین! جونہی آپؓ چلے جائیں گے تو یہ بچے مجھ پر جھپٹ کر تمام کھجور لے اڑیں گے۔ یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ میرے ساتھ ہوئے اور یوں میں ان کی معیت میں گھر پہنچ گیا۔

اس لیے کہا گیا کہ کیا عجیب اتفاق ہے کہ حضرت سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ پیدا مکہ میں ہوئے، بچپن مدینہ میں گزارا، پلے بڑھے بصرہ میں اور دفن پاکستان میں ہوئے۔ فیا للعجب

پاکستان (سندھ) میں آمد

47ھ میں حضرت عبد اللہ بن سوار رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد خلیفۃ المسلمین حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے 48ھ میں بصرہ کے گورنر حضرت زیاد بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ (سندھ و خراسان جن کی زیر کمان تھے) کو لکھ بھیجا کہ ایک قابل سپہ سالار کو منتخب کر کے سندھ روانہ کرو تا کہ وہ وہاں کے حالات بہتر کر سکے، چنانچہ انہوں نے حضرت سنان بن سلمہ بن محبق الہذلی رضی اللہ عنہ کو سندھ کی طرف بھیجا جو نہایت عالم فاضل اور مدبر انسان تھا۔ چچ نامہ میں لکھا ہے کہ اس تاریخ کی تشریح کرنے والوں نے ہذلی اور عیسیٰ بن موسیٰ سے سنا جس نے اپنے باپ سے روایت کی ہے کہ جب عبد اللہ بن سوار رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت زیاد بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کو لکھ بھیجا کہ کوئی ماہر

مدبر سپہ سالار سندھ کی طرف روانہ کرو جو حالات کو سنبھالیں۔ جواب میں حضرت زیاد رضی اللہ عنہ نے لکھا کہ میرے پاس اس کام کیلئے اہل دو آدمی ہیں، ایک احنف بن قیس رضی اللہ عنہ اور دوسرا حضرت سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ، اب آپؓ کی مرضی کہ کس کو بھیجوں؟ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے جوب لکھا کہ احنف بن قیس رضی اللہ عنہ کو میں دونا فرمانیوں میں سے کس کا انعام دوں؟ ام المؤمنین (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا) سے بے وفائی کا یا پھر جنگ صفین کے دن ہمارے خلاف کوشش کرنے کا؟ اسلئے حضرت سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ کو روانہ کرو۔ حضرت زیاد رضی اللہ عنہ نے پھر لکھ بھیجا کہ احنف بن قیس، شرف عقل اور قیادت کے اس درجے پر پہنچ چکا ہے کہ جہاں نہ کوئی حکومت اسے فائدہ پہنچا سکتی ہے اور نہ برطرفی اسے کوئی نقصان۔ پھر آپؓ مکران چلے گئے اور فتوحات حاصل کرنے کے بعد دو سال اور ایک ماہ تک وہاں ٹھہرے رہے [1]۔ امام خلیفہ بن خیاط فرماتے ہیں: سنة ثمان وَأَرْبَعين قَالَ أَبُو الْيَقظَان لما قتل عَبْد اللهِ بْن سوار كتب مُعَاوِيَة إِلَى زِيَاد انْظُر رجلا يصلح لثغر الْهِنْد فوجه فَوجه زِيَاد سِنَان بْن سَلمَة بْن محبق الْهُذلِيّ. [2]

حضرت سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ 48ھ میں سندھ آئے اور چند ہی دنوں میں ابتری دور کر کے حالت ایک دم بہتر کر کے کمال کر دیا۔ مکران، قیقان اور قندابیل علاقوں کے سرکشوں کو جا دبایا، اور جنہوں نے سامنے آنے کی جرات کی، انہیں راستے سے ہٹا دیا گیا۔ آپؓ نے یہاں کے نہ صرف حالات سنوارے بلکہ یہاں کی گلیاں کوچے بھی ٹھیک کرائے۔ قدرت نے حضرت سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ کو قابل رشک صلاحیات سے نوازا تھا جن میں علم، فہم، دوراندیشی، اطاعت رسول اور انتظامی امور کی مہارت شامل ہیں۔

---

[1] چچ نامہ، ص 108

[2] تاریخ خلیفہ بن خیاط، 1/209

بصرہ کو واپسی

قریباً دو سال یہاں گزارنے کے بعد حضرت سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ معزول ہو کر واپس ہونے کو تھے کہ انہیں یہ خدشہ لاحق ہوا کہ ان کے جانے کے بعد حسب معمول مقامی لوگ پھر سے بغاوت کر دیں گے اس لیے انہوں نے والی بصرہ حضرت زیاد رضی اللہ عنہ کو خبر دار کیا، تب حضرت زیاد رضی اللہ عنہ نے قیقان کے فاتح حضرت راشد بن عمرو جدیدی رضی اللہ عنہ کو پھر سے یہ ولایت سونپی، یاد رہے حضرت راشد رضی اللہ عنہ، حضرت سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ کے شاگرد بھی ہیں، جیسا کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے تصریح کی ہے [1]۔ حضرت راشد رضی اللہ عنہ وہی تھے جنہوں نے 42ھ یا 43ھ میں آکر اس علاقے کو فتح کیا تھا۔ اور بہت سارا مال و اسباب غنیمت میں ساتھ لے گیا تھا۔ بعض حضرات کا خیال ہے کہ آپؓ پہلی بار جب یہاں سندھ آئے تھے تو شہید ہو گئے تھے جیسا کہ بلاذری نے لکھا ہے: ثُمَّ استعمل زياد عَلَى الثغر راشد بْن عَمْرو الجديدي منَ الأزد فأتى مكران، ثُمَّ غزا القيقان فظفر، ثُمَّ غزا الميد فقتل وقام بأمر الناس سنان بْن سلمة فولاه زياد الثغر فأقام به سنتين [2]

"پھر زیاد نے راشد بن عمرو الجدیدی ازدی کو ہند پر حملہ کرنے کیلئے بھیجا جو مکران آیا، پھر اس نے قیان پر حملہ کیا اور اس نے کامیابی حاصل کی، پھر اس نے مید پر حملہ کیا اور فتح کیا اور حضرت سنان رضی اللہ عنہ کو وہاں پر حاکم مقرر کیا جس نے دو سال ہند میں قیام کیا۔"

لیکن حقیقت یہ ہے کہ آپؓ دو بار آئے تھے اور بلاذری کی یہ عبارت دوسری بار آنے

---

[1] تاریخ الکبیر، تحت ترجمہ 2337

[2] فتوح البلدان، 1/418

کی ہے جیسا کہ علامہ علی محمد الصلابی لکھتے ہیں؛ فلم يدم المقام لابن سوّار طويلاً في ثغر السند فقد قتلته جماعة من الترك هناك في سنة 47 ھ وفي سنة 48 ھ اختار زياد بن أبي سفيان سنان بن سلمة بن المُحَبَّق الهذلي ليكون والياً على الاقاليم المفتوحة من ثغر السند وما أن وصل سنان إلى هناك حتى تمكن من فتح مدينة مكران (عنوّة) ومصَّرها وأقام بها وضبط البلاد. ولكن سنان لم يمكث هناك سوى سنة أو سنتان ثم عزله زياد. وولى مكانه راشد بن عمرو الأزدي، فأتى مكران ثم تقدم في بلاد القيقان، فظفر، ثم اتجه نحو الميد، فقتل هناك [1]

"ابن سوار ہند میں زیادہ دیر تک نہیں رہ سکا کیوں کہ سنہ 47 ہجری میں ترک کے ایک گروہ نے اسے وہاں مار ڈالا اور 48ھ میں زیاد بن ابی سفیان نے سنن بن سلمہ بن المحبق الحذیلی ہند کے مفتوح علاقوں کا گورنر منتخب کیا۔ پھر حضرت سنان رضی اللہ عنہ یہاں پہنچ گئے جس نے مکران فتح کیا اور اس کو جدید شہر بنا کر خود اس میں مقیم رہا اور ملک پر قابو پالیا۔ لیکن سنان وہاں صرف ایک یا دو سال رہا، اور پھر زیاد نے اسے ہٹا دیا۔ راشد بن عمرو الازدی نے اپنی جگہ لی، پھر مکران تشریف لائے اور پھر ملک قیقان ترقی پذیر ہوا اس لیے راشد نے دوبارہ فاتحانہ حملہ کیا اور مید کی طرف بڑھا، اور وہ وہاں شہید ہوا۔"

خلیفہ ابن خیاط، بلاذری، حموی، ابن اثیر، ابن عماد، یافعی اور امام ذہبی سمیت تمام مؤرخین اس بات پر متفق ہیں کہ پہلی مرتبہ حضرت راشد بن عمرو رضی اللہ عنہ نے مقاتلہ کر کے خوب مال غنیمت حاصل کیا تھا اور جب دوبارہ آئے تو یہاں شہید ہوئے۔ [2]

---

[1] علی محمد الصلابی، معاویہ بن ابی سفیان، 1 / 443، دار الاندلس مصر 1429ھ

[2] تاریخ خلیفه ابن خیاط 1 / 205، تاریخ ابن اثیر 1 / 36 ، تاریخ الاسلام 4 / 10، ☜

حضرت راشد بن عمرو رضی اللہ عنہ عرب کے بہت ہی شریف خاندان میں سے تھے اور اس کے ساتھ ذاتی لیاقت اور خوبیوں سے بھی آراستہ تھے۔ کم سنی ہی میں اس نے شجاعت کے جوہر دکھادیئے تھے۔ جب حضرت زیاد رضی اللہ عنہ نے سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ کو بصرہ واپس بھیجنا چاہا اور متبادل کسی سپہ سالار کی تلاش میں تھے تو ان ہی دنوں حسن اتفاق سے یہ بہادر سردار امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دربار میں پیش کیا گیا اور اس کے تمام اوصاف ظاہر کئے گئے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان اوصاف پر ان کی یہاں تک قدر کی کہ اپنے ساتھ تخت خلافت پر بٹھایا۔ اس کے بعد تمام افسرانِ فوج کی طرف مخاطب ہو کے فرمایا کہ راشد ایک بے مثل شخص ہے، تم سب لوگوں کو چاہیے کہ اس کی اطاعت کرو اور اسے معرکہ کارزار میں تن تنہا نہ چھوڑو۔ یہ کہنے کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت راشد رضی اللہ عنہ کو سندھ روانہ کیا کہ وہ جا کے مہم سندھ سرانجام دیں [1]۔ اس کے ساتھ ہی سندھ میں موجود حضرت سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ کو لکھ بھیجا کہ میں نے راشد کو سندھ روانہ کر دیا ہے۔ یہ پہنچیں تو باہر آکر ان کا استقبال کرنا اور پھر انہیں وہاں کے حالات سے آگاہ کر دینا۔

حضرت راشد رضی اللہ عنہ کا آپ کی سیادت کا اعتراف

حضرت راشد رضی اللہ عنہ جب مکران پہنچے تو حضرت سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ نے اس کا پرجوش خیر مقدم کیا اور پھر اپنے ساتھ کافی دیر تک بٹھا کر تمام تر حالات سے انہیں

؎ مرآة الجنان لليافعي 1/ 97 ، معجم البلدان 3/ 179 ، شذرات الذهب 1/ 271 ، الدولة الاموية 1/ 39

[1] تقریباً ہر دو سال بعد یہاں کے والی کو تبدیل کیا جاتا تھا، اس لیے حضرت سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ کئی بار یہاں آئے اور واپس چلے گئے۔

خبر دار کیا۔ حالات سے واقفیت حاصل کرنے کے بعد حضرت راشد رضی اللہ عنہ جب مجلس سے اٹھے تو انہوں نے حضرت سنان رضی اللہ عنہ کو صائب الرائے سالار اور دور اندیش رہنما پاکر بے اختیار اور برملا اعتراف کرتے ہوئے فرمایا کہ؛

"خدا کی قسم! سنان ایک عظیم انسان ہیں اور وہ حقیقت میں سرداری کے مستحق ہیں۔"

پھر حضرت راشد رضی اللہ عنہ نے سندھ کے سرحدی بلاد پر فوج کشی شروع کر دی۔ کوہ پایا والوں کے خراج وصول کر کے قیقان پر حملہ کیا۔ وہاں سے موجودہ اور آئندہ دو سال کا خراج وصول کیا اور بھی بہت سارا مال غنیمت اور لونڈی غلام ان سے اپنے ہاتھ لیے۔ ایک برس قیام کے میں یہ سب کارروائیاں کر کے وہ براہ سیستان واپس ہوا۔ مندر اور بہرج کی پہاڑیوں تک پہنچا تھا کہ کوہستانی لوگوں نے جو مید کہلاتے تھے، پچاس ہزار آدمیوں کے لشکر سے ان پر حملہ کر دیا، ادھر یہ تعداد میں بھی بہت کم تھے اور دوسری بات یہ کہ ان پر اچانک حملہ ہوا، پھر بھی مجاہدین نے بڑی بے جگری سے لڑائی کی اور صبح سے لیکر شام تک باوجود قلت کے، ایسے لڑے کہ دشمن کے اوسان خطا کر دیئے۔ خوب مقابلہ کرنے کے بعد بالآخر مسلمانوں کو ہزیمت اٹھانی پڑی اور سب سے بڑا نقصان یہ ہوا کہ سالار لشکر حضرت راشد بن عمرو رضی اللہ عنہ اس میدان کارزار میں شہید ہو گئے[1]۔

جیسا کہ عرض ہوا کہ حضرت راشد بن عمرو رضی اللہ عنہ سندھی قوم "مید" سے جنگ کرتے ہوئے شہید ہو گئے تھے۔ اسی مید قوم کے متعلق مسلمانوں کے اولیں اور مستند جغرافیہ داں ابن خرداذبہ (م 280ھ) نے لکھا ہے کہ اس مید قوم کا تعلق سندھ

---

[1] چچ نامہ، ص 106-107

سے ہے جو سندھ کے ساحلی علاقہ میں مقیم ہے جو عرب میں بھی ہے [1]۔ اصطخری (م 346ھ) نے بھی اسی طرح لکھا ہے:

والکفّار فی حدود بلد السند انّما هم البدهة وقوم یعرفون بالمید. [2]

سندھ کی اس بڑی قوم کا مذہب بودھ مت تھا جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ ان کو مید اس لیے کہتے تھے کہ یہ لوگ سمندری ڈاکو یعنی قزاق تھے اور ان کا علاقہ بھی سندھ کا ساحلی علاقہ تھا جیسا کہ قاضی اطہر صاحب نے اپنی کتاب "عرب و ہند عہد نبوی میں" اور سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے "عرب و ہند تعلقات" میں اس قوم پر تفصیلی بحث کی ہے۔ الحاصل مید قوم اس وقت جٹ (زط) قوم کی طرح سندھ کی ایک بڑی قوم تھی جو نہ صرف سندھ بلکہ عرب میں بھی جا بجا آباد تھی [3]۔

حضرت سنان کا دوبارہ واپس آنا

بہر حال 50ھ میں جب حضرت راشد رضی اللہ عنہ شہید ہوئے [4]، اور اس کی خبر حضرت سنان رضی اللہ عنہ کو پہنچی تو مجبوراً حضرت سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ نے واپس آکر پھر سے فوجی قیادت اپنے ہاتھ میں لے لی اور جب تک والی بصرہ حضرت زیاد رضی اللہ عنہ کو پتہ چلتا، تب تک آپ رضی اللہ عنہ نے دشمن سے حضرت راشد رضی اللہ عنہ کا انتقام لے لیا تھا۔ حضرت زیاد رضی اللہ عنہ کو جب خبر ملی تو وہ اس سے بہت خوش ہوئے کیونکہ انہوں نے بھی حضرت سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ کو امیر بنانے کا حکم نامہ جاری کر دیا تھا [5]۔ یہ حضرت سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ کی

---

1. والممالک للخرداذبہ، ص 62
2. المسالک والممالک للاصطخری، ص 176
3. عرب و ہند عہد نبوی میں، ص 76
4. تاریخ خلیفہ ابن خیاط 1/211
5. چچ نامہ میں ابن زیاد لکھا ہے جو کہ غلط ہے کیونکہ ابھی حضرت زیاد بقید حیات تھے اور اختیار ☜

دوبارہ یہاں سندھ آمد تھی۔ ایک فطری سپہ سالار ہونے اور رسول اللہ ﷺ کی دعا کی برکت سے آپ کا ہر سو چرچہ ہونے لگا تھا۔

حضرت سنان رضی اللہ عنہ کی کرامات

حضرت سنان رضی اللہ عنہ کے ساتھ یہاں سندھ میں کئی ایک عجیب واقعات پیش آئے۔ مثلاً ایک مرتبہ آپؓ لشکر آراستہ لے کر کافروں کے مقابلے کیلئے جا رہے تھے کہ راستے میں آپ رضی اللہ عنہ نے خواب دیکھا کہ پیغمبر ﷺ آپؓ کو فرمارہے ہیں کہ تیرا باپ تیری مردانگی پر ناز کرتا تھا، آج تیرا دن ہے۔ بہت سی ولایتیں تیرے قبضے میں آئیں گی اور ان کی اصلاح ہوگی [1]۔ پھر آپ رضی اللہ عنہ روانہ ہوئے اور سندھ کے بعض ممالک مکران، قندابیل، ارزابیل وغیرہ اپنے قبضے میں لے کر قیقان جا پہنچے۔ اسی طرح کا ایک عجیب واقعہ جسے خلیفہ ابن خیاط اور علامہ ابن حجر عسقلانی نے نقل کیا ہے۔ اس واقعہ کے بارے میں خود ان حضرات کے الفاظ یہ ہیں "له خبر عجیب فی الهند"۔ واقعہ کو خلیفہ بن خیاط نے خلیفہ النهیال اور انہوں نے حضرت سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ کے مولیٰ ابو یمان سے روایت کیا ہے [2]، فرماتے ہیں کہ ہم سنان کے ساتھ قیقان کی لڑائی

☜ انہی کے پاس تھانہ کہ ابن زیاد کے پاس اور یہ واقعہ 50ھ کا ہے۔ جبکہ حضرت زیاد جب 53ھ میں طاعون کے ہاتھوں فوت ہوئے تب جاکر ابن زیاد خراسان کے والی بنے۔ خلیفہ ابن خیاط لکھتے ہیں؛

سنة ثَلَاث وَخمسين

فِيهَا مَاتَ زِيَاد بْن أَبِي سُفْيَان بِالْكُوفَةِ واستخلف عَلَى الْبَصْرَة سَمُرَة بْن جُنْدُب وعَلى الْكُوفَة عَبْد اللهِ بْن خَالِد وفيهَا ولى مُعَاوِيَة عبيد الله ابْن زِيَاد خُرَاسَان مَاتَ زِيَاد وَهُوَ ابْن ثَلَاث وَخمسين (211/1)

[1] چچ نامہ، ص108

[2] ابو یمان جس کا نام معلی بن راشد بصری ہے، حضرت سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ کے غلام تھے اور ان کے ☜

میں شریک تھے کہ دشمن کی بہت بڑی فوج سے ہمارا آمنا سامنا ہوا۔ حضرت سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ نے یہ دیکھ کر ہمیں مخاطب کیا؛

"تم لوگوں کے لیے خوشخبری ہے کہ دونوں طرف عظیم نعمتیں ہیں۔ ایک طرف جنت ہے (اگر تم شہید ہو گئے) اور دوسری طرف مال غنیمت ہے (اگر تم غازی بن گئے)۔" بعد ازاں انہوں نے سات (7) پتھر زمین سے اٹھائے اور قوم کو مخاطب ہو کر فرمایا کہ جب تم مجھے دیکھو کہ میں دوران جنگ پتھر اٹھا رہا ہوں تو تم بھی میری تقلید کر کے پتھر اٹھاؤ جو تعداد میں سات ہو، پھر جب سورج بالکل سر کے اوپر ہو جائے یعنی دوپہر کا وقت ہو جائے تو تم ایک پتھر دشمن کی جانب پھینک کر تکبیر پڑھو۔ پھر اسی طرح ایک ایک پھینکتے رہو حتیٰ کہ چھٹا بھی پھینک چکو، پھر ساتواں اس وقت پھینک دینا جب سورج وسط آسمان سے (مغرب کی جانب) ڈھل جائے (یعنی سہ پہر کے وقت)۔ پھر سنان رضی اللہ عنہ نے حٰمٓ لا ینصرون تلاوت کی، تکبیر پڑھی اور ہاتھ میں تلوار لے کر میدان میں کود پڑیں۔ ہم نے بھی تلواریں سونت لیں اور دشمن پر ٹوٹ پڑیں اور ہم نے دشمن کے صف در صف واصل جہنم کیے۔ (جنگ جیت کر) ہم چار فرسخ (تقریباً تیس کلو میٹر) آگے بڑھے تھے کہ (دریں اثناء وہاں ہمیں) ایک قوم نظر آئی جسے ہم نے اس سے پہلے کبھی دیکھا نہیں تھا۔ (اس قوم کے آدمی) عمدہ گھوڑوں پر سوار تھے، (ان کے سروں پر) سفید پگڑیاں بندھی ہوئی تھی اور وہ ناشنا لوگ تھے۔ انہوں نے ہمیں بتایا کہ (تمہارا کیا خیال ہے کہ جنگ تم نے لڑ کر جیتی ہے؟ نہیں بلکہ) اصل میں جنگ تم لوگوں نے نہیں کی، بلکہ انہوں نے کی کہ جو تمہیں نظر تو نہیں آ رہے تھے

لہ شاگرد بھی تھے۔ (العقد الثمین، ص108)

لیکن تھے تمہارے ساتھ ہی (جواب میں) ہم نے کہا کہ یہ تو اللہ کی مدد تھی (جو ہمارے ساتھ شامل حال رہی)۔ پھر ہم واپس آئے (اور واقعی وہ اللہ کی خاص مدد تھی کہ دشمن کے بڑے لشکر کا ہم نے صفایا کیا اور) ہمارا صرف ایک آدمی شہید ہوا[1]۔ اور ہم نے جب اس کا ذکر سنان سے کیا تو انہوں نے فرمایا کہ ہم نے جس طرح کیا (کہ پتھر اٹھا کر دشمن پر پھینکے، یہ دراصل ہم نے سنت کی پیروی کی کہ) رسول اللہ ﷺ بھی اسی طرح کیا کرتے تھے (جس طرح ہم نے کیا اور تب اللہ کی مدد متوجہ ہوئی)[2]۔

عجیب طریقہ جہاد کے موجد

قیقان پہنچ کر آپؓ وہاں پر دو سال تک مقیم رہے۔ اللہ کا کرنا کہ جب آپؓ سندھ میں موجود ہوتے، نہ کوئی شر و فساد ہوتا اور نہ ہی کسی کو بغاوت و سرکشی کرنے کی جرات ہوتی تھی۔ اور سب سے عجب بات یہ کہ اسلامی لشکر سے بھی کوئی بھاگنے اور فرار کرنے کی جرات نہ کرتا جس طرح اس سے پہلے ہوا کرتا تھا۔ کیونکہ آپؓ نے اس مسئلے کے حل کیلئے ایک عجیب ترکیب سوچھی تھی جو نہایت کارگر ثابت ہوئی۔ جب حضرت سنان رضی اللہ عنہ یہاں سندھ آئے تو یہاں کے حالات کا بغور جائزہ لیا اور نہ صرف یہاں کے مقامی لوگوں کے مزاج سے اپنے آپ کو آگاہ کیا بلکہ اپنے لشکر کا بھی خوب جائزہ لیا، آپؓ نے محسوس کر لیا کہ ہمارے لشکر میں بھی ایک خامی ہے کہ یہ جب دیکھتے ہیں کہ دشمن کی فوج غلبہ حاصل کر رہی ہے تو یہ میدان لشکر سے بھاگ جاتے ہیں، گرچہ بعض اوقات بھاگنا بھی بہادری ہے لیکن تسلسل کے ساتھ ایسا کرنا بالکل درست

---

[1] اس واحد مجاہد کا نام علامہ ذہبی نے عبداللہ بن عباس لکھا ہے جو یہاں شہید ہوا۔ (تاریخ اسلام، 8/4)

[2] تاریخ خلیفہ، 212/1

نہیں بلکہ اسلامی تشخص کے خلاف ہے، اور یہ بھی یہاں کے لوگوں کی ایک چال تھی جس طرح حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عبد اللہ بن سوار رضی اللہ عنہ کو خبر دار کیا تھا کہ یہاں کے لوگ بڑے چالباز اور دھوکہ باز ہیں، اپنے مخصوص چالوں کے ذریعے مخالف لشکر کو منقسم کر کے انہیں میدان سے بھگانے پر مجبور کرتے تھے، محتاط رہنا۔ اس لیے آپؓ نے اس مسئلے کے حل کے لیے ایک بہت ہی عجیب حل نکال لیا۔ اپنے لشکر کو جمع کیا اور ایک نیا طریقہ ایجاد کر کے ان سے ایک حلف لیا کہ جو بھی شخص میدان جنگ سے بھاگے گا تو اس کی منکوحہ بیوی اس پر طلاق ہو گی۔ شاعر نے اسی عجیب و غریب رسم کے قیام پر کیا خوب کہا تھا؛

رأيت هذيلا أحدثت في يمينها　　　طلاق نساء ما يسوق لها مهرا

لهان عَلَى حلفة ابن محبق　　　إذا رفعت أعنا قها حلقا صفرا [1]

ترجمہ: میں نے ہذیل (یعنی حضرت سنان بن سلمہ ہذیلی رضی اللہ عنہ) کو دیکھا کہ انہوں نے اپنی قسم کھانے میں مہر ادا کیے جو عورتوں کو طلاق دینے کی نئی قسم کی ایجاد ہے۔ مگر مجھے ابن محبق (سنان بن سلمہ بن محبق رضی اللہ عنہ) کی قسم! آسان ہے جبکہ عورتیں گردنیں اٹھا اٹھا کر سونے کی بالیاں دکھائیں۔

آپؓ کی یہ چال کام کر گئی اور دیکھتے ہی دیکھتے آپؓ نے اللہ کی نصرت سے نہ صرف قیقان بلکہ آس پاس کے تمام علاقے اپنے زیر کیے [2]۔ کیونکہ آپؓ بے مثال شجاعت و بسالت، فقاہت و سیاست، تدبر و تفکر اور قائدانہ صلاحیت کے مالک تھے۔ خلیفہ، بلاذری، طبری، ذہبی، ابن حجر، ابن اثیر سمیت تمام مورخین نے آپؓ کی علمیت

---

[1] فتوح البلدان، ص 418

[2] ایضا

اور سیاست کی تعریف کی ہے [1]۔

حضرت سنان کی ولایت

اس بار حضرت سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ نے علاقے میں مکمل امن و امان نافذ کر دیا اور ہر قسم کے باغیوں کو گلا دبا لیا۔ اور مدت قلیل میں وہاں فلاح و بہبود کے بہیترے کام کئے۔ ایک طرف آپؓ نے اپنی قائدانہ صلاحیت کے بل بوتے پر دشمنان اسلام کی بیخ کنی کی تو دوسری طرف اپنی علمیت، پرہیز گاری اور فراست و بصارت سے متاثر کرا کر لوگوں کے دل جیت لیے۔ اس لیے جب تک آپؓ وہاں رہے، ہر طرف شانتی رہی اور ایسے میں اکثر مجاہدین یوں ہی بیٹھے بیٹھے بیزار ہو جاتے تھے۔ تبھی تو مکران میں موجود ایک شاعر اعشی ہمدانی نے اس وقت کہا تھا؛

وأنت تسير إِلَى مكران	فقد شحط الورد والمصدر
و لم تك حاجتي مكران	ولا الغزو فيها و لا المتجر
و حدثت عنها و لم آتها	فما زالت من ذكر آخر
بأن الكثير بها جائع	و أن القليل بها معور [2]

ترجمہ: اور تو مکران جاتا ہے، فرود گاہ اور وطن میں بڑا فاصلہ ہو گیا۔ اے مکران! مجھے کچھ تیری حاجت نہیں کہ جہاں نہ جہاد ہے اور نہ تجارت۔ میں نے اس کا حال سنا تھا، وہاں آیا تھا اور ہمیشہ اس کے ذکر سے بھاگتا تھا، اس لیے کہ وہاں اکثر لوگ تو بھوکے ہیں اور بعض مقامات وہاں کے خوفناک ہیں۔

آپؓ چونکہ ایک بہترین منتظم بھی تھے اس لیے آپ نے نظام محاصل قائم

---

[1] تاریخ اسلام: 3/ 4

[2] فتوح البلدان، ص418

کیا[1]۔ اور پھر آپؓ نے پہلی بار قلعہ کے اندر کیز (کیچ) نامی شہر تعمیر کیا اور اسے اپنا مستقر دارالامارہ بنایا[2]۔ اب بھی کیز یعنی کیچ میں اس قلعہ کے آثار موجود ہیں۔

حضرت سنانؓ کی معزولی

53ھ میں دو سال گزارنے کے بعد حضرت سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ ایک بار پھر معزول ہوئے اور قدرت کا کرنا کہ اسی سال والی بصرہ حضرت زیاد بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ بھی طاعون کی وجہ سے فوت ہوئے[3]۔ ایک سوال جو بار بار ذہن میں آتا ہے وہ یہ کہ حضرت سنان رضی اللہ عنہ کیوں بار بار معزول اور تعینات کیے جاتے حالانکہ آپؓ کے یہاں ہونے سے حالات کافی ٹھیک ٹھاک ہوتے؟ تو میرے خیال میں اُس وقت شاید یہ یہاں کے لیے ایک قانون ہوتا تھا کہ از حد دو سال تک ایک والی اور سپہ سالار یہاں سندھ میں رہ سکتا تھا کیونکہ مسلسل دو سال تک لڑنا اور گھر بار چھوڑ کر دور پردیس میں رہنا کوئی آسان کام نہیں تھا۔ اس لیے عین ممکن ہے کہ حکمت اور عقل کو ملحوظ خاطر رکھ کر ان کے لیے یہ قانون بنایا گیا ہو۔ حضرت سنان سے قبل حضرت عبد اللہ بن سوار رضی اللہ عنہ اور حضرت راشد بن عمرو رضی اللہ عنہ بھی دو بار یہاں آچکے تھے، اور ان کے بعد حضرت منذر بن جارود رضی اللہ عنہ بھی دوسری بار آکر جام شہادت نوش کر گئے تھے جیسا کہ آگے تفصیل آرہی ہے۔

سن 53ھ میں چونکہ بصرہ کے گورنر حضرت زیاد بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ فوت ہو چکے تھے اس لیے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے خود حضرت ابو حرب عباد بن زیادؒ کو

---

1. علم حدیث میں پاک وہند کا حصہ، ص 31
2. بلوچستان میں عربوں کی فتوحات اور ان کی حکومتیں، ص 151
3. تاریخ ابن اثیر، 3/ 40

سندھ اور سجستان کی طرف بھیجا [1]، ان کے ساتھ اس وقت کا مشہور شاعر ابن مفرغ بھی تھا۔ جس نے یہاں سندھ میں آکر کہا تھا؛

کم بالجروم وأرض الهند من قدم و من سرائنك قتلى لا هم قبروا. [2]

ترجمہ: بہت سارے گرم ممالک ہیں اور سرزمین ہند (سندھ) میں بہت سے نقش قدم ہیں اور بہت سے سرہنگان (سرداران) قوم ہیں جو شہید تو ہوئے لیکن دفن تک نہ کیے گیے۔

حضرت حکم کے بعد ابن زیاد نے ایک دوسرے لائق فائق سردار حری بن جری باہلی [3] کو والی سندھ بنا کر بھیجا۔ حضرت حری باہلی کے ہاتھوں اللہ نے مسلمانوں کو بہت سے فتوحات پر فخر دینے کا موقع دیا۔ بہت سارا مال غنیمت بھی ان کے ذریعے مسلمانوں کے ہاتھوں آیا۔ الغرض حضرت حری جہاں بھی جاتا، فتح ان کے قدم چومتی اور کیوں نہ ہوتا ایسا کہ ان کی تربیت حضرت سنان رضی اللہ عنہ جیسے جری اور مدبر سالار لشکر نے کی تھی۔

سنان رضی اللہ عنہ کی تیسری بار آمد

اور جب حضرت حکم بن منذر سے بھی بات نہ بنی تب ایک بار پھر 62ھ میں حضرت سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ سندھ آئے تھے اور یہاں کے حالات ٹھیک کرکے گئے تھے [4]۔ آپؓ 62ھ میں بھی یہاں سندھ آئے تھے لیکن اس کا تذکرہ صرف خلیفہ بن

---

[1] تہذیب التہذیب، 5/93

[2] فتوح البلدان، ص418

[3] بعض کتابوں میں جری بن جری لکھا گیا ہے۔

[4] تاریخ خلیفہ ص236

خیاط نے کیا ہے، اپنی تاریخ میں فرماتے ہیں: سنة اثْنَتَيْنِ وَسِتِّينَ فِيهَا غزافيهَا ولى عبيد الله بْن زِيَاد الْمُنْذر بْن الْجَارُود ثغر قنداييل فَمَاتَ الْمُنْذر بالثغر فَخرج الحكم بْن الْمُنْذر بْن الْجَارُود فغلب عَلَى قنداييل فَبعث ابْن زِيَاد سِنَان بْن سَلمَة فَفتح الموقان ثمَّ بعث إِلَيْهَا يَزِيد بْن مُعَاوِيَة بعد ذَلِك عَبْد الرَّحْمَن بْن يَزِيد الْهِلَالِي. [1]

"سن 62ھ میں یہاں جہاد کیا اور عبید اللہ بن زیاد نے منذر بن جارود کو ہند کی ولایت سونپی سو اس نے قندابیل کو فتح کیا پھر ابن زیاد نے سنان بن سلمہ کو یہاں بھیجا جس نے موقان فتح کیا پھر یزید بن معاویہؓ اس کے بعد اس کی طرف عبد الرحمن بن یزید ہلالی کو بھیجا۔"

اس بار آپؓ یہاں کم مدت لے لیے آئے تھے اور میرے خیال میں اسی لیے خلیفہ کے علاوہ کسی اور مؤرخ نے اس کا تذکرہ نہیں کیا۔ اب اللہ ہی بہتر جانتے ہیں کہ کیا وجہ تھی، اس بار جلدی واپس ہونے کی تاہم اسی برس یعنی 62ھ میں آئے اور اسی سال واپس بھی لوٹیں۔

حضرت سنان رضی اللہ عنہ کی آخری بار آمد

حضرت حری رضی اللہ عنہ نے ایک عرصہ یہاں گزار کر واپس وطن کی راہ لی، پھر اسی طرح تابعین آتے رہے حتی کہ 75ھ میں ایک بار پھر سے سندھ مسلمانوں کے ہاتھوں نکلنے لگا تو مجبوراً حضرت سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ کی ایک بار پھر ضرورت محسوس ہوئی اور یوں آپؓ کو سندھ روانہ کر دیا گیا، حالانکہ 72ھ میں آپؓ کو گورنر بصرہ و بحرین مقرر کر دیا

---

[1] تاریخ خلیفہ، 1/236

گیا تھا[1]۔ لیکن آپؓ نے شاید عہدہ چھوڑ دیا ہو یا پھر آپؓ کو معزول کیا گیا، واللہ اعلم۔
بہر حال پھر جب حجاج بن یوسف 75ھ میں عراق کا گورنر بنا تو اس نے پھر سے آپؓ کو
والی بصرہ مقرر کیا اور ابھی ایک سال بھی نہیں ہوا تھا کہ ایک بار پھر حجاج کے پاس خبر
آئی کہ سندھ کے حالات روز بروز ابتر ہوتے جا رہے ہیں، اس لیے حجاج نے آپؓ کو بلایا
اور صورتحال سامنے رکھدی، آپؓ نے سوچا کہ پہلے بھی اللہ کی رضا کے لیے لڑ چکا ہوں
اور اس بار بھی وہی ارادہ ہے اور یہ بھی آپؓ کو معلوم تھا کہ یہ مہم آپؓ کے بغیر سر کرنا
محال نہ سہی مشکل ضرور ہے۔ چنانچہ آپؓ نے سندھ کی راہ لی اور آکر ایک طرف
مسلمانوں کو خوشی دی تو دوسری طرف دشمن پر پھر سے قیامت برپا کر دی۔ دشمن بڑا
حیران و پریشان تھا اور اپنی روایتی منافقت سے کام چلا کر اس بار حضرت سنان رضی اللہ عنہ سے
چھٹکارا حاصل کرنا چاہتے تھے، اسلئے انہوں نے حضرت سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ کو خضدار
میں ایک جگہ یہ کہہ کر بلایا کہ وہ آکر انہیں اسلام کی دعوت دیدیں۔ حضرت سنان رضی اللہ عنہ
خوش ہوئے اور گمان کیا کہ شاید اب وہ اسلام کی طرف راغب ہو چکے ہیں، اس لیے
آپؓ چلے آئے اور یہاں یہ روایتی اور وراثتی منافق لوگ گھات لگائے بیٹھے تھے، جونہی
حضرت سنان رضی اللہ عنہ آئے، ان ظالموں نے قبل اس سے کہ حضرت سنان رضی اللہ عنہ اس چال کو
سمجھ کر جوابی کارروائی کر لیتے، ان درندہ صفت لوگوں نے آپؓ پر پے در پے وار کر کے
آپؓ کو اسی جگہ بے دردی سے شہید کر دیا[2]۔ اس جگہ کو خراوا کہتے ہیں، براہوی زبان
میں اس کے معنی بہتر اور خیر والی جگہ کے ہیں جیسا کہ وہاں موجود مولانا شجاع نے راقم

---

[1] طبقات ابن سعد، 7/ 89

[2] چچ نامہ، ص 108، تاریخ سندھ، ص 108۔ چچ نامہ میں صرف اتنا ہی لکھا گیا ہے کہ آپ کو دھوکے سے شہید کر دیا گیا، راقم جس نتیجے پر پہنچا وہ ذکر کر دیا۔

کو بتایا اور تبھی تو ڈاکٹر عبد الرحمٰن براہوی خضداری نے اس کو خیر آباد کہا ہے۔ [1]

حضرت سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ کی شہادت

اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سب سے زیادہ کئی بار پاکستان آکر جہاد کرنے کی سعادت اس عظیم صحابیؓ کو ملی اور پاکستان میں سب سے آخر میں شہادت کے اعلیٰ رتبہ پر بھی آپؓ ہی فائز ہوئے۔ البتہ آپؓ ہی وہ واحد صحابی ہیں جن کی نہ صرف تاریخ شہادت کے بارے میں مؤرخین شش و پنج میں مبتلا ہیں، بلکہ آپؓ کی شہادت اور موت کے علاوہ، جائے تدفین کے بارے میں بھی لوگ پریشان ہیں۔ اب اللہ ہی بہتر جانے کہ اس میں کیا حکمت ہے بہر حال آپ کی جائے شہادت اور تاریخ شہادت کے بارے میں بہت ہی عجیب اور متضاد روایات اور بیانات پڑھنے کو ملتے ہیں، نیز مقام تدفین کے بارے میں بھی کئی اقوال اور متفرق دعوے پائے جاتے ہیں۔ یہاں پر آپؓ کی جائے شہادت اور تاریخ شہادت کے بارے میں ایک تحقیقی مقالہ پیش کیا جاتا ہے تاکہ پاکستان میں مدفون اس عظیم شہید راہ حق کے بارے میں حقائق معلوم ہو سکے۔

حضرت سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ کی تاریخ شہادت کے بارے میں 44ھ سے لیکر 93ھ تک کے اقوال پائے جاتے ہیں، اسی طرح جائے تدفین کے بارے میں بھی کئی اقوال موجود ہیں۔ اس باب میں عراق، بصرہ، بدھ، پشاور، گنداواہ اور خضدار میں ہونے کے اقوال پائے جاتے ہیں۔ جیسا کہ امام خلیفہ بن خیاط فرماتے ہیں کہ آپؓ عراق میں فوت ہوئے [2]۔ امام ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ بھی یہی کہتے ہیں [3]۔ امام ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ کا

---

[1] ڈاکٹر عبد الرحمٰن خضداری، بلوچستان میں عربوں کی فتوحات اور حکومتیں؛ ص126

[2] ایضاً، 7/ 159

[3] طبقات ابن سعد، 1/ 329

بیان ہے کہ آپؓ بصرہ میں فوت ہوئے [1]۔ چچ نامہ کی روایت اور ڈاکٹر عبداللہ مبشر طرازی کے مطابق آپؓ بدھہ کے مقام پر شہید ہوئے [2]۔ قاضی عبدالحلیم اثر افغانی کا خیال ہے کہ آپؓ پشاور کے نواحی گاؤں چغرمٹی کے مقام پر ایک معرکے میں شہید ہوئے اور پھر یہیں پر بعد ازاں دفن بھی ہوئے [3]۔ جہاں پر آج کل ''اصحاب بابا'' کے نام سے مزار موجود ہے۔ اور مؤرخ سندھ مولانا عبدالحلیم شرر [4]، مؤرخ ڈاکٹر محمد اسحاق [5]، مؤرخ بلوچستان ڈاکٹر عبدالرحمٰن براہوی [6]، مولانا سید شجاع الحق شاہ ہاشمی خضداری (بانی و مہتمم جامعہ سنان بن سلمہ خضدار) [7]، اور ڈاکٹر فصیح الدین (ڈی آئی

---

[1] مشاہیر علماء الامصار، 1 / 71

[2] چچ نامہ؛ ص108، موسوعۃ التاریخ الاسلامیۃ لبلاد السند والبنجاب (باکستان الحالیۃ) فی عہد العرب، ص152

[3] روحانی رابطہ، ص16

[4] تاریخ سندھ، ص102

[5] علم حدیث میں پاک وہند کا حصہ، ص31

[6] ڈاکٹر عبدالرحمٰن براہوی، بلوچستان میں عربوں کی فتوحات اور حکومتیں، زمرد پبلیکشنز کوئٹہ، 1990ء، ص126

[7] راقم نے اس تحقیق میں کسی نتیجہ پر پہنچنے کے لیے خضدار کی راہ لی اور 11 اگست 2017ء کو کراچی سے خضدار پہنچا تو حضرت سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ کے نام سے قائم کردہ اسلامی مدرسہ میں مولانا سید شجاع الحق ہاشمی اور مولانا افتخار احمد یمنی نے بندہ کا استقبال کیا۔ ان کا اخلاص، مہمان نوازی اور علم دوستی زندگی بھر نہیں بھلا سکتا۔ ان کی صحابہ سے محبت خصوصاً حضرت سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ سے عقیدت قابل دید تھی۔ تعجب کی بات یہ تھی کہ بریلوی مسلک سے تعلق رکھنے کے باوجود ان میں تعصب اور تشدد نہیں تھا۔ شہباز گڑھی صاحب حق مولانا روح الامین کے بعد بریلوی مکتب فکر میں راقم نے مولانا شجاع جیسے منجھے اور سلجھے ہوئے لوگ نہیں دیکھے، میں ہرگز ہرگز فقدان کی بات نہیں کرتا، تاہم یہ بات مسلّم ہے کہ ان حضرات میں تشدد و تعصب سے پاک لوگ بہت کم ہیں جو مسلک سے ماوراء ہو کر مذہب اسلام کی فوقیت پر نظر

جی)[1] جیسے محققین آپ رضی اللہ عنہ کی جائے شہادت خضدار بتاتے ہیں[2]۔ جبکہ جمیعت علماء اسلام بلوچستان کے صوبائی امیر مولانا فیض محمد (مہتمم دارالعلوم علوم شرعیہ خضدار) نے راقم کو اپنی تحقیق یوں بتائی کہ حضرت سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ خضدار میں نہیں ہیں بلکہ وہ تو گنداواہ میں ہیں اور یا پھر بصرہ میں ہیں۔ فاضل دارالعلوم دیوبند مولانا عبید اللہ خضداری (بانی و مہتمم دارالعلوم خضدار) بھی مولانا فیض محمد صاحب کی تحقیق کو درست گردانتے ہیں[3]۔ یہ تو جائے وفات و تدفین کے بارے میں اقوال تھے، جس پر آگے چل کر بحث کریں گے لیکن پہلے آپؓ کے تاریخ وصال کے بارے میں علماء سیر

رکھتے ہیں اور جو صحیح معنوں میں رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات پر عمل پیرا ہوں، راقم واضح کرنا چاہتا ہے کہ ہم سب مسلمان ایک ہیں بھلے کوئی اپنے آپ کو دیوبندی، بریلوی یا اہل حدیث کہے۔ لیکن یہ ایک درد دل ہے جو بزبان قلم آپ کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں کہ متعصب اور متشدد چاہے کسی بھی مکتب فکر سے تعلق کیوں نہ رکھتا ہو، اسلام کے صحیح معنوں سے ناواقف ہے۔ رسول اسلام ﷺ کی صرف دو احادیث ذکر کرتا ہوں آپ خود فیصلہ کریں کہ مذکورہ بات میں کتنی وزن ہے۔ جب کوئی کسی کو کافر کہتا ہے تو کفر کے ان الفاظ کا اگر مخاطب پر اطلاق نہ ہوتا ہو تو کہنے والا خود ان الفاظ کی زد میں آکر کافر بن جاتا ہے۔ دوم، مسلمان کبھی بھی گالیاں بکنے والا اور لعنت ملامت بھیجنے والا نہیں ہو سکتا۔

[1] آپ گرچہ ایک پولیس آفیسر ہیں لیکن مطالعہ کے بے حد شوقین ہیں اور پھر اس باب میں تو اپنی مثال آپ ہیں، آپ کو صحابہ سے حد درجہ عقیدت ہے، آپ چونکہ بلوچستان میں رہ چکے ہیں اور ذوق بھی رکھتے ہیں اس لیے آپ نے وہاں کا کونہ کونہ چھان مارا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ آپ نے کتابوں کو بھی کھنگال کر کے دیکھا ہے، تو اس مکمل مطالعہ اور مشاہدہ کرنے کے بعد آپ نے اپنے تجربے سے یہ تجزیہ کیا کہ حضرت سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ خضدار میں مدفون ہیں نہ کہ پشاور میں۔

[2] تاریخ سندھ از شرر، ص 108، علم حدیث میں پاک و ہند کا حصہ؛ ص 31، بلوچستان میں عربوں کی حکومتیں؛ ص 153، جناب فصیح الدین سے انٹرویو بمؤرخہ 27 جولائی 2017 بمقام پی ٹی سی ہنگو۔

[3] انٹرویو بتاریخ 14، 15 اگست 2017ء بمقام دارالعلوم خضدار و جامعہ علوم شرعیہ خضدار۔

اور نامور مؤرخین حضرات کے اقوال کا جائزہ لیتے ہیں۔

حضرت سنان رضی اللہ عنہ کی تاریخ شہادت

اس بابت گرچہ بہت بعد میں لیکن تاریخ شہادت کے تعین کے حوالے سے سب سے پہلے جن کا نام آتا ہے وہ ہیں پختونوں کے اپنے عصر کے بہترین محقق اور مؤرخ جناب قاضی عبدالحلیم اثر افغانی (م 1987ء)۔ جو یقیناً ایک ناقابل فراموش شخصیت کے مالک تھے، تاہم یہاں پر خدا جانے وہ کیوں اصلیت تک پہنچنے سے قاصر رہیں، بہر حال قاضی اثر صاحب نے اپنی مشہور کتاب ''روحانی تڑون'' جس کا اردو ترجمہ ''روحانی رابطہ'' کے نام سے ہوا ہے، میں حضرت سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ کا تذکرہ کرتے ہوئے ان کی تاریخ وفات سن 45ھ بتائی ہے۔ خدا جانے کہ قاضی صاحب نے کیسے 45ھ لکھ لیا کہ یہ تاریخ کسی بھی طرح میل نہیں کھاتی کیونکہ اسی سال تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سندھ یعنی موجودہ پاکستان آئے تھے۔ ایسے میں 45ھ میں پشاور میں ان صحابہ کا آنا، اور صحابہ میں بھی حضرت سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ کا یہاں آنا اور پھر ان کا یہاں شہید ہونا اور دفن ہونا بہت ہی عجیب لگتا ہے۔ اور کمال کی بات یہ کہ قاضی اثر نے اس پر کوئی حوالہ دینے کی زحمت بھی نہیں کی کہ ایسا کوئی حوالہ تھا ہی نہیں۔

بہر حال پشاور میں چغر مٹی کے مقام پر واقع ''مزار اصحاب بابا'' پر 45ھ لکھا گیا ہے[1]۔

---

[1] ملحوظ خاطر رہے کہ اول اول جب راقم کو سرسری معلوم ہوا کہ پشاور میں ایک صحابی بنام حضرت سنان رضی اللہ عنہ مدفون ہیں تو راقم نے معلوم کرنا چاہا لیکن کچھ ہاتھ نہ آیا پھر سوچا کہ کیوں نا ایک تحریر لکھ کر فلیکس کی شکل میں آنے والے حضرات کے لیے ایک مشعل راہ کی حیثیت سے آویزاں کیا جائے۔ لہٰذا اب بھی شاید وہی فلیکس وہاں پر موجود ہو لیکن میں یہ واضح کرتا چلوں کہ وہ محض لاعلمی میں لکھی گئی ایک ایسی تحریر تھی جس کا تحقیق سے دور کا بھی واسطہ نہیں تھا۔ یہ تو اللہ بھلا کرے جناب فصیح الدین ☜

صاحب کا جو اصل وجہ بنے اس کتاب اور تحقیق کا، ہائے کاش کہ ایسے لوگ فورس کے بجائے یونیورسٹیوں میں کام کر رہے ہوتے !!!کیونکہ تحقیق اور تدقیق کا جو جذبہ اور ذوق شوق میں نے آپ میں نوٹ کیا، بہت افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ وہ تڑپ، اشتیاق، چسکا، سرگرمی اور دل لگی میں نے یونیورسٹی کے پروفیسروں میں بھی نہیں دیکھی۔ حالانکہ یہ سب تو یہاں ہونا چاہئے، یہ بھی واضح کر دوں کہ مجھے جناب سے کچھ لینا دینا نہیں اور الحمدللہ نہ صرف آپ جناب سے بلکہ کسی سے بھی کوئی طمع نہیں کہ کوئی بھی شخص کسی قسم کی غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو، اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے راقم کو بہت کچھ دیا ہے اور سب سے بڑھکر جس غنا کی بیش بہا دولت سے سرشار کیا ہے، وہ کافی شافی ہے۔ ہاں عربی کی مشہور کہاوت ہے کہ حق بہت کڑوا ہوتا ہے اسے ماننا ہر کسی کی بس کی بات نہیں، راقم گرچہ علمی میدان میں ذرہ برابر بھی حیثیت نہیں رکھتا لیکن کیا میں بڑے ادب سے ایک دو سوال اس علمی طبقے سے کر سکتا ہوں۔ بے ادبی معاف، ہمارے علمی اداروں میں علم و عمل کا فقدان کیوں ہے اور اگر کہیں علم و تحقیق نظر آئے بھی تو کیا علم اور تعلیم کا مقصد صرف ایک کاغذ کے ٹکڑے کا حصول ہے یا پھر ریسرچ آرٹیکل کا غرض آگے بڑھنے کے علاوہ بھی کچھ ہے ؟ ایسے میں پھر اپنی علمیت اور انانیت کا دعویٰ بھی؟ اللہ رحم کرے ہم پر اور خصوصاً ہمارے ان خواص حضرات پر کہ جنہوں نے علم اپنی میراث تو سمجھا ہے لیکن کاش وہ علم اور علم کے مقصد کو بھی سمجھ لیں! میں ہرگز ہرگز کسی کو ٹارگٹ نہیں کر رہا اور ویسے بھی میں ہوتا کون ہوں کہ خود بھی علم و عمل کے "ع" سے بے خبر ہوں، بلکہ میں تو ایک دردِ دل آپ کے سامنے رکھ رہا ہوں کہ میں اس گلی کا بڑا ستایا ہوا ہوں۔ اس میدان میں بہت ساری امیدوں کے ساتھ بخوشی آیا تھا، لیکن یہاں خلاف توقع بہت کچھ دیکھ کر بہت ٹھیس پہنچی ہے، تاہم کہتے ہیں کہ "ٹھیس پہنچے بدھ بڑھے "یعنی ٹوکر کھا کر ہی عقل آتی ہے اس لیے یہ سب کچھ لکھ رہا ہوں، ہاں مجھے یہ حقیقت تسلیم کرنے میں ذرا برابر بھی تامل نہیں کہ علم و عمل میں شاید ہی اس پوری دنیا میں مجھ سے کورا اور بدتر کوئی ہوں، اور یہ میں حقیقت لکھ رہا ہوں۔ مگر وہ حضرات جو کچھ جاننے اور کچھ کرنے کے دعویدار ہیں، کیا ان لوگوں نے کبھی اپنے گریباں میں جھانکنے کی کوشش کی ہے ؟ نیز ایک اہم نکتے کی طرف بھی اہل علم کا دھیان مبذول کرانا چاہوں گا کہ خدارا! آپ لوگ احساس اور دانائی سے کام لیکر اس میدان میں نووارد طلباء کی حوصلہ شکنی کرنے کی بجائے ان کی حوصلہ افزائی کریں۔ تاکہ وہ آگے چل کر نہ صرف آپ کا بلکہ اپنے وطن اور قوم و ملت کا نام روشن کر سکیں۔ ان کی کمزوریوں پر انگلی رکھ کر انہیں نشانہ استہزاء بنانے کی بجائے ان کی اصلاح کر کے اپنی

اور خضدار میں واقع خراواہ کے مقام پر حضرت سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ سے منسوب مزار پر تاریخ سن 53ھ مرقوم ہے۔ اور بلاذری اور حموی وغیرہ مؤرخین کے بیانات سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سنان رضی اللہ عنہ 50ھ تا60ھ کے دوران ادھر سندھ میں شہید ہوئے۔ تبھی تو ڈاکٹر عبداللہ مبشر طرازی کا خیال ہے کہ آپؓ 56ھ میں شہید ہوئے [1]۔ جبکہ دیگر مشاہیر علماء سے اس بارے میں دو اقوال منقول ہیں۔ حضرت سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ حجاج بن یوسف جو 75ھ تا95ھ (694ء تا714ء) یعنی تقریباً بیس سال تک عراق کا گورنر رہا، اسکے اول دور ولایت میں یا آخری دور گورنری میں فوت ہوئے۔ حافظ ابن سعد بصری (م230ھ) اور حافظ خلیفہ بن خیاط بصری (م240ھ) کا ایک قول یہ ہے کہ آپؓ حجاج کے دور گورنری کے شروع میں فوت ہوئے۔ طبقات ابن سعد میں ترجمہ 1520 کے تحت اور طبقات خلیفہ میں 1 /329 پر توفي في اول ولاية الحجاج بن يوسف درج ہے اور طبقات ابن سعد میں ترجمہ 3086 کے تحت اور تاریخ خلیفہ میں 1 /308 پر اسکے برعکس توفي في آخر ولاية الحجاج بن يوسف لکھا گیا ہے۔ اور پھر اسی دوسرے قول کو دیکھ کر بعد والے تمام علماء سیر و تراجم نے توفي في آخر ولاية الحجاج ہی لکھا۔ ان میں چند ایک ہم یہاں پیش کرتے ہیں؛

علمیت کا صحیح مظاہرہ کریں، سچ پوچھیے تو یہیں پر علم و جہل کا اصل پتہ چلتا ہے، کہ ان کے ساتھ معاونت کرکے اپنے عالم ہونے کا ثبوت پیش کریں یا اپنی جہالت کا مظاہرہ کرکے ان کا مذاق اڑائیں۔ اسلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات ہمیں یہی سکھاتی ہیں۔ اللہ ہمیں سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

[1] عبداللہ طرازی، موسوعۃ التاریخ الاسلامیۃ لبلاد السند والبنجاب (باکستان الحالیۃ) فی عہد العرب، ص152

ابن حبان نے ثقات ابن حبان میں 3 / 178 اور مشاہیر علماء الامصار میں 1 / 71 پر، علامہ ابن عبد البر نے الاستیعاب میں 2/ 657 پر، ابن اثیر نے اسد الغابہ میں 2/ 560 پر، امام مزی نے تہذیب الکمال میں 12 / 149 پر، علامہ صفدی نے الوافی بالوافیات میں 15 / 286 پر، علامہ ابن حجر عسقلانی نے الاصابہ اور تہذیب التہذیب میں 4 / 241 پر، علامہ بدر الدین عینی نے مغانی الاخیار میں 3 / 520 پر، علامہ ساعدی یمنی نے خلاصہ تہذیب الکمال میں 1 / 156 پر، فالوفی اثری نے المعجم الصغیر میں 1 / 224، امام بری نے الجوہرۃ فی نسب النبی میں 1 / 229 پر یہی لکھا ہے۔ اور ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ میں 9 / 95 پر حضرت سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ کی وفات سن 93ھ لکھا ہے۔ مولانا محمد اسحاق بھٹی نے 94ھ یا 95ھ لکھا ہے [1]۔ قاضی محمد اطہر مبارک پوری [2] نے بھی اپنی عربی کتاب ''العقد الثمین'' میں 95ھ لکھا ہے [3]۔

حضرت سنان رضی اللہ عنہ کی جائے شہادت کے بارے میں تحقیق

میری تحقیق کے مطابق حضرت سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ کی وفات کا عراق یا بصرہ یعنی عرب میں ہونے کا کوئی امکان نہیں، کیونکہ ابن سعد اور خلیفہ بن خیاط دونوں

---

[1] برصغیر میں اسلام کے اولیں نقوش، ص182

[2] قاضی اطہر مبارک پوری گرچہ اس باب میں ایک سند کی حیثیت رکھتے ہیں تاہم حضرت سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں وہ بھی کافی متردد ہیں کیونکہ اپنی عربی کتاب ''رجال السند والہند'' میں انہوں نے پہلے پہل حضرت سنان رضی اللہ عنہ کو شامل کر کے لکھا تھا کہ وہ یہاں بدھیہ میں دفن ہوئے تھے لیکن اب جو اس کتاب کا اردو ترجمہ کیا گیا ہے اس میں سرے سے حضرت سنان رضی اللہ عنہ کا نام تک نہیں ہے۔ یہ ترجمہ مولانا عبد الرشید بستوی استاذ الحدیث دار العلوم دیوبند نے ''سندھ و ہند کی قدیم شخصیات'' کے نام سے کیا ہے جسے مکتبہ خدیجۃ الکبریٰ کراچی نے 2005ء میں چھاپا ہے۔

[3] العقد الثمین، ص107

بصری ہیں اور سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ بھی بصری ہیں اور ان کے مابین اتنا فاصلہ بھی نہیں کیونکہ حضرت سنان رضی اللہ عنہ سے ان تک صرف دو راوی ہیں ۔ تو اگر حضرت سنان رضی اللہ عنہ واقعی عرب میں وفات پاکر دفن ہوتے تو ایک تو ان کو لازمی پتہ ہوتا کہ کب اور کہاں فوت ہوئے، نہ کہ کبھی عراق اور کبھی بصرہ کا نام لیتے اور دوم، یہ کہ کبھی توفي في اول ولاية الحجاج بن يوسف اور کبھی توفي في آخر ولاية الحجاج بن يوسف نہ کہتے بلکہ خاص وقت اور جگہ بتا دیتے۔ ان کا اس بارے میں تشویش اور غیر اطمینان بخش اقوال بلکہ بالفاظ دیگر بے خبری اس بات پر ثبوت ہیں کہ حضرت سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ عرب میں خاص کر بصرہ میں فوت اور دفن نہیں ہوئے اگر ہوتے تو انہیں ضرور معلوم ہوتا، لیکن چونکہ ایسا ہوا نہیں اس لیے انہیں تذبذب تھا اور یوں ہی فرمایا دیا۔ اور سوم، یہ کہ پھر پاکستان میں پشاور اور خضدار میں دو جگہوں پر ان کی تدفین کے دعووں کا کیا کریں گے؟ آیئے جائزہ لیتے ہیں جس کے بعد آپ خود ایک نتیجہ پر پہنچ جائیں گے کہ حضرت سنان رضی اللہ عنہ کہاں پر ہیں؟

جہاں تک 44ھ، 53ھ یا 61ھ تک کے اقوال ہیں تو یہ درست نہیں کیونکہ آپؓ 72ھ میں والی بصرہ و بحرین بھی رہے [1]۔ اور پھر 75ھ میں بھی والی بصرہ مقرر ہو چکے تھے [2]، ازاں بعد آپؓ کب کہاں گئے؟ اس بارے میں تاریخ خاموش ہے۔ ہاں البتہ اگر دیکھا جائے تو امام خلیفہ بن خیاطؒ کے یہ الفاظ غور طلب ہیں کہ حجاج نے حضرت سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ کو گورنر بنایا جو پھر شہید ہوا تب ان کا بیٹا موسیٰ بن سنان اس

---

[1] تاریخ خلیفہ، 1/291، طبقات ابن سعد 7/89

[2] تاریخ خلیفہ، 1/291،

کا نائب بنا۔ پھر سعید بن حسان کو گورنر مقرر کیا۔ پھر اسکے بعد زیاد بن ربیع حارثی گورنر مقرر ہوا پھر اُن کو سن 79ھ میں معزول کیا گیا [1]۔ اور رہی ابن کثیر کی یہ بات کہ؛

سَنَةِ تِسْعِينَ وَفِيهَا تُوُفِّيَ سِنَانُ بْنُ سَلَمَةَ بْنِ الْمُحَبَّقِ ، أَسْلَمَ يَوْمَ الْفَتْحِ، وَتَوَلَّى غَزْوَ الْهِنْدِ، وَطَالَ عُمْرُهُ. [2]

"یعنی سن 90ھ میں حضرت سنان بن سلمہ بن محبق رضی اللہ عنہ نے وفات پائی جو نے فتح مکہ کے دن مسلمان ہوا تھا اور جس نے ہند میں جا کر جہاد کیا اور ایک لمبی عمر پائی۔"

تو یہاں پر چند امور قابل بحث ہیں؛ اول تو اس عبارت میں ابن کثیر متفرد ہیں کہ آپؒ کے علاوہ کسی ایک مؤرخ نے بھی حضرت سنان رضی اللہ عنہ کی اتنی عمر نہیں بتائی ہے، دوم یہ کہ حضرت سنان رضی اللہ عنہ بروز فتح پیدا ہوئے تھے نہ کہ مسلمان ہوئے تھے، اور یہ کہ ابن کثیرؒ آٹھویں صدی کے مؤرخ ہیں جبکہ خلیفہ، ابن سعد، دینوری اور بلاذری وغیرہ حضرات تیسری صدی کے مؤرخین و مترجمین ہیں، اس لیے ابن کثیر کے متذکرہ بالا جملے میں صرف ایک بات درست ہے کہ حضرت سنان رضی اللہ عنہ نے ہند (سندھ) میں جہاد کیا، باقی آپؓ 90ھ میں فوت ہوئے، فتح مکہ کے دن مسلمان ہوئے اور آپؓ نے طویل عمر پائی، تینوں باتیں خلاف واقعہ ہیں [3]۔ میرے خیال میں ابن کثیرؒ نے 90ھ کا یہ سن

---

[1] ایضاً، 1 / 297۔

[2] البدایہ والنہایہ، 9 / 89

[3] جیسا کہ ابن حبان نے ثقات ابن حبان میں 3 / 178 اور مشاہیر علماء الامصار میں 1 / 71 پر، علامہ ابن عبدالبر نے الاستیعاب میں 2 / 657 پر، ابن اثیر نے اسد الغابہ میں 2 / 560 پر، امام مزی نے تہذیب الکمال میں 12 / 149 پر، علامہ صفدی نے الوافی بالوافیات میں 15 / 286 پر، علامہ ابن حجر عسقلانی نے الاصابہ اور تہذیب التہذیب میں 4 / 241 پر، علامہ بدرالدین عینی نے مغانی الاخیار میں [illegible]

مؤرخین کے اس قول سے مستنبط کیا ہو گا جنہوں نے لکھا ہے کہ توفي في آخر ولاية الحجاج بن يوسف اور ظاہر ہے یہی آخری دور تھا حجاج کا، لیکن یہ روایت درست نہیں ہے۔ اس بارے میں سندھ کی تاریخ پر لکھی جانے والی اولیں کتاب ”فتح نامہ سندھ“ میں لکھا ہے کہ حضرت سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ جدھر کا بھی رُخ کرتا، وہاں اچھی نظیر قائم کرتا اور اس طرح بالآخر وہ بدھیہ تک جا پہنچا، جہاں دھوکہ دے کر اسے شہید کر دیا گیا اور جس پر ابن خلاص نے یہ شعر کہے تھے......“ [1]

حلّ بقصدار فأضحى بها	في القبر لم يقفل مع القافلين
لله قصدار و أعنا بها	أيّ فتى دنيا، أجنّت، ودين

اب سوال یہ ہے کہ بدھیہ کہاں واقع ہے؟

تو مشہور جغرافیہ دان علامہ اصطخری (م346ھ) بدھہ کے بارے میں لکھتے ہیں:

وامّا البدهة فانّ مدينتها قندابيل. [2]

اگر ہم پرانی تواریخ کا عمیق نظر سے مطالعہ کریں تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ قدیم جغرافیہ دانوں نے مکران کی شمال مغربی سرحد پر سندھ کے قریب دو اضلاع کا ذکر کیا ہے۔ ایک طوران جسے آج کل جھالاوان کہا جاتا ہے اور دوسرا بدھ، بدھہ یا بدھیہ جس کو آج کل کچھی کہا جاتا ہے۔ طوران کا مستقر خضدار جبکہ بدھیہ جو اس کے شمال میں واقع تھا، اس کا مستقر قندابیل (آج کا گنداوہ) تھا۔ اس لیے اس سے مراد آج کا علاقہ

3/520 پر، علامہ ساعدی یمنی نے خلاصہ تہذیب الکمال میں 1/156 پر، فالودی اثری نے المعجم الصغیر میں 1/224 پر تصریح کی ہے۔

[1] چچ نامہ، ص109

[2] المسالک والممالک، ص173

کچھی ہے جیسا کہ بلوچستان کے مشہور مؤرخ اور محقق جناب ڈاکٹر عبدالرحمٰن براہوی نے اس کی وضاحت کی ہے؛

"بدھ، کچھی کے علاقے کا پرانا نام ہے" ❶۔

اور اردو دائرہ معارف میں بھی قند ابیل ہی کو بدھا، بدھ اور بدھیہ لکھا گیا ہے۔ جو آج کل بلوچستان کے ضلع کچی یا کچھ گنڈاوا سے مطابقت رکھتا ہے۔ اصطخری نے اس کو قصدار سے پانچ فرسخ کے فاصلے پر لکھا ہے ❷۔ یہی لفظ بدھا، ندھا بھی مشہور ہوا، جیسا کہ فتوح البلدان 4 / 402 میں درج ہے۔ علامہ شریف ادریسی (م 563ھ) نے بھی "نزہتہ المشتاق" میں یہی لکھا ہے ❸۔ اس کو بدھ یا بدھیہ کہنے کی وجہ بھی یہی تھی کہ یہاں بدھ قوم آباد تھی ❹۔ شریف ادریسی نے اپنی کتاب نزہتہ المشتاق میں بھی بدھ قوم کی آبادی کو طوران میں لکھا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ ملتان کے شمال میں مشرقی طوران سے متصل ایک صحرا ہے، اس صحرا سے منصورہ کی حد تک ایک خانہ بدوش قوم آباد ہے، جسے بدھ کہتے ہیں۔ اس قوم کے قبیلے بڑی تعداد میں طوران، مکران، ملتان اور منصورہ میں بکھرے ہوئے ہیں ❺۔ بعض حضرات کی رائے میں موجودہ ضلع کچھی گنداوا اور اس کے آس پاس کے علاقے کو بدھ یا بدھیہ کہا جاتا تھا ❻۔ ڈاکٹر محمد اسحاق

---

❶ ڈاکٹر عبدالرحمٰن براہوی، بلوچستان میں عربوں کی فتوحات اور حکومتیں، زمرد پبلیکشنز کوئٹہ، 1990ء، ص 42

❷ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، 16(2)/412

❸ نزہتہ المشتاق (قلمی)، بحوالہ ہندوستان عربوں کی نظر میں، دارالمصنفین اعظم گڑھ، 1964ء

❹ بلوچستان میں عربوں کی فتوحات اور حکومتیں، ص 41

❺ نزہتہ المشتاق قلمی بحوالہ برصغیر اور عرب مؤرخین از خورشید احمد فاروق، 1976ء، ص 177

❻ بلوچستان میں عربوں کی فتوحات اور حکومتیں، ص 41

بھی بدھیہ کو طوران اور مکران کے قریب علاقہ گردانتے ہیں[1]۔

اور یہ جو ابو ظفر ندوی نے لکھا ہے کہ بدھ یا بدھیہ ایک بہت بڑا علاقہ تھا[2]۔ تو اس سے مراد بدھ مت کا علاقہ ہے جو اس وقت واقعی بہت بڑا تھا جیسا کہ المسالک والممالک میں درج ہے؛

ومن قامهل الی مکران والبدهة وما والی ذلك الی حدّ الملتان هی کلّها من بلد السند والکفّار فی حدود بلد السند انّما هم البدهة وقوم یعرفون بالمید وامّا البدهة فهی مفترشة ما بین حدود طوران ومکران والملتان ومدن المنصورة وهم فی غربیّ مهران وهم اهل ابل.[3]

اس لیے اگر اس سے مراد کوئی علاقہ لیا جائے تو وہ ملتان، طوران[4] اور مکران کے مابین والا علاقہ ہو گا جسے آج کل بلوچستان کہا جاتا ہے۔ اور خضدار[5] اس کا ایک اہم شہر تھا۔ جیسا کہ قاضی اطہر مبارک پوری نے تصریح کرتے ہوئے لکھا ہے؛

"علاقہ بدھ، سندھ اور مکران کے درمیان ایک وسیع علاقہ تھا۔"[6]

---

1. ڈاکٹر محمد اسحاق، علم حدیث میں پاک وہند کا حصہ، دارالسلفیہ لاہور، 1974ء، ص46
2. ابو ظفر ندوی، تاریخ سندھ، ص 91، نیشنل بک فاؤنڈیشن اسلام آباد 1989ء
3. المسالک والممالک، ص176
4. طوران کا علاقہ اس وقت قیقان (قلات)، قصدار (خضدار)، جھالاوان اور ہنوز ضلع کچھی کے کچھ حصے پر مشتمل تھا۔ اصل مرکز اس کا آج کا جھالاوان تھا۔ ڈاکٹر عبد الرحمٰن براہوی نے مزید جو بھی لکھا ہے، بہت عجیب ہے کہ طوران، سریانی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی یاحی یامحی کے ہیں۔
(ڈاکٹر عبد الرحمٰن براہوی، بلوچستان میں عربوں کی فتوحات اور حکومتیں، زمرد پبلیکشنز کوئٹہ، 1990ء، ص12)
5. یاد رہے کہ خضدار کو اس وقت قزدار یا قصدار لکھا اور بولا کرتے تھے۔
6. قاضی اطہر مبارک پوری، خلافت راشدہ اور ہندوستان، ص 62

اور عین ممکن ہے کہ علی مدائنی کو خاص جائے شہادت معلوم نہ تھی اس لیے انہوں نے علاقہ بدھیہ لکھ لیا ہو۔ پھر جب بعض انجان اور ناواقف مؤرخین نے اس سے مراد سوات سے لیکر سبی تک کا علاقہ مراد لے لیا[1]، تو اس سے بعد میں آنے والے بعض نابلد لکھاری مثلاً قاضی اثر افغانی وغیرہ حضرات دھوکہ کھا گیے اور یوں سمجھ کر لکھ لیا کہ بدھیہ سے مراد پشاور ہے، حالانکہ پہلے بھی لکھا جا چکا ہے کہ پشاور نامی کوئی بھی شہر یا قصبہ اس وقت موجود نہ تھا اور نہ ہی یہاں کوئی دوسری قابل ذکر آبادی موجود تھی کیونکہ اس کے آس پاس بھی اگر کوئی آبادی ہوتی تو لاہور (صوابی) اور بنوں کی طرح یہاں کا بھی مؤرخین خوامخواہ ذکر کرتے تھے اور دوسری بات کہ پشاور اور بدھیہ کے مابین سینکڑوں میلوں کا فاصلہ ہے، ایسے میں پشاور پر بدھیہ کا اطلاق کرنا محض نابلدی ہے۔ اور کمال کی بات یہ کہ قاضی اثر افغانی کے علاوہ کسی بھی مؤرخ نے پشاور کا ذکر تک نہیں کیا ہے۔ کہ حضرت سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ یہاں دفن ہیں۔

اور دوسری بات یہ کہ پشاور کو آنا یا تو پنجاب کے راستے ہوتا، جو کہ راجہ داہر کے قبضے میں تھا، اور یا پھر قبائلی علاقوں سے ہو کر آنا پڑتا جو مسلمانوں کے ہاتھوں فتح ہو کر ان کے ہاتھوں سے پھر نکل چکا تھا۔ اور تیسرا راستہ خیبر کے راستے یہاں داخل ہونا پڑتا جو نامعلوم، مہیب اور مشکل ترین تھا کیونکہ افغانستان کا وہ علاقہ جو مسلمانوں کے پاس تھا اب وہ بھی مسلمانوں کے ہاتھوں سے نکل گیا تھا، انہوں نے وہاں پر حاکم خراسان کے دو بیٹوں ابو عبیدہ بن زیاد اور یزید بن زیاد کے ساتھ زید بن جدعان، ابو علی بن زید، وصلہ بن الشیم، ابو الصھباء، عمرو بن قتیبہ بدیل بن نعیم وغیرہ کئی نامور

---

[1] ابو ظفر ندوی، تاریخ سندھ، ص 91

حضرات قتل کر کے بغاوت کر لی تھی۔ جنہیں سبق دینے کے لیے حضرت عبدالرحمٰن بن یزید الہلالی کو یہاں بھیج دیا گیا تھا۔ [1]

سندھ و ہند کی اسلامی تاریخ پر گرفت رکھنے والے قاضی اطہر مبارک پوری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی لکھا ہے کہ حضرت سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ یہاں خضدار میں شہید ہو کر دفن ہوئے۔ اپنی کتاب "رجال السند والہند" میں لکھتے ہیں کہ ابوالاشعث سے پہلے حضرت سنان بن سلمہ ہذلی رضی اللہ عنہ قصدار کو فتح کر چکے تھے اور وہیں پر ان کا انتقال بھی ہوا۔ شاعر کہتا ہے؛

حل بقصدار فأضحى بها   في القبر لم يغفل مع الغافلين

"(حضرت سنان رضی اللہ عنہ) قصدار (خضدار) آیا تو وہیں مدفون بھی ہو گیا، دوسرے جانے والوں کے ساتھ وہ لوٹا نہیں۔" [2]

معلوم ہو گیا کہ آپؓ خضدار میں شہید ہوئے لیکن اب حل طلب مسئلہ یہ بھی ہے کہ یہ واقعہ کب پیش آیا؟ اس بابت ڈاکٹر محمد اسحاق اپنے پی۔ ایچ۔ ڈی مقالہ

Contribution of India to the study of Hadith Literature

"علم حدیث میں پاک و ہند کا حصہ" میں حضرت سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بارے میں لکھتے ہیں کہ 50ھ /670ء میں حضرت سنان رضی اللہ عنہ کو واپس بلا کر پھر سابقہ عہدے پر بحال کیا گیا پہلے کی طرح اس بار بھی انہوں نے اپنی عمدہ قابلیت کا ثبوت دیا اور قیقان اور بدھ کو فتح کر کے ان پر دو سال تک حکومت کی۔ حضرت سنان رضی اللہ عنہ قصدار میں جس کا موجودہ نام خضدار ہے اور بلوچستان میں واقع ہے، 53ھ (673ء)

---

[1] تاریخ خلیفہ، 1/ 36

[2] رجال السند والہند، القاضی محمد اطہر مبارک پوری، ص 68

میں شہید ہوئے [1]"۔ ڈاکٹر عبد الرحمٰن براہوی تجزیہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ حضرت سنان رضی اللہ عنہ کی تاریخ وفات کے بارے میں کچھ الجھاؤ پایا جاتا ہے۔ ابن سعد کے مطابق جس کی اتباع بعد کے ماہرین اسماء الرجال نے کی ہے، سنان کا انتقال حجاج کی ولایت 83ھ تا 96ھ (702ء تا 713ء) کے آخر زمانے میں ہوا تھا لیکن یہ بعید از قیاس ہے کیونکہ فتوح البلدان اور چچ نامہ دونوں میں لکھا ہے کہ سنان کے عہدہ پر عبید اللہ بن زیاد کی طرف سے حضرت منذر بن جارود کے تقرر سے قبل سنان کا انتقال ہوگیا تھا۔ قرائن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مشرقی صوبوں کے عامل کی حیثیت سے عبید اللہ کا تقرر ہونے کے بعد ہندی مہم کی ذمہ داری سنبھالنے والا افسر المنذر تھا۔ عبید اللہ 57ھ تا 67ھ (676ء تا 686ء) عامل رہے۔ اس لیے المنذر کا تقرر یقیناً 57ھ اور سنان کا انتقال 57ھ سے قبل ہوا ہوگا۔ واقعہ یہ ہے کہ دوسری مرتبہ سنان کا تقرر 50ھ میں ہوا تھا اور وہ سرحدی علاقوں پر دو سال تک حکومت کرتے رہے اس لیے ان کا انتقال یقیناً 53ھ میں ہوا ہوگا۔ اگر سنان کا انتقال حجاج کے آخری زمانہ ولایت میں ہوا ہوتا جیسا کہ ابن سعد نے بیان کیا ہے تو ان کی اور محدث قتادہؒ (68ھ تا 117ھ) کی ملاقات ضرور ہوئی ہوتی کیونکہ وہ دونوں بصرہ میں رہتے تھے لیکن ناقدین راویان کی رائے ہے کہ قتادہ نے سنان سے کبھی ملاقات نہیں کی اور نہ ان سے کوئی حدیث سنی۔ چنانچہ یہ واقعہ درست معلوم ہوتا ہے کہ سنان ہند کی سرحد پر شہید ہوئے تھے یعنی 61ھ میں قتادہ کی پیدائش سے سات برس قبل [2]۔ ڈاکٹر صاحب نے گرچہ

---

[1] ڈاکٹر محمد اسحاق، (Contribution of India to the study of Hadith Literature)، اردو مترجم "علم حدیث میں پاک وہند کا حصہ" ترجمہ شاہد حسین رزاقی، لاہور 1977ء، ص 31

[2] ڈاکٹر عبد الرحمٰن براہوی، بلوچستان میں عربوں کی فتوحات اور حکومتیں، ص 153

اپنی پوری کوشش کر کے ایک تحقیق سامنے لائی ہے تاہم اس میں چند امور قابل بحث ہیں، مثلاً یہ کہ حضرت سنان رضی اللہ عنہ جو دوسری بار 50ھ میں آئے تو کیا وہ دوبارہ نہیں گئے؟ اور 61ھ تک یعنی اپنی شہادت تک یہیں رہے؟

جو یقیناً خلاف واقعہ ہے کیونکہ حضرت سنان رضی اللہ عنہ کو 53ھ میں معزول کر کے واپس بصرہ بھیجا گیا تھا اور ان کی جگہ منذر بن جارود کو یہاں کی ولایت سونپی گئی تھی، جیسا کہ ابن اثیر نے لکھا ہے [1]۔ اور جب حضرت منذر معزول ہوئے تو ان کے بعد والی خراسان ابو حرب عباد بن زیاد نے حضرت حکم بن منذر کو سندھ کا حاکم مقرر کیا اور پھر انکے بعد حضرت حری بن حری کو یہاں بھیجا گیا [2]۔ اور 61ھ میں جب حضرت منذر بن جارود دوبارہ آکر شہید ہوئے تو ان کے بعد تیسری بار حضرت سنان رضی اللہ عنہ یہاں آئے اور بقول خلیفہ ابن خیاط 62ھ میں انہوں نے یہاں کے حالات پھر سے ٹھیک کرادیے [3]۔ اب کیسے مان لیا جائے کہ حضرت سنان رضی اللہ عنہ کیسے 61ھ میں شہید ہوئے کہ وہ 62ھ میں یہاں آئے تھے؟ اور دوسرا اہم سوال یہ کہ اب ایسے میں کیا کہا جائے کہ اس دوران یعنی 53ھ تا 61ھ حضرت سنان رضی اللہ عنہ کہاں تھے؟ اگر وہ سندھ ہی میں تھے تو کیا ان کی موجودگی میں بھی حالات پھر سے بگڑ جاتے تھے؟ جو خلاف واقعہ ہے۔ اور کیا وہ ایک اعلیٰ سپہ سالار ہو کر بھی عام سپاہی کی طرح لڑتے رہے؟ چلو مان لیا جاتا ہے کہ وہ ایک عام فوجی کی طرح یہاں موجود تھے لیکن ان کے بارے میں یہ کیوں درج ہے کہ وہ منذر کی شہادت کے بعد 62ھ میں یہاں آئے؟ اور رہی یہ بات کہ ان کا حضرت قتادہ سے ملاقات نہیں ہوئی، اس بات کی قطعاً متعارض

---

[1] تاریخ ابن اثیر، 3/40

[2] چچ نامہ، ص 108۔ بعض کتابوں میں جری بن جری لکھا ہے۔

[3] تاریخ خلیفہ، ص 236

نہیں کہ حضرت سنان رضی اللہ عنہ اس وقت بقید حیات نہیں تھے، کیونکہ علم اسماء الرجال میں ایسی بے شمار مثالیں موجود ہیں کہ ایک ہی شہر میں ہم عصر ہو کر بھی نہیں ملے۔ اور پھر جب حضرت سنان رضی اللہ عنہ ایک طرف تو جہاد کی کارروائیوں میں مصروف تھے اور بصرہ میں ہو کر حکومتی کاموں میں لگے رہتے تھے ایسے میں انہیں وقت کہاں ملتا؟ اور یہ کہ حضرت قتادہؒ کی پیدائش 68ھ ہے جبکہ حضرت سنان رضی اللہ عنہ 75ھ میں شہید ہوئے تو بھلا چھ سات سال کا بچہ کیسے کسی سے استفادہ کر سکتا ہے؟

اور پھر اگر یہ بھی مان لیا جائے کہ حضرت سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ 61ھ میں آکر شہید ہوئے تو خلیفہ اور ابن سعد کی اس شہادت کا کیا کریں گے کہ انہوں نے واضح لکھا ہے کہ حضرت سنان رضی اللہ عنہ 72ھ میں والی بحرین تھے [1]۔ اور پھر اس کا کیا کریں گے کہ حضرت سنان رضی اللہ عنہ کو 75ھ میں حجاج بن یوسف نے والی بصرہ بنایا تھا [2]؟ اور کمال کی بات یہ کہ ڈاکٹر عبد الرحمٰن براہوی نے خود اس کو تسلیم کر کے مذکور کتاب میں ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں کہ (48ھ میں) حضرت سنان رضی اللہ عنہ علاقہ بدھ میں شہید کر دیے گیے، غلط ہے کیونکہ وہ عبد الملک بن مروان کے عہد میں بحرین کے امیر بنائے گئے اور حجاج بن یوسف کے "آخری" [3] دور میں خضدار میں فوت ہو گئے، جہاں ان کا مزار موجود ہے [4]۔ ایک اور جگہ لکھتے ہیں: "قیقان وغیرہ کی فتح کے بعد آپ رضی اللہ عنہ کو بحرین کا امیر مقرر کیا گیا۔ 72ھ عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے گورنر مصعب جب بصرہ سے

---

[1] تاریخ خلیفہ، 1/ 291، طبقات ابن سعد 7/ 89

[2] تاریخ خلیفہ، 1/ 291

[3] یہاں پھر ڈاکٹر صاحب سے غلطی ہوئی ہے کیونکہ آخری نہیں بلکہ ابتدائی دور میں یہ واقعہ پیش آیا تھا۔

[4] ڈاکٹر عبد الرحمٰن براہوی، بلوچستان میں عربوں کی فتوحات اور حکومتیں، ص 118

عبدالملک بن مروان سے لڑنے کے لیے روانہ ہوئے تو اس نے آپ کو اپنا نائب مقرر کیا۔ آپ کی وفات خضدار میں ہوئی جہاں آپ کا مزار اب تک مرجع خلائق ہے۔"[1]

پشاور میں واقع مزار اصحاب بابا کی تحقیق

یہ تو تین سو سال بعد جب 380ھ میں سبکتگین اور 391ھ میں محمود غزنوی یہاں آئے تو انہوں نے یہاں کے کافروں کو شکست دی اور ان کے ساتھ جو مسلمان جنگ میں شہید ہوئے، انہیں بعد میں یہاں دفن کر دیا گیا۔ اس مقبرے کو گنج شہیداں بھی کہتے ہیں جس کے بارے میں مشہور ہے کہ اس میں آٹھ سو تک شہداء مدفون ہیں۔ اور اس مذکور یعنی اصحاب بابا کی قبر میں بھی اس وقت کے شہداء مدفون ہیں۔ ہاں یہ بھی ممکن ہے کہ حضرت مہلب بن ابی صفرہ رضی اللہ عنہ کے لشکر کا یہاں سے جب گزر ہوا ہو گا تو شاید ان میں سے کسی صحابی نے یہاں وفات پا کر یا شاید (اگر یہاں آبادی مان لی جائے تو) مقامی لوگوں سے لڑائی لڑتے ہوئے شہادت پائی ہو اور بعد ازاں وہ یہاں پر دفن کیے گئے ہوں، تاہم ایسا کہنا محض احتمال اور قیاس کی بنیاد پر ہو گا، کیونکہ ایسا کوئی ثبوت یا حوالہ ہمارے پاس نہیں جس سے یہ وثوق سے کہا جا سکے کہ یہیں پر اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم مدفون ہیں۔ اور جیسا کہ عرض ہوا کہ اس باب میں لکھنے والوں یعنی عبدالحلیم شرر، سید سلیمان ندوی، قاضی اطہر مبارک پوری، ڈاکٹر محمد اسحاق، ڈاکٹر عبدالرحمٰن براہوی سمیت کسی بھی مؤرخ نے حضرت سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ کا ذکر کرتے ہوئے پشاور کا تذکرہ تک نہیں کیا ہے کیونکہ انہیں شاید یہ پتہ بھی نہ تھا کہ پشاوری بھی اپنے ہاں حضرت سنان رضی اللہ عنہ کے دفن ہونے کے مدعی ہیں، جس کا نہ تو نقلی اور نہ ہی

[1] ایضاً، ص 152

عقلی کوئی تک بنتی ہے لہٰذا ایسا انہوں نے کبھی سوچا تک نہیں۔ اب بد قسمتی سے یہاں کے مقامی لوگوں کو کچھ بھی پتہ نہیں، اگر ایسا ہی ہے تو پھر سوال یہ ہے کہ پشاور میں واقع اس ''اصحاب بابا'' کی کیا حقیقت ہے؟ اور یہ کون ہیں؟

تو اصل میں یہ بات تب سے مشہور ہوئی جب 1800ء کے لگ بھگ سر تور بابا کی بیوی نے خواب دیکھا کہ یہاں شہداء آسودہ خواب ہیں اور اس نے جا کر ایک لمبی قبر کی شکل بنائی، اور کانوں کان یہ بات مشہور ہوئی کہ یہاں حضرت محمد ﷺ کے اصحابؓ مدفون ہیں۔ یہ بات مجھے اسی خاتون کے پڑپوتے وکیل خان نے بتائی جو آج کل اسی مزار کے مجاور ہیں، بس پھر کیا تھا، لوگوں میں مشہور ہو گیا کہ اس مزار اصحاب بابا میں صحابہ دفن ہیں [1]۔ لیکن اس بات میں بھی سچائی نظر نہیں آتی ہے اس لیے کہ اگر ایسا ہوتا تو لازمی طور پر سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کے تذکروں میں اس کا ذکر ملتا کیونکہ ایسا کیسے ممکن ہو سکتا کہ وہ پشاور میں رہ کر یہاں نہ گیا ہو حالانکہ ان کے یہاں پاکستان اور بالخصوص سرحد آنے کے بعد، ان کی پوری سوانح بذریعہ قلم محفوظ ہو گئی تھی اور ویسے بھی انہیں اولیاء کرام اور علماء کرام سے عقیدت تھی تو صحابہ کے ساتھ کیونکر نہ ہوتی۔ غلام رسول مہر صاحب نے ''سیرت سید احمد شہید'' اور مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے ''تاریخ دعوت و عزیمت'' میں پوری تفصیل لکھی ہے کہ سید صاحب اس معاملے میں کس قدر اللہ والوں کے معتقد تھے، یہاں تک کہ گدون میں واقع ایک گاؤں چنئی میں ایک بزرگ کا سن کر ان کے پاس چلے گئے اور پورے تین دن اور تین راتیں انہی کے پاس رہیں، اس بزرگ کا نام چنئی میں جا کر راقم نے معلوم کیا تو ''انور شاہ'' معلوم ہوا۔ اس کی تفصیل راقم نے اپنی کتاب ''تذکرہ علماء صوابی'' میں لکھی ہے۔ لہٰذا ان کے

---

[1] اگرچہ اس جگہ کا نام ''چغر مٹی'' ہے لیکن اب یہ اصحاب بابا سے مشہور ہو گیا ہے۔

عہد یعنی 1831ء تک یہ مزار نہیں تھا۔ اور نہ ہی درانی دور (1759ء تا 1818ء) میں اس کا تذکرہ ملتا ہے۔ پھر سکھوں کے دور (1818ء تا 1849) میں بھی اس کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔ 1849ء میں انگریزوں نے اقتدار سنبھالا تو انہوں نے جہاں ہر کام میں اپنی دلچسپی ظاہر کر دی، وہاں انہوں نے علمی اور تاریخی کام میں بھی اپنی رغبت دکھائی اور وقتاً فوقتاً جہاں خود بھی تاریخ لکھ لی وہاں اپنی سرکردگی اور زیر نگرانی میں دیسی لوگوں کے ہاتھوں بھی مثالی تاریخیں مرتب کیں۔ مثلاً صوبہ پختونخوا پر لکھی جانے والی کتاب "تاریخ پشاور" کی مثال لے لیجئے، اس کتاب کو انہوں نے اپنے ایک ہندو اسسٹنٹ کمشنر منشی گوپال داس کے ہاتھوں مرتب کرا کے ایک بڑا کارنامہ سرانجام دیا تھا۔ مذکور منشی گوپال داس نے اس دور میں جس محنت، لگن، چاشنی اور تحقیق کے بعد یہ کتاب مرتب کی ہے وہ یقیناً قابل تعریف ہے، منشی صاحب نے پورے صوبے کے ہر ہر گاؤں بلکہ یہاں بسنے والے افراد کا بھی ذکر کیا ہے [1]۔ اب سوال یہ ہے کہ وہ جہاں

---

[1] گلوب پبلیشرز لاہور سے چھپی 1700 صفحات پر مشتمل اس نایاب کتاب میں موجودہ صوبہ پختون خوا، جسے اس وقت صوبہ پشاور کہا جاتا تھا، کے اراضی، اقوام، خوانین، رسوم، طرز زندگی، گاؤں اور دیہات کی تفصیل، ناموں کی وجہ تسمیہ دغیرہ وغیرہ سمیت بہت کچھ لکھا گیا ہے حتیٰ کہ ہمارے گاؤں بیسک جو کہ صوابی کے علاقہ گدون میں واقع ہے اور جسکے بارے میں آج کی اس سائنس و ٹیکنالوجی کی تیز تر دنیا میں بھی شاید ہی کسی کو جانکاری ہو کہ ایسا کوئی گاؤں پختونخوا میں موجود بھی ہے کہ نہیں، لیکن اس کتاب میں اتنا تک لکھا ہے کہ علاقہ گدون میں بانڈہ جات کے علاوہ تین گاؤں ہیں؛ بیسک، گندف اور پابینی۔ آگے لکھا ہے کہ بیسک گاؤں میں عیسیٰ خان نامی ایک بہت دانا آدمی ہے جس کو آس پاس کے لوگ ہوشیاری کی وجہ سے "لومڑی" بلاتے ہیں۔ (ص 302) تفصیل کیلئے راقم کی کتاب "شخصیات صوابی" مطالعہ کیجئے گا۔ بہر حال آپ اس سے اندازہ لگالیجئے گا کہ ایسے میں ان سے پاس ہی میں واقع "اصحاب بابا" جیسا اہم مقام کیسے رہ گیا؟؟؟ للعاقل تکفی الاشارہ

پشاور سے سینکڑوں دور مختلف جگہوں اور لوگوں کا ذکر کرتا ہے، مثلاً ایسے میں ان سے پشاور شہر کے قریب ایک اہم مقام "اصحاب بابا" کیسے رہ گیا حالانکہ انہوں نے نہ صرف پورے صوبے کے تقریباً ہر گاؤں اور قصبے کا ذکر کیا ہے بلکہ اس کی وجہ تسمیہ، وہاں کے مشہور شخصیات اور مزاروں تک کا بھی ذکر کیا ہے۔ آپ خود اس کتاب کو پڑھ سکتے ہیں، گرچہ پہلے یہ کتاب ناپید تھی لیکن اب یہ انٹرنیٹ پر موجود ہے۔ پھر 1897ء میں بھی انگریزی رپورٹس تیار ہوئیں، ان میں اس کا تذکرہ کیوں نہیں ہے؟ لہٰذا اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ بیسویں صدی کے نصف تک یعنی 1950ء تک اس مزار کا کوئی نام و نشان موجود نہیں تھا۔ اور اگر تھا بھی تو آس پاس کے لوگوں تک محدود تھا۔ اس کے بعد قاضی اثر کی بے جا تصدیق "اثر" کر گئی اور پھر باہر کے لوگوں کا بھی اس طرف دھیان بڑھنے لگا اور رفتہ رفتہ بات پھیلنے لگی۔ اس لیے لگتا ہے کہ 1950ء [1] کے لگ بھگ قاضی اثر صاحب کی یہ انوکھی اور دلچسپ مگر غلط تحقیق "اثر" کر گئی اور اسکے بعد لوگ دھیرے دھیرے اس طرف متوجہ ہو گئے۔ اس لیے اس کی تاریخ اتنی بھی پرانی نہیں۔ اور ایک بات اور کہ اس کی شہرت دو دہائیاں پیشتر تک پھر بھی اتنی عام نہیں ہوئی جیسا کہ اب ہے ورنہ ڈاکٹر محمد اسحاق، قاضی اطہر مبارک پوری اور ڈاکٹر عبد الرحمٰن جیسے محققین کے سامنے ضرور اس کا تذکرہ آتا اور وہ

---

[1] یہ بھی قطعی نہیں کہا جا سکتا بلکہ اندازتاً لکھا کیونکہ قاضی اثر کی کتاب جس سے اس قبر کی شہرت ہوئی، یقیناً پتہ نہیں کہا جا سکتا کہ کب لکھی گئی، ایک اندازے کے مطابق 1950ء کے لگ بھگ لکھی گئی ہوگی۔ کتاب کی بات ہو رہی ہے، نہ کہ صدری باتوں کی۔ تاہم پھر بھی علمی حلقے میں اس کی نہ تو کوئی اشاعت ہوئی تھی اور نہ ہی کسی نے کوئی وقعت دی کہ اس طرف کسی مؤرخ، محقق یا لکھاری کا دھیان ہی نہیں جا سکتا تھا۔ اللہ جانے کہ اس کے پیچھے کیا حقیقت ہے اور کس کی نادانی ہے جس نے تاریخ کا چہرہ مسخ کر دیا ہے۔ واللہ اعلم

اس کی وضاحت کرنا ضروری سمجھتے۔ ان کا اس بارے میں لاعلمی اس پر بین ثبوت ہے کہ یہ بعد میں گڑی ہوئی وہ من گھڑت بات اور افواہ ہے جس کی حقیقت سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ واللہ اعلم

اس پر آپ حضرات میرا تحقیقی رسالہ بنام "حضرت سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ اور پشاور میں واقع مزار اصحاب بابا کا تحقیقی جائزہ" ملاحظہ کرسکتے ہیں جس میں مَیں نے دلائل سے ثابت کردیا ہے کہ حضرت سنان رضی اللہ عنہ پشاور میں نہیں ہیں۔ ویسے بھی یہ ممکن ہی نہیں کیونکہ عرض ہوا کہ ایک تو پشاور میں اس وقت کوئی آبادی نہیں تھی۔ اور دوسری بات یہ کہ پشاور کو آنا یا تو پنجاب کے راستے ہوتا جو کہ راجہ داہر کے قبضے میں تھا، اور یا پھر قبائلی علاقوں سے ہوکر آنا پڑتا جو مسلمانوں کے ہاتھوں فتح ہوکر ان کے ہاتھوں سے پھر نکل چکے تھے۔ اور تیسرا راستہ خیبر کا تھا کہ اس راستے یہاں داخل ہونا پڑتا تھا جو نامعلوم، مہیب اور مشکل ترین تھا کیونکہ افغانستان کا وہ علاقہ جو مسلمانوں کے پاس تھا اب وہ بھی مسلمانوں کے ہاتھوں سے نکل گیا تھا، انہوں نے وہاں پر حاکم خراسان کے دو بیٹوں ابو عبیدہ بن زیاد اور یزید بن زیاد کے ساتھ زید بن جدعان، ابو علی بن زید، وصلہ بن الشیم، ابوالصہباء، عمرو بن قتیبہ بدیل بن نعیم وغیرہ کئی نامور حضرات قتل کر کے بغاوت کرلی تھی۔ جنہیں سبق دینے کیلئے عبدالرحمٰن بن یزید الہلالی کو یہاں بھیج دیا گیا تھا[1]۔ تاہم ابھی حالات درست نہیں تھے۔ خود سوچیۓ کہ ایسے میں کوئی کیسے اُس راستے پر پشاور آسکتا تھا؟

مؤرخ سندھ عبدالحلیم شرر 1907ء میں چھپی جانے والی کتاب "تاریخ سندھ" میں فرماتے ہیں کہ حضرت سنان رضی اللہ عنہ نے بعد فتح قصدار (خضدار) وہیں قیام کیا

[1] تاریخ خلیفہ، 1/ 36

یہاں تک کہ داعی اجل نے انہیں آغوش لحد کے خواب نوشین میں سلادیا۔ شاعر ان ہی کے مرثیہ میں کہتا ہے:

حلّ بقصدار فأضحى بها	في القبر لم يقفل مع القافلين
لله قصدار و أعنا بها	أيّ فتى دنيا، أجنّت، ودين! [1]

"وہ یعنی حضرت سنان قصدار میں داخل ہوا اور پھر جب دیکھا تو قبر میں تھا۔ مجاہدین کے لشکر کیساتھ واپس نہ آیا۔ اللہ اللہ! قصدار اور اس کی وادی نے کیسے جوان دنیا و دین کو قبر کے سپرد کر دیا۔" [2]

ان اشعار سے گرچہ یہ تو ثابت ہوتا ہے کہ عبدالحلیم شرر اس بات کے قائل ہیں کہ حضرت سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ خضدار میں دفن ہیں تاہم ان اشعار کا مصداق حضرت سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ نہیں بلکہ حضرت منذر بن جارود رضی اللہ عنہ ہیں کیونکہ انہی اشعار کے متصل بعد بلاذری نے حضرت سنان رضی اللہ عنہ کے یہاں سندھ آنے کا ذکر کیا ہے۔ تو وفات ہونے کے بعد کیسے کوئی جہاد کیلئے آسکتا ہے؟ بلاذری کے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ یہ خضدار اس سے قبل حضرت سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ نے منذر سے قبل فتح کیا تھا پھر متصلاً لکھا وبہا مات تو یہیں سے غلط فہمی پیدا ہو گئی کہ اس میں ضمیر کس کی طرف راجع ہے؟

اصل میں شرر صاحب کو غلط فہمی یہاں سے پیدا ہوئی، بلاذری کی عبارت ملاحظہ ہو:

ثُمَّ ولى زياد المنذر بْن الجارود العبدي ويكنى أَبَا الأشعث ثغر الهند، فغزا البوقان والقيقان فظفر المسلمون وغنموا وبث السرايا في بلادهم، وفتح قصدار وسباها، وكان سنان قَدْ فتحها إلا أن أهلها انتقضوا، وبها مات فقال

---

[1] فتوح البلدان، ص419

[2] تاریخ سندھ، ص108۔

الشاعر......

پھر زیاد المنذر بن الجرود العبدی، جسے ابااشعث کہا جاتا ہے، نے ہندوستان پر حملہ کیا، چنانچہ مسلمانوں نے بوقان اور قیقان کو فتح کیا اور مال غنیمت حاصل کیا۔ اور یوں ان ملکوں میں پے در پے حملے کر کے فتوحات حاصل کیں۔ گرچہ حضرت سنان رضی اللہ عنہ نے اسے پہلے فتح کیا تھا لیکن وہاں کے لوگوں نے وعدہ خلافی کیا اور یوں ان کو شہید کر دیا شاعر نے کہا کہ......

جملہ معترضہ کی وجہ سے مولانا عبدالحلیم شرر صاحب کو اشتباہ ہو گیا ہے۔ وگرنہ اس کے بعد کی عبارت یوں ہے: ثُمَّ ولی عُبَیْد بْن زیاد بْن حری الباهلي، ففتح الله تلك البلاد عَلَى يده وقاتل بها قتالا شديدا فظفر وغنم، وقال قوم أن عُبَيْد الله بْن زياد ولى سنان ابن سلمة [1]

"پھر عبید اللہ بن زیاد نے بن حری باہلی کو حاکم بنایا جس نے یہاں کئی فتوحات کیں اور بہت سارا مال غنیمت حاصل کیا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ عبید اللہ بن زیاد نے حضرت سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ کو حاکم مقرر کیا تھا۔"

الحاصل اس مات میں ضمیر حضرت منذر کی طرف راجع ہے نہ کہ سنان کی طرف۔

حضرت حری باھلی جو کہ حضرت سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ کے شاگرد بھی ہیں، اصل میں وہ حضرت منذر بن جارود کے بیٹے حضرت حکم بن منذر کے بعد آئے تھے جیسا کہ دوسرے باب میں تفصیل سے گزر گیا ہے۔ منذر 62ھ میں شہید ہوئے اور اسی برس حضرت سنان رضی اللہ عنہ آئے ضرور مگر بہت کم مدت کے لیے [2]۔ اور جیسے ہی حضرت حکم

[1] فتوح البلدان، ص419

[2] تاریخ خلیفہ، ص236

آئے تو سنان رضی اللہ عنہ واپس بصرہ چلے گئے۔ حضرت حکم ایک سال کے بعد 63ھ یا 64ھ میں واپس ہوئے تب حضرت حری آئے۔ ان کی یہ آمد 65ھ میں ہوئی ہو گی کیونکہ دو ڈھائی سال تک سالار لشکر کی تعیناتی ہوتی تھی گرچہ ڈاکٹر عبد اللہ مبشر طرازی کی تحقیق کے مطابق حضرت حری 64ھ تا 68ھ تک یہیں رہے [1]۔ 62ھ کے بعد حضرت سنان رضی اللہ عنہ کا ذکر 72ھ میں ملتا ہے جب وہ والی بحرین تھے اور پھر اس کے بعد 75ھ میں جب حجاج نے انہیں والی بصرہ بنایا [2]۔ لیکن اسکے بعد ان کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔ 90ھ، 93ھ، 95ھ وہ قیاسیات ہیں جو ابن سعد اور خلیفہ کے اس قول توفي في آخر ولاية الحجاج بن يوسف سے لیے گئے جو کہ سراسر بے بنیاد ہیں۔ ایک بار اس پر تحقیقی بحث گزر گئی ہے جسے دہرانے کی ضرورت نہیں ہے۔

حاصل تحقیق

کئی سال مسلسل تحقیق کرنے کے بعد میں جس نتیجہ پر پہنچا ہوں اس کا خلاصہ یہ ہے کہ 75 ہجری میں حضرت سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ بصرہ سے خضدار آئے ہی تھے کہ مقامی لوگوں نے انہیں دھوکہ سے ایک جگہ بُلالیا اور وہاں انہیں شہید کر دیا، بعد ازاں وہیں پر آپؓ کو دفن بھی کیا گیا۔ اس مقام کو آج کل خِراوا کہا جاتا ہے، جو ضلعی پولیس اسٹیشن سے قریباً تین کلومیٹر اور خضدار ایئرپورٹ سے دو کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ راقم نے خود جاکر ان کے مزار کی زیارت کی [3]۔ راقم نے جاکر خضدار میں اسی

---

[1] الدکتور عبد اللہ مبشر الطرازی، موسوعۃ التاریخ الاسلامیۃ لبلاد السند والبنجاب (باکستان الحالیۃ) فی عھد العرب، ص 156

[2] تاریخ خلیفہ، 1 / 291

[3] تاریخ 13 اگست 2017ء

مقصد کے لیے پانچ دن گزارے کہ کسی نتیجہ پر پہنچ جاؤں۔ اس سلسلہ میں خضدار کے بریلوی اور دیوبندی ہر دو مکاتب فکر کے معروف، مستند اور سنجیدہ علماء سے ملاقاتیں کیں۔ جن میں بریلوی مکتب فکر کے مولانا شجاع الحق شاہ [1]، مولانا افتخار احمد یمنی اور مولانا محمد عارف قلاتی جبکہ دیوبندی علماء میں فاضل دیوبند مولانا عبید اللہ خضداری [2]، مولانا فیض محمد خضداری [3] اور مفتی امداد اللہ شامل ہیں۔ دونوں طرف کے علماء کے

---

[1] مولانا سید شجاع الحق شاہ ہاشمی ایک نوجوان عالم دین ہیں۔ ان کے آباء واجداد کا تعلق افغانستان کے علاقہ کونڑ سے ہے۔ وہاں سے یہ لوگ بلوچستان کے علاقہ مستونگ میں آکر آباد ہوئے۔ آپ کے جد امجد سید معروف شاہ کو 1148ھ میں والی افغانستان احمد شاہ ابدالی نے آکر یہ ملحقہ علاقہ آپ کی ملکیت میں دے دیا تھا۔ یہ خط ابھی تک آپ کے پاس محفوظ ہے۔ بہر حال شجاع الحق صاحب مستونگ سے خضدار آگئے اور یہاں آکر ایک مدرسہ کی بنیاد رکھی جس کا نام آپ نے "سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ" رکھ دیا۔ نیز آپ نے ایک عظیم الشان مکتبہ بھی قائم کر کے علم سے دلی وابستگی کی مثال قائم کر دی۔ بقول ان کے پورے صوبہ بلوچستان میں اس لائبریری کی مثال نہیں۔ راقم نے بھی اس مکتبہ سے خوب استفادہ کیا اور چونکہ آپ خود مطالعہ کے شوقین ہیں اس لیے آپ نے کافی معلومات فراہم کیں۔ آپ کی تحقیق یہ تھی کہ حضرت سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ یہیں خضدار میں مدفون ہیں۔ اور کمال کی بات یہ کہ بریلوی ہو کر بھی بدعات و خرافات کے مخالف ہیں۔ آپ کے ساتھ مولانا افتخار یمنی بھی ایک لائق فائق اور سلجھے ہوئے نوجوان عالم دین ہیں۔ کاش! بریلوی مکتب فکر کے تمام علماء ایسے ہو جائیں۔

[2] مولانا عبید اللہ خضداری نے 1984ء میں دارالعلوم دیوبند (انڈیا) سے مکرر دورہ حدیث پڑھ کر فراغت حاصل کی اور بعد ازاں تدریس سے منسلک ہوئے۔ آپ نے خضدار میں "دارالعلوم خضدار" کے نام سے ایک عظیم مدرسہ کی بنیاد رکھی جہاں سینکڑوں طلباء دور دور سے آکر اپنی علمی تشنگی بجھاتے ہیں۔ آپ علم الصرف اور علم النحو میں ایک سند کی حیثیت رکھتے ہیں۔ راقم نے 14 اگست 2017ء کو آپ سے آپ کے قائم کردہ جامعہ میں تفصیلی نشست کی اور رات بھی گزاری۔ بڑے اللہ والے صاحب دل انسان ہیں۔ اللہ علم و عمر میں اضافہ فرمائے۔ آمین

[3] جیسا کہ پہلے گزر گیا مولانا فیض محمد صاحب صوبہ بلوچستان کے امیر جمعیت علماء اسلام ہیں۔

متضاد بیانات سننے کو ملے۔ بریلوی حضرات اس بات پر مصر تھے کہ حضرت سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ یہیں خضدار میں آسودہ خاک ہیں جبکہ دیوبندی حضرات اس کا برابر انکار کرتے رہے۔ جہاں تک میں نے محسوس کیا تو اصل میں دیوبندی حضرات اس لیے تردید کرتے رہے کہ ایک تو حضرت سنان رضی اللہ عنہ کے بارے میں انہیں کوئی خاص اور ٹھوس ثبوت نہیں ملا تھا اور دوسری معقول بات جو وہ حضرات کر رہے تھے وہ یہ کہ اگر خضدار میں ان کی موجودگی مان بھی لی جائے تب بھی جگہ تو متعین نہیں ہے۔ اور جہاں تک مذکور مزار کا تعلق ہے تو یہ حضرات اس لیے منکر ہیں کہ انہیں ڈر ہے کہ کہیں ان کے مزار پر میلہ اور عرس وغیرہ کے نام سے بدعات جاری نہ ہو جائے۔ کوئی مانے یا نہ مانے، واقعی میں بہتیرے بدعات و خرافات پاک و ہند کے اکثر مزارات پر اسلام سے ناواقف لوگوں کی وجہ سے دیکھنے کو مل رہی ہیں۔ لیکن کیا اس وجہ سے کسی مزار سے انکار کیا جا سکتا ہے؟ مثلاً آپ لاہور کے حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کو دیکھ لیجئے۔ جنہیں لوگوں نے "داتا"[1] بنا دیا ہے، تو کیا اس وجہ سے حضرت علی ہجویری

خضدار میں کوشک کے مقام پر واقع جامعہ علوم شرعیہ کے بانی و مہتمم ہیں۔ آپ نے راقم کو بتایا کہ ڈاکٹر عبدالرحمن نے اپنی کتابوں میں یہ درست نہیں لکھا ہے کہ حضرت سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ یہاں خضدار میں مدفون ہیں۔ فرمایا کہ میں قاضی ہارون کو ساتھ لے کر کوئٹہ ان کے ہاں چلا گیا اور ان سے عرض کیا کہ یہ آپ نے کیا ہنگامہ بپا کر دیا ہے؟

[1] گرچہ داتا کے معنی اردو میں خدا کے علاوہ سخی، درویش، دینے والے اور فقیر کے بھی آتے ہیں لیکن کیا ہم خالق کے معنی پیدا کرنے والا کسی چیز کے مؤجد کیلئے استعمال کر سکتے ہیں؟ اسی طرح رزاق "روزی رساں" اور رحمان، مہربانی کرنے والے کیلئے استعمال کر سکتے ہیں جس کی ممانعت ثابت ہے؟ (المقصد الاسنی لغزالی 1 / 63)

تفصیل کیلئے عقائد میں فقہ اکبر، عقیدہ طحاویہ، النبراس، الاقتصاد اور شرح عقائد وغیرہ کتابوں کا مطالعہ کیجئے۔

رحمۃ اللہ علیہ کے مزار سے انکار کیا جا سکتا ہے؟ اہل تصوف اور اہل اللہ اس بات کو بخوبی جانتے ہیں کہ جتنا کوئی بندہ اللہ کے قریب ہوتا ہے اس کی قبر میں کس قدر زیادہ روحانیت اور جاذبیت ہوتی ہے۔ اہل سنت والجماعت ایک طرف اگر قبر پرستی کے مخالف ہیں تو دوسری طرف وہ قبور کی بے حرمتی بھی ناجائز سمجھتے ہیں اور یہی اہل سنت کا خاصہ ہے کہ یہ افراط و تفریط سے بچتے ہوئے اعتدال کے قائل ہیں [1]۔

قطعی طور پر کچھ کہا نہیں جا سکتا کہ واقعی یہی مزار حضرت سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ کا ہے کہ نہیں تاہم اس سے انکار بھی تو نہیں کیا جا سکتا کیونکہ امکان سے تو پھر بھی خالی نہیں ہے۔ اب مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ جیسے لوگ تو ہیں نہیں یا جو ہیں تو ہمیں معلوم نہیں جو بذریعہ کشف دیکھ کر ہمیں بتائیں کہ سنان رضی اللہ عنہ کہاں ہیں۔ اس کے بغیر قطعیت کا دعویٰ ہرگز ٹھیک نہیں ہے جو کوئی بھی نہیں کر سکتا ہے اور اگر کوئی کرے بھی تو وہ جانب بحق نہیں ہوگا۔ اپنا تو حال ہی بتانے والا نہیں کہ پوری دنیا میں شاید ہی کوئی مجھ جیسا سیاہ کار ہوگا لیکن ان مقدس ہستیوں سے عقیدت اور جنون کی حد تک محبت کی وجہ سے کچھ اشاروں کا ملنا بعید از قیاس نہیں بہرحال ایک مشاہداتی تجربہ آپ کے سامنے پیش کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ راقم جب 13 اگست 2017ء بروز اتوار عصر کے چھ بجے حضرت سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ کے مذکور مزار کو دیکھنے اور تحقیق کرنے کے لیے شہر خضدار سے روانہ ہوا تو یقین جانیے ایک عجیب کیفیت سے دوچار تھا۔ دل میں ہیجان، زبان پر درود شریف، روح کی بے چینی اور چشم پرنم کے ساتھ رواں دواں تھا کہ ایک مزار کے پاس ہماری کار جا کر رکی۔ چونکہ راقم نے اس سے پہلے کبھی زیارت نہیں کی

---

[1] بدقسمتی سے ایک طائفہ نے جہاں قبر پرستی کو اپنا شیوہ بنا دیا ہے تو دوسرے گروہ نے مزارات کی بے حرمتی کو اپنا شعار بنا رکھا ہے اور اسے افراط و تفریط کہتے ہیں جو کہ شریعت اسلامیہ میں درست نہیں ہے۔

تھی اسلئے مجھے وہ مزار معلوم نہیں تھا اور نہ ہی ساتھیوں نے بتایا کہ یہ قبر ہے۔ ہم لوگ ایسی قبر کے پاس جاکر کھڑے ہوئے جس پر کچھ کتبہ یا کسی قسم کی تحریر بھی نہیں تھی جس سے نشاندہی کی جاسکتی، بہر حال ہم نے دعا کی لیکن خدا جانے مجھے کیسے اندر سے آواز آئی کہ یہ قبر تو ان کی ہر گز نہیں ہو سکتی۔ جب مزار سے باہر نکلے تو ساتھیوں سے پوچھا آیا یہی وہ قبر ہے جس کے بارے میں مشہور ہے کہ حضرت سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ یہیں مدفون ہیں ؟ نہیں جی ! ابھی ہم نے وہاں جانا ہے یہ تو اس راستے سے گزر رہے تھے تو سوچا بی بی مریم گیلانی کا مزار بھی آپ کو دکھائیں جو ایک بڑی نیک عورت ہو گزری ہے۔ تب جاکر دل مطمئن ہوا اور اسی بے قراری و بے چینی کیساتھ ہم آگے بڑھے، چند ساعات کے بعد ہم ایک سادہ کمرہ کے سامنے جاکر رُک گیے۔ چونکہ اس سے پہلے بھی ہم جابجا ملاقات کیلئے رکے تھے اس لیے یوں معلوم ہو رہا تھا کہ ان کو جاتے جاتے کوئی اور کام یاد آگیا ہے اور کسی سے ملنے کیلئے ہم یہاں رکے ہیں لیکن نجانے کیوں دل سے آواز آئی کہ نہیں یہی وہ منزل مقصود ہے جس کیلئے تم نے سینکڑوں میل کا فاصلہ طے کیا ہے۔ ایک ساتھی نے دروازہ کھولا اور ہم اندر داخل ہوئے۔ داخل ہوتے ہی میرے اعضاء جیسے سُن ہو گئے ہوں، دل دَھڑکنے لگا، دماغ ماؤف ہو گیا، زبان پر قفل لگ گیا اور آنکھیں برسنے لگیں۔ خدا جانے کیوں وجدانی کیفیت مجھے بار بار یہی کہہ رہی تھی کہ یہی تیرا مقصد و منزل تھا۔ وہاں مقیم ایس پی اصغر علی یوسفزئی صاحب (آف مرغز صوابی) نے بھی راقم کو بتایا کہ یہیں پر حضرت سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ کا مزار ہے۔ ڈی آئی جی فصیح الدین صاحب [1] نے بھی راقم کو مزید بتایا کہ اس پر ایک گنبد بھی بنا تھا جو کہ

[1] جناب فصیح الدین صاحب جو کہ ایک پی ایس پی آفیسر ہیں اور پھر پولیس میں بھی آپ ڈی آئی جی جیسے ایک ذمہ دار منصب پر فائز ہیں، ایسے میں لکھنے پڑھنے کے لیے وقت نکالنا، اس بات کا ثبوت ہے ☜

1935ء کے زلزلے میں گر گیا تھا۔ تاہم اس پر تاریخ شہادت غلط لکھی گئی ہے۔ میرے خیال میں کسی نے ویسے ہی اٹکل لکھ دیا تھا جیسا کہ پشاور کے مقام چغر مٹی میں واقع "مزار اصحاب بابا" پر اٹکل سے 45ھ لکھا گیا ہے۔

لطلہ کہ آپکو علم سے کتنی دلچسپی ہے۔ اور صرف عام معلومات تک محدود نہیں بلکہ آپ تحقیق و تدقیق کے مشتاق ہیں، اسکا اندازہ پشاور میں ورسک روڈ پر آپکی قائم کردہ ریسرچ لائبریری سے لگایا جاسکتا ہے۔ جس میں اردو، عربی، پشتو اور انگریزی کی کئی نایاب اور قیمتی کتابیں موجود ہیں۔ راقم بھی کبھی کبھار وہاں جاکر اپنی علمی تشنگی بجھاتا ہے۔ آپ نے تین کتابیں لکھی ہیں اور کبھی کبھار کالم بھی لکھتے ہیں۔ آپ نے حضرت سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ پر دو کالم لکھے تھے جو روزنامہ آج پشاور اخبار میں چھپے تھے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ آپ ہی کی ترغیب پر راقم نے حضرت سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ پر ایک تحقیقی رسالہ لکھا تھا۔ کہ جب آپ نے بتایا کہ ایک صاحب نے "اصحاب بابا" پر ایک کتاب لکھی ہے لیکن بدقسمتی سے اس کتاب میں اصل موضوع کو چھوڑ کر متعلقات پر خوب بحث کی گئی ہے، اور افسوس کی بات یہ کہ صاحب کتاب عالم فاضل ہونے کے ساتھ پی ایچ ڈی بھی ہیں بلکہ ایک سرکاری جامعہ میں پروفیسر کے عہدے پر متمکن ہیں، شاید میں ان باتوں پر کوئی خاص توجہ نہ دیتا اگر جناب فصیح صاحب اسکے بعد والے الفاظ نہ بولتے۔ کہنے لگے کہ تعجب اس مؤلف پر نہیں کہ اس دور قحط الرجال میں ایسی بے شمار کتابیں لکھی جارہی ہیں جنہیں نہ پڑھنا شاید پڑھنے سے بہتر ہے کہ وہ مزید معلومات دینے کے بجائے دل و دماغ میں شکوک و شبہات پیدا کرتی ہیں، بہرحال یہ تو ایک طرف لیکن افسوس اس بات پر ہے کہ اس پر فلاں اور فلاں صاحبان علم کی تقاریظ ثبت ہیں۔ بس یہ بات سننے کی دیر تھی کہ میں مزید ضبط نہ کرسکا کیونکہ دونوں میرے اساتذہ ہیں۔ میں نے انہیں اس وقت جواب دیا کہ جناب! اصل میں ہمارے علماء ایک تو ظنوا المومنین خیرا کے تحت ہر کہ ومہ پر خیر کا گمان کرتے ہیں اور دوسری بات یہ کہ ان کے پاس اتنا وقت ہی کہاں ہوتا ہے کہ پوری کتاب دیکھ لیں اور انہیں جب یہ معلوم ہوجائے کہ صاحب کتاب عالم فاضل ہے تو وہ فوراً اس کے دلجمعی کے لیے ایک آدھ صفحہ لکھ دیتے ہیں۔ لیکن آپ فکر نہ کریں، انشاءاللہ آپ اُن صاحبان علم کے اس نالائق شاگرد کو بہت جلد دیکھ لیں گے کہ یہ آپ کی دلی تمنا پورا کرلے گا۔ پھر ایک عرصہ تک مختلف کتابوں کی ورق گردانی کرنے کے بعد ایک رسالہ لکھ کر انہیں دکھایا تو بہت خوش ہوئے۔ بہرحال آپکی علم دوستی قابل دید و قابل داد ہے۔ اللہ کرے ہمارے سارے افسران اسی طرح علم دوست ا[illegible] بن جائیں۔

حضرت سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ صحابی تھے کہ تابعی؟

ایک اور اہم بحث جو ہر حال میں قابل ذکر ہے وہ یہ کہ آیا حضرت سنان بن سلمہ صحابی رضی اللہ عنہ تھے کہ تابعی؟ اس بارے میں امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مشہور کتاب تدریب الراوی میں لکھا ہے کہ علماء اسماء الرجال یہاں پر طرفین میں بٹ گئے ہیں۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ صحابیت کیلئے عقل و فہم شرط ہے کہ وہ سن تمیز تک پہنچ گیا ہو، تب وہ صحابی ہیں وگرنہ پھر وہ تابعی ہو گا۔ لہٰذا امام ابن سعد، ابوزرعہ، حافظ عجلی، ابن ابو حاتم اور ابن معین وغیرہ حضرات اسی قاعدے کی رو سے حضرت سنان رضی اللہ عنہ کو ثقہ اور کبار تابعین میں شمار کرتے ہیں۔ جبکہ دوسری جانب کے علماء کا خیال ہے کہ سن تمیز شرط نہیں ہے بلکہ جو عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں پیدا ہوا، وہ صحابی ہے۔ اور رہی بات حضرت سنان رضی اللہ عنہ کی تو جب اس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے گود میں لے کر تحنیک کیا اور نام بھی رکھا اور دعا بھی کی تو ایسے میں ان کو کیوں کر صحابی نہ کہا جائے؟ لہٰذا حضرت سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ صحابی ہی ہیں۔ خلیفہ ابن خیاطؒ، امام طبرانیؒ، امام بخاریؒ، ابن حبانؒ، ابن عبد البرؒ، ابن حجر عسقلانیؒ، ابن ابی عاصمؒ، امام ہیثمیؒ، ابن فندمہؒ، امام ذہبیؒ، ابن کثیرؒ، امام دارمیؒ اور امام ابن اثیرؒ وغیرہ حضرات حضرت سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ کو صحابی مانتے ہیں۔

آپ رضی اللہ عنہ کی مرویات

آپؓ بطل شجاع ہونے کے ساتھ راوی حدیث بھی ہیں، تاہم وفات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت چونکہ آپ رضی اللہ عنہ کی عمر صرف تین سال کی تھی اس لیے آپؓ نے خود تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ سنا نہیں البتہ اپنے والد محترم حضرت سلمہ بن محبق رضی اللہ عنہ، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ جیسا کہ امام مزی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: رَوَى عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسَلَّمَ، وعَنْ أَبِيهِ

سلمة بْن الْمُحَبِّق وعَبد اللهِ بْن عباس ، وعُمَر بْن الخطاب.رَوَى عَنه: حبيب بن عَبد اللهِ الأزدي وخالد الابثج، وسلمة بْن جنادة الهذلي، وقَتَادَة وقيل: لم يسمع منه ومعاذ بْن سعوة الرقاشي الراسبي من قيس عيلان، ونحاز بْن جدي-ويُقال:ابن حدي،ويُقال:ابن حوي الحنفي، وهارون بْن رئاب. وكَانَ من الشجعان الأبطال الفرسان.[1]

آپ رضی اللہ عنہ کی مرویات کتب حدیث واسماء الرجال میں یہ ہیں؛
صحیح مسلم میں حدیث نمبر 725، ابوداؤد میں 646، ترمذی میں 1820، ابن ماجہ میں 1265، نسائی میں 305، مسند احمد میں 340، مستدرک حاکم میں 1879، بیہقی میں 4759، مصنف ابن ابی شیبہ میں 15706، الکنی ولاسماء للدولی میں 401، تفسیر ابن ابی حاتم میں سورۃ اعراف آیہ 32 کے تحت، طبقات ابن سعد میں ترجمہ 2998، تاریخ الکبیر للبخاری میں 900، تاریخ الکبیر لابن ابی خیثمہ میں ت 4083، معجم الصحابہ للبغوی میں ت 651، معجم الصحابہ لابن قانع میں 1 / 278 پر، دارقطنی میں 1 / 527، معرفۃ الصحابہ لابن مندہ میں 1 / 561، معرفۃ الصحابہ لابی نعیم میں ت 2597، 3410، 3609، 3616، 3615، 5529، الاستیعاب لابن عبدالبر میں ت 708، الاکمال لامام ماکولا میں 4 / 316، 7 / 256، تہذیب مستمر الاوہام میں 1 / 296، ابن عساکر میں 1 / 93، 94، اسد الغابہ میں 2261، 4125 اور دیگر کتب میں بھی ان کی روایات ذکر ہیں، تاہم ان پر اکتفاء کیا جاتا ہے۔

[1] تہذیب الکمال فی اسماء الرجال لامام المزیؒ (م742ھ)، 12 / 150

حضرت منذر بن جارود عبدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

آپؓ کے والد حضرت جارود رضی اللہ عنہ تھے۔ علماء کا کہنا ہے کہ آپ کا اپنا نام بشر [1] تھا، لیکن قبیلہ بکر بن وائل کے خلاف جہاد کرنے کی وجہ سے جارود سے مشہور ہوئے۔ ایک شاعر نے کہا تھا؛

قدّسناهم بالخيل من كلّ جانب　　كما جرّد الجارود بكر بن وائل [2]

یاد رہے کہ حضرت منذر رضی اللہ عنہ کے والد جارود "بشر" سے مشہور تھے۔ چچ نامہ میں بشر کو جارود کے باپ کا نام لکھا گیا ہے جو کہ سہو ہے۔ جیسا کہ ابن حجر عسقلانی نے آپ کے شجرہ میں لکھا ہے؛

المنذر بن الجارود واسمه بشر بن عمرو بن حبيش بن المعلى بن يزيد ابن حارثة بن معاوية العبديّ، وأمّه أمامة بنت النّعمان. [3]

---

[1] مختصر تاریخ دمشق، 256/25

[2] انظر لجارود:تجريد أسماء الصحابة/ 74، تنقيح المقال- 1628، أعيان الشيعة 4/ 56، جامع الرجال1/ 354، بقي بن مخلد 356، الطبقات الكبرى5/ 557، 7/ 86، الثقات 3/ 59 تقريب التهذيب 1/ 124، تهذيب الكمال 1/ 182، الوافي بالوفيات 11/ 35، التاريخ الكبير 1/ 43، 50، تاريخ الإسلام 3/ 133، التاريخ الكبير 2/ 236، الجرح والتعديل 2/ 2181، الكاشف 1/ 178، ابن سعد 5/ 407، تلقيح فهوم أهل الأثر 3730، تبصير المتنبه 3/ 923 مشاهير علماء الأمصار 246، أسد الغابة ت(657)، الاستيعاب ت (353).

[3] حضرت منذر بن جارود کیلئے دیکھئے: الأخبار الطوال 231، المعارف 339، الأخبار الموفقيات 328، فتوح البلدان 439، المعرفة والتاريخ 3/ 313، تاريخ اليعقوبي 2/ 204، مروج الذهب 1631، الشعر والشعراء 621، شرح نهج البلاغة 4/ 230، الكامل في التاريخ 1814، ربيع الأبرار 4/ 197، الخراج وصناعة الكتابة 279، ☞

ابن عساکر نے آپ کا شجرہ یوں لکھا ہے؛المنذر بن الجارود واسمه بشر بن حنش بن المعلى ابن الحارث بن زيد بن حارثة أبو غسان بن معاوية العبدي [1]

اور معاویہ سے آگے شجرہ یہ ہے؛معاوية ابن ثعلبة بن جذيمة بن عوف بن بكر بن عوف بن أنمار بن عمرو بن وديعة بن بكر بن أفضى بن عبد القيس. [2]

آپؓ اپنی کنیت ابو الاشعث سے مشہور ہوئے۔ آپؓ تقریباً 2 ہجری میں پیدا ہوئے۔ اسلئے آپؓ کو دیدار نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سعادت نصیب ہوئی تھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آپؓ کو اصطخر کا والی بنا کر بھیجا تھا۔ اور پھر ان کا ساتھ دے کر جنگ جمل میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف لڑے تھے۔ آپؓ نہایت بہادر، دلیر اور شجاع انسان تھے۔ 53ھ میں حضرت زیاد بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد 54ھ میں ان کا بیٹا عبید اللہ بن زیاد خراسان کا نیا گورنر منتخب ہوا، تاہم حضرت زیاد رضی اللہ عنہ نے اپنے وصال سے قبل ہی حضرت منذر بن جارود رضی اللہ عنہ کو سندھ کی ولایت سونپی تھی۔ یہاں آکر آپؓ نے قیقان، قندابیل، خضدار اور مکران وغیرہ علاقے پھر سے فتح کیے اور یہاں سے بہت سے لونڈی غلام اور مال غنیمت حاصل کرکے وطن بھیج دیے تھے۔ بلاذری آپؓ کے بارے میں فرماتے ہیں؛ثُمَّ ولى زياد المنذر بْن الجارود العبدي ويكنى أَبَا الأشعث ثغر الهند، فغزا البوقان والقيقان فظفر المسلمون وغنموا وبث السرايا في

عيون الأخبار 1/ 228، أنساب الأشراف 1/ 500، تاريخ خليفة 236، تاريخ الطبري 4/ 80، العقد الفريد 3/ 415، وفيات الأعيان 2/ 538، تاريخ الإسلام 2/ 256. (2) أسد الغابة ت (5135)، الاستيعاب ت (2532)

[1] تاریخ ابن عساکر، ت 7185

[2] ایضاً

بلادهم،وفتح قصدار وسبابها، وكان سنان قَدْ فتحها إلا أن أهلها انتقضوا. [1]

بلاذری کا یہ کہنا کہ حضرت زیاد نے آپؓ کو سندھ روانہ کیا، اس بات کا ثبوت ہے کہ آپؓ حضرت زیاد رضی اللہ عنہ کے بھیجے گئے آخری والی سندھ تھے، کیونکہ اس کے بعد وہ پھر دنیا میں نہ رہے۔ آپؓ نے وہ علاقے جنہیں آپؓ سے قبل حضرت سنان رضی اللہ عنہ فتح کر چکے تھے لیکن وہ پھر سے باغی ہو چکے تھے، انہیں پھر سے فتح کیا اور وہاں سے کافی مقدار میں مال غنیمت حاصل کیا۔ دو سال یہاں رہنے کے بعد آپؓ 55ھ میں واپس ہوئے۔ علامہ یاقوت حموی لکھتے ہیں کہ ؛ولّى زياد ابن أبيه المنذر بن الجارود العبدي، ويكنى بأبي الأشعث، ثغر الهند فغزا البوقان والقيقان فظفر المسلمون وغنموا، ثم ولّى عبيد الله بن زياد بن حرّيّ الباهلي ففتح الله تلك البلاد على يده وقاتل به قتالا شديدا، وقيل: إن عبيد الله ابن زياد ولّى سنان بن سلمة بن المحبّق الهذلي وكان حرّيّ بن حرّيّ معه على سراياه، وفي حرّيّ يقول الشاعر:

لولا طعاني بالبوقان ما رجعت　　　منه سرايا ابن حرّيّ بأسلاب [2]

یاقوت حموی کی اس عبارت سے لگتا ہے کہ ابو الاشعث منذر بن جارود رضی اللہ عنہ کو جب حضرت زیاد رضی اللہ عنہ نے سندھ بھیج دیا تو وہاں بوقان و قیقان وغیرہ علاقوں کو فتح کرنے کے بعد ایک عرصہ تک رہ کر واپس ہوئے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد اس کا بیٹا یزید تخت نشین ہوئے تو اس کے دور میں حضرت منذر بن جارود رضی اللہ عنہ آخری صحابیؓ ہیں جو سندھ آئے اور ایسا آئے کہ پھر واپس کبھی نہیں گئے۔ تاہم 61ھ میں حضرت منذر

---

[1] فتوح البلدان، ص418

[2] معجم البلدان، ص510

بن جارود رضی اللہ عنہ سندھ آئے تھے، اور اسی سال جبکہ کربلا جیسا جانکاہ واقعہ پیش آیا، آپؓ ابھی بصرہ میں تھے کیونکہ حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہ نے آپؓ کو بصرہ میں ایک خط بھیجا تھا جس کے الفاظ یہ ہیں:

بسم الله الرحمن الرحيم من الحسين بن على الى مالك بن مسمع، والأحنف ابن قيس، والمنذر بن الجارود، ومسعود بن عمرو، وقيس بن الهيثم، سلام عليكم، اما بعد، فانى ادعوكم الى احياء معالم الحق وأماته البدع، فان تجيبوا تهتدوا سبل الرشاد، والسلام.

فلما أتاهم هذا الكتاب كتموه جميعا الا المنذر بن الجارود، فانه أفشاه. [1]

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک تو آپؓ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے حامیوں میں سے تھے کیونکہ علامہ دینوری (م 282ھ) نے اس خط سے قبل لکھا ہے کہ:

وقد كان الحسين بن على رضی اللہ تعالیٰ عنہ كتب كتابا الى شيعته من اهل البصره

اور دوسری یہ بات معلوم ہوئی کہ آپؓ ابھی بصرہ میں تھے لیکن آپؓ واقعہ کربلا کے پیش آنے سے قبل ہی بسوئے سندھ روانہ ہو چکے تھے۔ کیونکہ آپؓ اگر وہاں موجود ہوتے تو شاید یہ قیامت خیز حالات پیدا نہ ہوتے کہ آپ رضی اللہ عنہ نہ تو کسی سے ڈرنے والے تھے حتیٰ کہ آپؓ یزید کو بھی کھری کھری سناتے تھے، حالانکہ یزید رشتے میں آپؓ کا داماد تھا اور وہ آپؓ کی بڑی قدر کرتا تھا [2]۔ اور جب یہ خط جسے سب نے چھپا دیا تھا، آپؓ نے یہ سمجھتے ہوئے کہ کہیں ابن زیاد ہمیں چکمہ نہ دے رہا ہو، اپنے ایک قاصد کو دے کر ہدایت دی کہ اسے لے جا کر ابن زیاد کو دکھائے کہ یہ کیا ہے۔ طبری نے لکھا ہے

---

[1] الاخبار الطوال، ص 231

[2] تاریخ طبری، ص 318/5

کہ ابن زیاد نے اس قاصد کو قتل کر دیا؛فکل من قرأ ذَلِكَ الكتاب من أشراف الناس كتمه، غير المنذر بن الجارود، فإنه خشي بزعمه أن يكون دسيسا من قبل عُبَيْد اللهِ، فجاءه بالرسول من العشية [1]

میرے خیال میں انہی دنوں میں آپؓ سندھ چلے آئے اور مسلسل فتوحات کرنے کے بعد ایک سال یا اس سے کم و بیش تک یہاں مقیم رہے اور اسی سال 61ھ میں یا 62ھ میں یہاں ایک معرکے میں شہید ہوئے۔ علامہ خلیفہ ابن خیاط بصری (م240ھ)، امام طبری اور علی محمد صلابی نے آپکی شہادت کی تاریخ سن 62 ھ لکھا ہے [2]، جبکہ صاحب چچ نامہ، امام ابن اثیر، ابن عساکر، امام ذہبی اور امام اصفہانی وغیرہ حضرات نے 61ھ لکھا ہے [3]۔ یاقوت حموی کی اس عبارت کو بغور پڑھیے؛وولى زياد المنذر بن الجارود العبدي، ويكنّى أبا الأشعث، ثغر الهند فغزا البوقان والقيقان فظفر المسلمون وغنموا وبثّ السرايا في بلادهم وفتح قصدار وشتّى بها، وكان سنان بن سلمة المحبّق الهذلي فتحها قبله إلا أن أهلها انتقضوا وبها مات:

اس میں حموی نے دونوں بار آنے کو یکجا ذکر کیا ہے کیونکہ پہلی بار انہیں حضرت زیاد رضی اللہ عنہ نے 53ھ میں سندھ ضرور بھیجا تھا لیکن پھر اسی برس حضرت زیاد رضی اللہ عنہ دنیا سے چل بسے تھے، جبکہ حضرت منذر بن جارود رضی اللہ عنہ جیسا کہ عرض ہوا کہ 61ھ یا 62ھ میں شہید ہوئے، اب جگہ پر بھی اختلاف ہے کیونکہ خلیفہ نے آپکی جائے

---

[1] ایضاً، ص5/357

[2] تاریخ خلیفہ 1/236، تاریخ طبری 6/343، الدولۃ الامویہ 1/391

[3] چچ نامہ ص108، تاریخ ابن اثیر 3/202، تاریخ اسلام 5/256، البستان الجامع 1/116

شہادت سرحد قندابیل لکھا ہے [1]۔ جبکہ حموی کا بیان ہے کہ آپؓ خضدار میں شہید ہوئے [2]۔ اور حال یہ ہے کہ دونوں ایک ہی ہیں کیونکہ خضدار بھی قندابیل ہی کی سرحد پر واقع ہے۔ بقول بلاذری کے حضرت منذر بن جارود رضی اللہ عنہ قصدار (خضدار) میں داخل ہوا۔ اور وہیں قیام کیا یہاں تک کہ داعی اجل نے انہیں آغوش لحد کے خواب نشین میں سلادیا۔ شاعر نے ان کے مرثیہ میں کہا تھا؛

حلّ بقصدار فأضحى بها　　　في القبر لم يقفل مع القافلين

لله قصدار و أعنا بها　　　أيّ فتى دنيا، أجنّت، ودين! [3]

ترجمہ اشعار: وہ یعنی حضرت منذر رضی اللہ عنہ قصدار میں داخل ہوا اور پھر جب دیکھا تو قبر میں تھا۔ مجاہدین کے لشکر کیساتھ واپس نہ آیا۔ اللہ اللہ! قصدار اور اس کی وادی نے کیسے جوان دنیا و دین کو قبر کے سپرد کر دیا۔ [4]

حضرت منذر بن جارود رضی اللہ عنہ کی شہادت کا سن کر آپکے بیٹے حضرت حکم بن منذر نے یزید بن امیر معاویہ کو لکھا کہ مجھے اپنے والد کی جگہ سندھ کی ولایت تفویض کی جائے، اس وقت حکم کرمان میں تھے۔ عبید اللہ بن زیاد نے جب حضرت منذر بن

---

[1] تاریخ خلیفہ 1/ 236

[2] معجم البلدان، ص510

[3] فتوح البلدان، ص419

[4] تاریخ سندھ، ص108۔ بلاذری نے ان اشعار کے بعد لکھا ہے کہ حضرت منذر کے بعد حضرت حری آئے اور ایک روایت کے مطابق حضرت منذر کے بعد سنان آئے۔ تو کیسے سنان کے بارے میں تسلیم کیا جائے کہ حضرت سنان، منذر بن جارود سے پہلے شہید ہوئے۔ بلاذری لکھتے ہیں؛ثُمّ ولى عُبَيْد بْن زياد بن حري الباهلي، ففتح الله تلك البلاد عَلَى يده وقاتل بها قتالا شديدا فظفر وغنم، وقال قوم: أن عُبَيْد الله بْن زياد ولى سنان ابن سلمة (فتوح البلدان، ص419)

جارود رضی اللہ عنہ کی موت کا سنا تو بے حد غمزدہ ہو کر بے اختیار رونے لگا۔ اور اسکے بیٹے حکم کیلئے تیس ہزار درہم [1] کا اعلان کر دیا اور پھر اسے سندھ روانہ کر دیا [2]۔ اور جب حضرت حکم بن منذر رضی اللہ عنہ سے بھی بات نہ بنی تب ایک بار پھر 62ھ میں حضرت سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ سندھ آئے تھے اور یہاں کے حالات ٹھیک کر کے گئے تھے [3]۔ یہ حضرت سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ کی یہاں پر تیسری بار آمد تھی تاہم اس کا ذکر صرف خلیفہ بن خیاط نے کیا ہے۔ چچ نامہ میں "ولایت منذر بن جارود" کے تحت لکھا ہے؛ پھر یہ ملک (سندھ) منذر بن جارود بن بشر [4] کے سپرد ہوا۔ جب خلیفہ کے حکم سے منذر رضی اللہ عنہ خلعت گورنری پہن کر 61ھ میں جنگ پر روانہ ہوا تو اس کا جامہ ایک ابھری ہوئی لکڑی سے الجھ کر پھٹ گیا۔ اس پر عبید اللہ بن زیاد نے غمگین ہو کر کہا کہ منذر کی فال اچھی نہیں ہوئی۔ جب وہ اسے وداع کر کے واپس آیا تو رو کر کہنے لگا کہ منذر اس سفر سے واپس نہ آئے گا اور ہلاک ہو جائے گا۔ ابن زیاد سے عبد العزیز نے کہا مال ضائع ہو رہا ہے اور تم کسی کو مقرر نہیں کرتے؟ اس نے کہا کہ منذر کو بھیجا ہے جس سے جنگ اور شجاعت میں کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اگر قسمت نے یاوری کی تو مقصد میں کامیابی حاصل کر کے واپس آئے گا۔ منذر جب وہاں سے روانہ ہو کر دشمنوں کے ملک میں پہنچا تو دریائے پورالی کے قریب بیمار ہوا اور جان خدا کے حوالے کی۔ آپ رضی اللہ عنہ کے

---

[1] اور چچ نامہ میں لکھا ہے کہ تین لاکھ درہم دئے تھے۔ جیسا کہ آگے آرہا ہے۔

[2] جمہرۃ الانساب ص 296، معارف ص 256، تاریخ خلیفہ ص 287، منہاج الدین ص 84، العقد الثمین 113

[3] تاریخ خلیفہ ص 236

[4] یہاں غلطی ہوئی ہے چچ نامہ میں کیونکہ بشر تو جارود کا اپنا نام تھا، نہ کہ جارود کے باپ کا، جیسا کہ ڈھیر ساری کتابوں کے حوالے سے اوپر لکھا گیا ہے۔

مزار کے بارے میں بھی راقم نے کوشش کی لیکن کوئی ٹھوس بات یا یقینی قبر کا تعین نہ ہو سکا، ڈاکٹر عبد الرحمن براہوی کا کہنا ہے کہ آپؓ کا انتقال خضدار میں ہوا، اور خضدار کے "میری بٹ" کے مقام پر جن دو صحابہ کرام کے مزارات ہیں، ان میں سے غالباً ایک حضرت منذر بن جارود رضی اللہ عنہ کا ہے [1]۔ ڈاکٹر فصیح الدین (ڈی آئی جی) نے راقم کو بتایا کہ حضرت منذر بن جارود رضی اللہ عنہ کے مزار کو مقامی لوگ "نو دین بابا" کہتے ہیں [2]۔ "نو دین" اس مزار کو کب سے اور کیوں کہا جانے لگا؟ یہ تحقیق ابھی تشنہ لب ہے۔ کیونکہ ایک صحابی کے مزار پر ایسا نام عجیب لگتا ہے۔ شاید کہ اسلام ان کے لیے ایک نیا دین تھا اس لیے "نو دین" سے مشہور ہوئے۔ البتہ مولانا فیض احمد خضداری (صوبائی امیر جمیعت علماء اسلام بلوچستان) کی تحقیق کے مطابق حضرت منذر کی قبر مبارک خضدار میں نہیں ہے بلکہ پورالی میں ہے اور اگر بالفرض خضدار میں ہو بھی تو وہ معلوم نہیں کہ کس جگہ پر ہے [3]۔ آپؓ کے بعد آپؓ کا بیٹا حکم بن منذر کرمان میں تھا، اس کے پاس (منذر نے علالت کے دوران اپنی بیماری کا حال) لکھ بھیجا تھا۔ حجاج بن یوسف نے کہا تھا کہ عرب کے امراء و رؤساء میں سے ایک نے خدا کی راہ میں جان دی ہے۔ جب حکم بن منذر آیا ار عبید اللہ کو اس واقعہ کی خبر دی تو وہ رونے لگا اور بے حد غمگین ہوا۔ پھر اس کے بیٹے حکم کو بلا کر تین لاکھ درہم بخشش میں دیے۔ اس کے بعد چھ مہینے تک سندھ کی گورنری اس کے حوالے رہی [4]۔ حضرت حکم بن منذر نے چھ ماہ

---

1. بلوچستان میں عربوں کی فتوحات اور حکومتیں، ص126
2. انٹرویو بتاریخ 27 جولائی 2017ء بمقام کمانڈنٹ بنگلہ، ہنگو۔
3. انٹرویو بتاریخ 15 اگست 2017ء بمقام علوم شرعیہ کوشک خضدار۔ فاضل دارالعلوم دیوبند مولانا عبید اللہ خضداری (مہتمم دارالعلوم خضدار) نے بھی اس کی تصدیق کی۔
4. چچ نامہ، ص108

تک یہاں سندھ میں باغیوں سے برسرپیکار رہے۔ اس مدت میں انہوں نے اپنی لیاقت و بہادری ظاہر کردی، خصوصاً ان کی سخاوت کافی مشہور تھی جس پر کئی شعراء نے شاعری کی، چچ نامہ میں وہ اشعار درج ہیں [1]۔ آپ کے اہل و عیال میں بعض مستقل طور پر یہاں مکران اور بعد میں سندھ میں آباد ہوئے [2]۔ اب بھی بلوچستان اور سندھ میں جابجا عرب لوگ آباد ہیں جیسا کہ انگریز مؤرخ جی پی ٹیٹ نے 1875ء میں لکھا تھا کہ کچی میں آباد رند قوم اور باہو کے شہزادے اصل نسل سے عرب ہیں [3]۔

یہ وہ صحابہ تھے جن کا تذکرہ مؤرخین نے کیا ہے کیونکہ یہ نامور سپہ سالار تھے۔ انکے علاوہ کتنے اصحاب رسول ﷺ یہاں پاکستان آئے، کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ جب سن 15ھ میں حضرت مغیرہ بن ابی العاص رضی اللہ عنہ یہاں آئے تو ان کے ساتھ کم از کم لشکر دو تین سو کا تو ہوگا۔ ایک بار تو 42ھ میں حارث بن مرہ عبدی رضی اللہ عنہ کے ہمراہ تقریباً ڈیڑھ ہزار صحابہ و تابعین نے قلات میں جام شہادت نوش کیا تھا۔ ان میں یقیناً اکثریت تابعین کی ہی ہوگی لیکن ان میں صحابہ کرام بھی بہرحال موجود تھے، کم از کم ان میں دس فیصد صحابہ کرام بھی تسلیم کیے جائیں تو ڈیڑھ سو تک صحابہ قلات میں شہید ہوکر دفن ہوئے، اس کے علاوہ جتنی لڑائیاں ہوئیں ان میں بھی صحابہ کرام کی موجودگی ناگزیر ہے لیکن چونکہ اکثر صحابہ اس وقت عمر رسیدہ ہوچکے تھے اور ان کی اولاد ابھی جوانی کے دور میں تھی، اور ویسے بھی وہ اپنے نام کے لیے نہیں بلکہ اللہ کی رضا کے لیے لڑ رہے تھے اس لیے ان کے ہاں اس کی کوئی اہمیت نہیں

---

[1] ایضاً، ص 109

[2] محمد اسحاق بھٹی، فقہائے ہند، 1 / 7، دار السلفیہ لاہور، 1974ء

[3] G.P Tate , The Frontiors of Balochistan, London 1875, p.309

تھی اور نہ ہی یہ کوئی حیرانگی والی کوئی بات تھی کہ خوامخواسالار لشکر کا تعین قومیت یا صحابیت پر ہو بلکہ یہ تو خلیفہ وقت کی صوابدید پر منحصر تھا کہ وہ جس میں اس کی اہلیت دیکھتا اسے یہ رتبہ اور منصب سونپ دیتا۔ اسلامی تاریخ اس بات پر گواہ ہے کہ اس میں غلام ابن غلام نے بھی سرداری کی۔ بالخصوص آپ دور فاروقی نکال کر دیکھ لیجئے کہ جس دور میں اسلام پوری دنیا میں پھیل رہا تھا اسی دور میں آپ کو اکثر مسلم گورنر ماضی کے غلام نظر آئیں گے۔ کیا یہ انسانیت کی معراج نہیں ہے؟

یہ تو وہ واقعات ہیں جو کتابوں میں درج ہیں، شاید اس سے پہلے اور بعد میں بھی صحابہ کرام یہاں آئے ہوں جیسا کہ بزرگ جمہر وغیرہ حضرات کا خیال ہے، تاہم اس بارے میں قطعی طور پر کچھ نہیں کہا جا سکتا کیونکہ جب تک مستند کتاب میں ذکر نہ ہو اس وقت تک کچھ کہنا رجماً بالغیب ہو گا۔ اسی طرح اسکے بعد بھی جب اور سپہ سالار یہاں سندھ آئے تو ان کے ساتھ بھی شاید مدرک و مخضرم ہی سہی پر اصحاب رسول ﷺ میں سے کوئی نہ کوئی یہاں آئے ہونگے تاہم ان کے نام اور کارنامے تاریخ سے اوٹ میں رہے۔ بس اتنا کہا جا سکتا ہے کہ تحقیقی بات یہ ہے کہ دور فاروقی سے ان کی آمد کی ابتداء ہوئی اور پہلی صدی کے اختتام تک آتے رہے جیسا کہ قاضی اطہر صاحب کی تحقیق کے مطابق عہد فاروقی سے لیکر عباسی دور تک اس ملک میں صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کی آمد جاری رہی [1]۔ رضوان اللہ علیہم اجمعین

پاکستان میں وارد تابعین کرام رحمۃ اللہ علیہم

اصحاب رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اور ان کے بعد کئی ایک تابعین بھی پاکستان آئے جن میں مشہور اور معلوم سپہ سالار تابعین کے یہاں صرف نام ذکر کیے

---

[1] قاضی اطہر مبارک پوری، خلافت راشدہ اور ہندوستان، ص 24

جاتے ہیں:

حارث بن مرہ عبدیؒ، حکم بن منذر عبدیؒ، راشد بن عمروؒ، ابن اسید بن اخنسؒ، ابو شیبہ جوہریؒ، ثاغر بن ذاغرؒ، حاتم بن قبیصہؒ، زائدہ بن عمیر طائیؒ، زیاد بن حواریؒ، ابو قیس زیاد بن رباح قیسیؒ، حکم بن عوانہ کلبیؒ، معاویہ بن قرہ مدنیؒ، مکحول بن عبد اللہؒ، قطن بن مدرکؒ، قیس بن ثعلبہؒ، کہمس بن حسن بصریؒ، یزید بن ابو کبشہ دمشقیؒ، موسیٰ سیلانیؒ، موسیٰ بن یعقوبؒ ثقفی، عبد الرحمٰنؒ سیلمانی، عمر بن عبید اللہ قریشیؒ، شمر بن عطیہ اسدیؒ، سعید بن اسلم کلابیؒ، سعید بن کندیر قشیریؒ، سعد بن ہشام انصاریؒ، حباب بن فضالہؒ، عبد الرحمٰن بن عبد اللہؒ، ایوب بن زید ہلالیؒ، حری بن حری باہلیؒ، عباد بن زیاد امویؒ، یزید بن مفرغ حمیریؒ، ربیع بن صبیح بصریؒ، جماعہ بن سعد تمیمیؒ، عطیہ بن سعد عوفیؒ، امام حسن بصریؒ، صیفی بن فسیل شیبانیؒ، ابو سالم زطیؒ اور فاتح سندھ حضرت محمد بن قاسمؒ ثقفی۔

تفصیل کے لیے قاضی اطہر مبارک پوری کی "رجال السند والہند" اور "العقدالثمین"، ڈاکٹر محمد اسحاق کی "علم حدیث میں پاک و ہند کا حصہ" اور ڈاکٹر عبد الرحمٰن براہوی کی "بلوچستان میں عربوں کی فتوحات اور حکومتیں" کا مطالعہ کیجیے۔

مأخذ ومراجع

1. قرآن مجید
2. الآلوسی، محمود بن عبداللہ روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی، دار عمار قاہرہ 1364ھ
3. ابن ابی حاتم، الجرح والتعدیل، مکتبہ عصریہ بیروت لبنان، 1407ھ
4. ابن ابی شیبہ، عبداللہ بن محمد (م 235ھ)، مصنف ابن ابی شیبہ، مکتبۃ الرشد، الریاض، 1410ھ
5. ابن اثیر، عزالدین، محمد بن عبدالکریم (م 630ھ)، الکامل فی التاریخ، المکۃ المکرمۃ، 1386ھ
6. ابن حبان، ثقات ابن حبان، دارالاندلس مصر 1429ھ
7. ابن حبان، محمد بن حبان (م 354ھ)، صحیح ابن حبان، داراحیاء التراث بیروت، 1406ھ
8. ابن حجر، اسد الغابہ، دارالمعارف قاہرہ، 1404ھ
9. ابن حجر عسقلانی، تہذیب التہذیب، دارالمعارف قاہرہ، 1401ھ
10. ابن حجر عسقلانی، اسد الغابہ، دار صادر بیروت 1988ء
11. ابن حزم، جمہرۃ الانساب لابن حزم، دار صادر بیروت 1988ء
12. ابن خرداذبہ (م 280ھ)، المسالک والممالک، دار صادر لیدن بیروت، 1889ء
13. ابن خلدون، عبدالرحمان (م 808ھ)، تاریخ ابن خلدون، دارالفکر بیروت 1988ء
14. ابن خلدون، تاریخ ابن خلدون، دار صادر بیروت 1398ھ
15. ابن خلکان، تاریخ ابن خلکان، دارالمعارف قاہرہ، 1407ھ
16. ابن سعد، ابوعبداللہ محمد (845ء)، الطبقات الکبریٰ، دار صادر بیروت، 1387ھ
17. ابن سعد، طبقات ابن سعد، دارالمعارف قاہرہ، 1401ھ
18. ابن شاہین عمر بن احمد بن عثمان البغدادی (م 385ھ)، الترغیب فی فضائل الاعمال وثواب ذالک، دارالکتب العلمیہ بیروت لبنان، 1424ھ
19. ابن عبدالبر، الاستیعاب، دارالاندلس مصر 1429ھ
20. ابن عبدالبر (م 368ھ)، جامع بیان العلم وفضلہ، داراحیاء التراث بیروت، 1389ھ

21. ابن عبد البر، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، دار صادر بیروت 1986ء
22. ابن عربی، محی الدین (م 1240ھ)، الفتوحات المکیہ معھد الدراسات العلیاء بالسوریون، 1405ھ
23. ابن عساکر، تاریخ دمشق، دارالمعارف قاہرہ، 1404ھ
24. ابن عساکر، تاریخ ابن عساکر، مکتبۃ الہلال بیروت، 1423ھ
25. ابن فقیہ ہمدانی (330ھ)، کتاب البلدان، ص 251، لیدن 1343ھ
26. ابن قانع، معجم الصحابہ، دارالمعارف قاہرہ، 1409ھ
27. ابن قدامہ، عبد اللہ بن احمد (620ھ)، المغنی، دارالفکر بیروت 1405ھ،
28. ابن قیم، امام، محمد بن ابی بکر (751ھ)، بدائع الفوائد، دار احیاء التراث بیروت 1420ھ
29. ابن قیم، محمد بن ابی بکر (751ھ)، زادالمعاد فی ھدی خیر العباد، دارالکتب بیروت، 1418ھ
30. ابن کثیر، عماد الدین، اسماعیل بن عمر (774ھ)، البدایۃ والنہایۃ، دارالمعرفۃ بیروت، 1403ھ
31. ابن کثیر، عماد الدین، تاریخ ابن کثیر، اردو مترجم اختر فتح پوری، نفیس اکیڈمی کراچی 1989ء
32. ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، دار صادر بیروت 1998ء
33. ابن کثیرؒ، تفسیر ابن کثیر، دارالقرآن بیروت 1981ء
34. ابن ماجہ، ابو عبد اللہ محمد بن یزید قزوینی (273ھ)، دار احیاء التراث بیروت، 1412ھ
35. ابن منظور، افریقی (م 711ھ)، لسان العرب، فصل المیم، دار صادر بیروت، 1414ھ
36. ابن ہشام، الحمیری، عبد المالک بن ہشام (م 833ء)، السیرۃ النبویہ، دار صادر بیروت 1978ء
37. ابن ہشام، سیرت ابن ہشام، دار صادر بیروت 1988ء
38. ابو اسحاق ابراہیم بن محمد فارسی اصطخری (م 340ھ)، المسالک والممالک، دار صادر بیروت 2004ء
39. ابو الفداء، تقویم البلدان، دار صادر بیروت 1988ء
40. ابو جعفر بغدادی (245ھ)، المحبر، 1 / 127، دارالآفاق الجدیدۃ بیروت، س ط ن
41. ابو حنیفہ احمد بن داؤد الدینوری (282ھ)، الاخبار الطوال، دار احیاء الکتب العربی القاہرہ، 1960ء
42. ابو داؤد، سلیمان بن اشعث (م 275ھ)، ابو داؤد، مکتبہ عصریہ بیروت 1994ء
1. ابو ظفر ندوی، تاریخ سندھ، نیشنل بک فاؤنڈیشن اسلام آباد 1989ء

2. ابو عبد اللہ زبیری (م236ھ)، نسب قریش، دار المعارف قاہرہ، 1401ھ
3. ابو عبد اللہ، نقشبندی، آصف مجید، جہاد افغانستان سے ظہور مہدی تک، 2002ء، مطن
4. ابو عبید، قاسم بن سلام، کتاب الاموال، السعادۃ مصر، 1353ھ
5. ابو علی مرزوقی، کتاب الازمنہ والامکنہ، حیدر آباد، 1353ھ
6. ابو عمرو خلیفہ ابن خیاط البصری (240ھ)، تاریخ خلیفہ ابن خیاط، دار القلم دمشق، 1397ھ
7. ابو نعیم اصبہانی، تاریخ اصبہان، دار المعارف قاہرہ، 1404ھ
8. ابو یوسف، امام، کتاب الخراج، دار الکتب قاہرہ، 1352ھ
9. ابو الفضل، آئین اکبری، نیشنل بک فاؤنڈیشن اسلام آباد 1989ء
10. ابو بکر احمد بن مروان الدینوری (م333ھ)، المجالس وجواہر العلم، دار ابن حزم بیروت 1419
11. ابو بکر انباری (م328ھ)، الاضداد، مکتبہ عصریہ بیروت لبنان، 1407ھ
12. ابو داؤد، سلیمان بن اشعث، الجامع السنن، دار الرسالۃ العالمیہ، 1430ھ
13. احمد، اصفہانی، حلیۃ الاولیاء وطبقات الاوصفیاء، مکتبۃ السعادۃ مصر 1364ھ
14. احمد بن اسحاق یعقوبی (292ھ)، البلدان المعروف بہ تاریخ یعقوبی، دار الکتب علمیہ بیروت 1422ھ
15. احمد بن حنبل، امام (م241ھ)، مسند احمد، دار الکتب قاہرہ 1416ھ
16. احمد بن یحییٰ البلاذری (279ھ)، فتوح البلدان، دار صادر بیروت 1988ء
17. اردو دائرہ معارف اسلامیہ، دانش گاہ پنجاب لاہور، طبع ثانی 2006ء
18. اسماعیل بن محمد اصبہانی، سیر سلف الصالحین، مکتبہ عصریہ بیروت لبنان، 1407ھ
19. آغا نصیر خان بلوچ، بلوچستان کی قدیم تاریخ، ناشر بلوچی دنیا ملتان، 1983ء
20. امام ابن حجر عسقلانی، الاصابہ فی تمیز الصحابہ، دار صادر بیروت 1988ء
21. امام ابن حزم اندلسیؒ (456ھ)، جمہرۃ الانساب العرب، دار المعارف قاہرہ، 1382ھ
22. امام بخاری، بخاری، دار الکتب علمیہ بیروت 1422ھ
23. امام بخاری، التاریخ الکبیر للبخاری، دار المعارف قاہرہ، 1401ھ
24. امام بغدادی، تاریخ بغداد لخطیب بغدادی، دار المعارف قاہرہ، 1404ھ

25. امام حاکم، ومستدرک الحاکم، دارالمعارف قاہرہ، 1408ھ
26. امام ذہبی (61ھ)، سیر اعلام النبلاء، دار صادر بیروت 1988ء
27. امام ذہبی، تاریخ اسلام، دار صادر بیروت 1976ء
28. امام ساعدی یمنی، خلاصہ تہذیب الکمال، مکتبۃ الہلال بیروت، 1423ھ
29. امام صفدیؒ، الوافی بالوافیات، دارالمعارف قاہرہ، 1401ھ
30. امام طبرانی، المعجم الکبیر للطبرانی، دارالمعارف قاہرہ، 1401ھ
31. امام عنسی، مصباح الاریب فی تقریب، دارالمعارف قاہرہ، 1405ھ
32. امام ماکولا (م475ھ)، الاکمال فی رفع الارتیاب، دارالمعارف قاہرہ، 1404ھ
33. امام ماکولا (م475ھ)، تہذیب مستمر الاوھام، مکتبہ عصریہ بیروت لبنان، 1407ھ
34. امام مزی نے تہذیب الکمال، دارالاندلس مصر 1429ھ
35. امام مسعودی، مروج الذہب، دار احیاء الکتب قاہرہ، 1960ء
36. امام وشاء (325ھ)، الظرف والظرفاء، دارالمعارف قاہرہ، 1404ھ
37. بزرگ بن شہریار (م300ھ)، عجائب الہند، لیدن 1886ء
38. بشاری مقدسی، احسن التقاسیم فی معرفۃ الاقالیم، دار صادر بیروت 1988ء
39. بشیر احمد خان، سندھ کا جغرافیہ، سندھ ادبی بورڈ جام شورو، 2006ء
40. البیہقی، شعب الایمان، دارالمعارف قاہرہ، 1404ھ
41. تاریخ سندھ از اعجاز الحق قدوسی، اردو بورڈ کراچی، 1995ء
42. التعازی (المراثی والمواعظ والوصایا)، لامام محمد بن یزید ازدی المبرد (285ھ)
43. تہذیب الکمال فی اسماء الرجال لامام المزیؒ (م742ھ)، مکتبۃ الہلال بیروت، 1423ھ
44. الثقات لابن حبان، الثقات، دار صادر بیروت 1988ء
45. الجوہرۃ فی نسب النبی ﷺ للامام البری (546ھ)، دارالرفاعی ریاض، 1403ھ
46. خورشید احمد فاروق، برصغیر اور عرب مؤرخین، زمرد پبلیکشنز کوئٹہ، 1976ء
47. دار قطنی (م385ھ)، المؤتلف والمختلف، دارالمعارف قاہرہ، 1404ھ

48. الدکتور عبد اللہ مبشر الطرازی، موسوعۃ التاریخ الاسلامیۃ لبلاد السند والبنجاب (باکستان الحالیۃ) فی عہد العرب، عالم المعرفۃ جدہ السعودیۃ، 1403ھ / 1983ء
49. ڈاکٹر داؤد شاہ بلوچ، بارہویں صدی ہجری کے آخر تک بلوچستان میں مشہور ماہرین وخادمین حدیث کا اجمالی تذکرہ، مجلہ "الولی"، جنوری وفروری 2000ء
50. ڈاکٹر عبد الرحمٰن بروہوی، بلوچستان میں صحابہ کرام، براہوی اکیڈمی کوئٹہ 2004ء
51. ڈاکٹر عبد الرحمٰن براہوی، بلوچستان میں عربوں کی فتوحات اور حکومتیں، زمرد پبلیکیشنز کوئٹہ
52. ڈاکٹر غلام جیلانی برق، دانش عرب وعجم، الفیصل لاہور 2011ء
53. ڈاکٹر محمد اسحاق، Contribution of India to the study of Hadith (Literature)، اردو مترجم "علم حدیث میں پاک وہند کا حصہ" ترجمہ شاہد حسین رزاقی، لاہور 1977ء، ص 31
54. ڈاکٹر محمد اسحاق، علم حدیث میں برصغیر پاک وہند کا حصہ، ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور، 2013ء
55. ڈاکٹر محمد اسحاق، علم حدیث میں پاک وہند کا حصہ، دارالسلفیہ لاہور، 1974ء
56. ڈاکٹر نبی بخش بلوچ، دیبل پر تحقیقی مقالہ، اسلامک کلچر دکن حیدر آباد جولائی 1952ء
57. ڈاکٹر نبی بخش بلوچ، دیبل پر تحقیقی مقالہ، برحاشیہ تاریخ معصومی، سندھی ادبی بورڈ حیدر آباد 1978ء
58. سکندر خان، تاریخ وادئ چھچھ، ویسہ علاقہ چھچھ، 2005ء
59. سید سلیمان ندوی (م 1953ء)، تاریخ سندھ، ص 4، دارالاشاعت کراچی، 1995ء
60. سید طاہر محمد نسیانی ٹھٹھوی، تاریخ طاہری، سندھی ادبی بورڈ حیدر آباد 1964ء
61. ضیاء الرحمٰن فاروقی، رہبر ورہنما، ص 68، اشاعت المعارف فیصل آباد، 2002ء
62. ضیاء اللہ جدون، تاریخ وادی گدون، نوار خان جدون ریسرچ سنٹر بیسک گدون صوابی، 2009ء
63. ضیاء اللہ جدون، حضرت سنان بن سلمہ اور پشاور میں واقع مزار اصحاب بابا کا تحقیقی جائزہ، ص 8، نوار خان جدون فاؤنڈیشن بیسک صوابی 2016ء
64. ضیاء اللہ خان جدون، تاریخ صوابی، افغان ریسرچ سنٹر لاہور، 2015ء
65. عبد الرحمٰن بن علی جوزی (597ھ)، المنتظم فی تاریخ الامم والملوک، دار لکتب العلمیہ

بیروت، 1412ھ

66. عبداللہ بن مسلم الدینوری (276ھ)، المعارف، الهئية المصرية العامة للكتاب القاهرة، 1992ء

67. عبدالملک بن ہشام الحمیری (213ھ)، السیرة النبویہ لابن ہشام، شرکتہ الطباعة الفنیہ المتحدہ، س ط ن

68. عبدالحلیم شرر، تاریخ سندھ، دلگداز پریس لکھنؤ، 1907ء

69. عبدالحئ لکھنوی، الاعلام بمن فی تاریخ الہند من اعلام المعروف بہ نزہۃ الخواطر، دار ابن حزم بیروت

70. عبداللہ بن عبید اللہ المعروف بہ ابن خرداذبہ (م280ھ)، المسالک والممالک، دار صادر لیدن بیروت 1889ء

71. عبداللہ مبشر الطرازی، موسوعة التاریخ الاسلامیة لبلاد السند والبنجاب (باکستان الحالیة) فی عہد العرب عالم المعرفة جدہ السعودیة، 1403ھ / 1983ء

72. العقد الفرید لابن عبدربہ الاندلسی (328ھ)، دار المعارف قاہرہ، 1404ھ

73. علامہ بدرالدین عینی، معانی الاخیار، مکتبة الہلال بیروت، 1423ھ

74. علامہ ذہبیؒ (748ھ)، تاریخ اسلام، 3 / 583، دار الکتاب العربی، بیروت 1413ھ

75. علامہ سندھیؒ، حاشیہ مسند احمد، دار المعارف قاہرہ، 1404ھ

76. علامہ سید سلیمان ندوی، عرب وہند تعلقات، مشعل بکس لاہور، 2004ء

77. علی بن محمد المعروف بہ ابن اثیر (م630ھ)، الکامل فی التاریخ، دار الکتاب العربی بیروت 1997ء

78. علی محمد الصلابی، سیرۃ علی ابن ابی طالب، ص474، مکتبہ الصحابہ امارات 2004ء

79. علی محمد الصلابی، معاویہ بن ابی سفیان،، دار الاندلس مصر 1429ھ

80. علی محمد صلابی، سیرۃ علی بن ابی طالب، مکتبہ عصریہ بیروت لبنان، 1407ھ

81. عمرو بن بحر بن محبوب الکنانی الشہیر بالجاحظ (م255ھ)، البیان والتبیین، مکتبة الہلال بیروت، 1423ھ

82. الغزالی، المقصد الاسنیٰ، مکتبة الہلال بیروت، 1423ھ

83. فالودی اثری، المعجم الصغیر، مکتبة الہلال بیروت، 1423ھ

84. فتح نامہ سندھ عرف چچ نامہ، علی المدائنی، مترجم اختر رضوی، سندھ ادبی بورڈ جام شورو، 2008ء
85. قاضی اطہر مبارک پوری، ہندوستان عربوں کی نظر میں، دارالمصنفین اعظم گڑھ، 1964ء
86. قاضی اطہر مبارک پوری، العقد الثمین، فرید بکڈپو دہلی، 2004
87. قاضی اطہر مبارک پوری، خلافت راشدہ اور ہندوستان، اسلامک پبلشنگ ہاؤس لاہور، س طن
88. قاضی اطہر مبارک پوری، خلافت راشدہ اور ہندوستان، دارالمصنفین اعظم گڑھ، 1964ء
89. قاضی اطہر مبارک پوری، عرب وہند عہد رسالت ﷺ میں، فرید بکڈپو دہلی، 2004
90. قاضی اطہر مبارک پوری (م1996ء)، عرب وہند عہد رسالت ﷺ میں، فرید بکڈپو دہلی 2004ء
91. قاضی محمد اطہر مبارک بوریؒ، رجال السند والہند، دارالمصنفین اعظم گڑھ، 1964ء
92. قاضی محمد سلیمان سلمان پوری، اصحاب بدر، مشتاق بک کارنر لاہور، س طن
93. لابن قیسرانی (507ھ)، المؤتلف والمختلف، دارالمعارف قاہرہ، 1404ھ
94. المبرد، الکامل فی اللغۃ والادب، مکتبۃ الہلال بیروت، 1423ھ
95. مجہول (م372ھ)، البلدان والجغرافیات الی المغرب، دارالثقافیہ قاہرہ 1423ھ
96. محمد اسحاق بھٹی، برصغیر میں اسلام کے اولیں نقوش، مکتبہ سلفیہ لاہور، 1990ء
97. محمد اسحاق بھٹی، فقہائے ہند، دارالسلفیہ لاہور، 1974ء
98. محمد بکری اندلسی (م487ھ)، المسالک والممالک، دارالمغرب الاسلامی 1992ء
99. محمد بن اسحاق بن مندہ (395ھ)، معرفۃ الصحابہ، جامعہ الامارت العربیہ المتحدہ، 2005ء
100. محمد بن اسماعیل البخاری (156ھ)، الصحیح البخاری، دار طوق النجاۃ دمشق، 1422ھ
101. محمد بن جریر طبری (310ھ)، تاریخ طبری، نفیس اکیڈیمی کراچی 2004ء
102. محمد قاسم فرشتہ، تاریخ فرشتہ (اردو مترجم، عبدالحیٰ خواجہ)، المیزان لاہور، 2008ء
103. محمد قاسم فرشتہ، تاریخ فرشتہ (اردو مترجم، عبدالحیٰ خواجہ)، المیزان لاہور، 2008ء
104. مفتی محمد شفیعؒ، اسلام کا نظام اراضی، دارالاشاعت کراچی، 2003ء
105. مقدسی بشاری (380ھ)، احسن التقاسیم فی معرفۃ الاقالیم، دار صادر بیروت 1402ھ
106. منظور افریقی، لسان العرب، دار صادر بیروت 1988ء

107. میر محمد معصوم بھکری ٹھٹوی (م1015ھ)، تاریخ معصومی، سندھی ادبی بورڈ جام شورو، 2006ء

1.Ancient Trade in Pakistan, Article by Sir Wheeler, Pakistan Miscellany, Karachi 1958
2.Dr A. H. Dani, A Short History of Pakistan, Karachi 1967
3.Smith Oxford, The Oxford History of India, oxford University Press, 1964
4.Abbott, Sind A re-interpretation of the unhappy valley, London 1880
5.Captain Postings, Personal Observation on Sind, London 1842
6.Cunningham, Ancient Geography of India , London 1897
7.Dr Fazal Ahmad Khan , Bhanbore Exuviation, Daily Newspaper Dawn Karachi, 23rd March 1959
8.Dr Muhammad Ishaq, India's contribution to study of Hadith Literature, Decca 1955
9.G.P Tate , The Frontiers of Baluchistan, London 1875
10.Haig, The Indus Delta Company, London 1894
11.India's Contribution to the study of Hadith Literature
12.Lamb rick, Sind A General Introduction, London 1880
13.M.H. Penury (1925-2007 A.D) , Primordiality of Karachi
14.W. T. Blended, The Geology of Western Sind, Vol:XVII, 1880

محمد تقی العثمانی

مکتبہ عزیزیہ

سلام کتب مارکیٹ دکان نمبر17 علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

Cell: 0300-2343814

ہیں جن کے جواب سے تاریخ نے چپ سادھ لی ہے۔اس بارے میں کچھ کہنا رجماً بالغیب ہوگا کیونکہ اس کا اصل علم صرف اور صرف حقیقی ذاتِ خداوندی کو ہے۔ اسکے پیچھے میں سمجھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے راز و حِکم چھپے ہیں جنہیں صرف وہی جانتا ہے۔ تاہم اگر تحقیقی نظر سے دیکھا جائے تو یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہوجاتی ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے یہاں آنے کا مقصد محض اعلائے کلمۃ اللہ تھا۔ وگرنہ ان کو خوب معلوم تھا کہ سندھ کا علاقہ زندگی کے بنیادی وسائل سے محروم علاقہ ہے چہ جائیکہ وہاں سے مال غنیمت کی توقع کی جائے اس لیے یہاں کے غیر متمدن اور قبائلی انسانوں کو دولت اسلام دے کر ایک جواں بخت اور بلند اقبال قوم میں شامل کرنا ان کا اصل مقصد تھا کیونکہ یہ تب ممکن ہوسکتا جب ان میں انسانیت آجاتی اور یہ صرف اسلام ہی سے ممکن تھا کہ یہی ایک فطری دین ہے۔ جو بھی ہے، بہرکیف اس سے تین باتیں سامنے آجاتی ہیں۔ایک، پاکستان (سندھ) میں اسلام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی بدولت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے صرف چار سال بعد پہنچا تھا اور اسی وجہ سے سندھ کو باب الاسلام کہا جاتا ہے نہ کہ محمد بن قاسم کی وجہ سے کہ وہ تو 78 برس بعد آیا تھا، ہاں البتہ اس کے ہاتھوں اللہ نے پاکستان (سندھ) پر مسلمانوں کو قبضہ دلایا تھا۔ دوم، مسلمان سمجھ گئے کہ بحری راستے سے سندھ پر قبضہ کرنا مشکل ہے، اس لیے بری راستے سے ہی اقدام کرنا ہوگا اور یہ تب ممکن ہے کہ ایران ان کے قبضے میں آجائے۔ سوم، سندھی عرب سے اور عرب لوگ سندھ سے کم از کم واقف ہوگئے۔

23 ھجری کے واقعات

دور فاروقی میں 21 ہجری میں بڑی سخت معرکہ آرائیوں کے بعد نہاوند فتح ہوا[1]۔

---

[1] تاریخ طبری، 3/318